Tafseer-e-Mahmood
by
Maulana Mufti Mahmood
ISB No: 969-8793-68-0

ضابطہ

نام کتاب : تفسیر محمودؒ (جلد اوّل)

افادات : مولانا مفتی محمودؒ

اشاعت اوّل : جولائی ۲۰۰۲ء

اشاعت چہارم : مارچ ۲۰۱۱ء

سرورق : جمیل حسین

ناشر : محمد ریاض درانی

کمپوزنگ : اشفاق حسین

مطبع : اشتیاق اے مشتاق پرنٹنگ پریس

قیمت : -/1400 روپے

باہتمام : محمد بلال درانی

قانونی مشیر : سید طارق ہمدانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

زیر سرپرستی : مفتی محمود اکیڈمی پاکستان

انتساب

محبِ مکرم

حضرت مفتی محمد جمیل خان شہید

کے نام

ضبط و املاء

مولانا محمد یوسف خان استاذ الحدیث (جامعہ اشرفیہ لاہور)

مولانا حفیظ الرحمٰن بن مولانا عبدالرشید خان

مرتبین

مولانا مفتی محمد یوسف خان گورمانی (جامعہ فتاح العلوم گوجرانوالہ)

مولانا عبید الرحمٰن (خطیب جامع مسجد عثمان موڑ کریم آباد لاہور)

پروفیسر امجد علی شاکر (پرنسپل گورنمنٹ کالج قصور)

حافظ محمد ریاض درانی (خطیب جامع مسجد پائلٹ ہائی سکول وحدت روڈ لاہور)

تصحیح

قاری محمد یوسف احرار

رجسٹرڈ پروف ریڈر حکومت پنجاب

مولانا محمد عارف

استاذ جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

فہرست

جلد اوّل

سورۃ فاتحہ، سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ مائدہ

جلد دوم

سورۃ انعام تا سورۃ الشعراء

جلد سوم

سورۃ نمل تا سورۃ الناس

عرضِ ناشر

آج جب تفسیرِ محمود شائع کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہوں تو جذباتِ تشکر سے بھیگ سا گیا ہوں۔ یہ بات میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی کہ میں ان سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکوں گا۔ مگر ربِ کریم کی عنایتیں بھی عجیب ہوتی ہیں جب کسی کو عطا ہوں تو اس کی طلب کا محدود دامن لامحدود نوازشوں کے سامنے عاجز سا ہو جاتا ہے اور اس وقت کی کیفیت کے اظہار کے لیے الفاظ کم سے پڑ جاتے ہیں۔

مدتوں سے آرزو تھی کہ جمعیت علماء ہند اور جمعیت علماء اسلام کے اکابر کے علمی اور فکری کارناموں کو مرتب و مدون میں پیش کیا جائے۔ خصوصاً ان تحریروں کو جو یا تو شائع نہ ہو سکیں یا ابھی تک ترتیب و تدوین کے مراحل سے ہی گزر رہی تھیں۔ اس سلسلے کے کئی منصوبے زیرِ غور ہیں۔ انہی میں سے ایک بڑا منصوبہ حضرت مولانا مفتی محمود کے علوم و افکار اور ان کی نگارشات و نظریات کو جمع و تدوین کے بعد کتابی صورت میں پیش کرنا تھا۔

اس کام کے سلسلے میں میرے محبوب و مخدوم مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید کی رہبری میرے کام آئی۔ انھوں نے مولانا مفتی محمود کے علمی خزانوں اور کارناموں کو پیش کرنے کے منصوبے کی طرف متوجہ کیا۔ انہی کی راہنمائی اور تعاون سے فتاویٰ مفتی محمود کی جمع و تدوین اور طباعت و اشاعت کا کام شروع ہوا۔ یہ کام جاری ہے اور اس بڑے منصوبے کے خدوخال نمایاں ہو کر سامنے آ گئے ہیں۔ اُمید ہے یہ منصوبہ کامیابی سے مکمل ہو گا۔ اہلِ علم اور اہلِ نظر نے اس منصوبے کو پذیرائی بخشی اور آج یہ کام ایک کارنامہ نظر آتا ہے۔

دوسرا منصوبہ حضرت مفتی صاحب کے تفسیری امالی کی اشاعت کا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۷۲ء میں حضرت امام لاہوری کے دورۂ تفسیر کے تسلسل میں اس سال قرآن مجید کی تفسیر پڑھائی، اگرچہ اُن کا رنگِ تفسیر مختلف اور اندازِ تفسیر جدا تھا مگر یہ اسی دورۂ تفسیر کا تسلسل تھا جو اب سے تقریباً پون صدی پہلے شروع ہوا تھا۔ مفتی محمد جمیل خان مرحوم نے مجھے اس منصوبے کی طرف متوجہ فرمایا۔ مولانا محمد یوسف خان نے کرم فرمایا کہ اپنے امالی کی کاپی بلا تکلف مجھے عنایت کر دی۔

یہی کاپی میرے محترم حضرت مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ، مولانا عبدالرحمن اور پروفیسر امجد علی شاکر کی

مشترکہ سعی و کاوش سے مرتب و مربوط تفسیر کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ مجھے بھی ان کی مجلس علمی میں بیٹھنے اور بعض امور میں ان سے تعاون کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ کام قریب الاختتام تھا کہ جناب مولانا فضل الرحمن نے مولانا عبدالرشید کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمن سے کچھ نوٹس بھی لاکر ہمارے حوالے کیے جن سے کئی نئی باتیں حاصل ہوئیں اور تفسیر میں مفید اضافے ہو سکے۔

یہ ایک بہت بڑا منصوبہ ہے جس کی تکمیل پر میں اپنے محترم بزرگوں کے احسانات سے زیر بار ہوں۔ حضرت مفتی محمد جمیل خان کے عالم بالا میں بلندی درجات کے لیے دعا گو ہوں کہ ان کی توجہ دہی سے میں نے یہ منصوبہ شروع کیا۔ حضرت مولانا فضل الرحمن نے خصوصی اجازت مرحمت فرمائی۔ مرتبین کی مجلس علمی کے لیے سراپا سپاس ہوں کہ انھوں نے بکھرے اور منتشر اوراق کو مرتب اور مربوط شکل عنایت کر دی۔

اس سلسلے میں محترم شفیق انور کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے فنی اور تکنیکی تعاون فرمایا۔ اشتیاق کا شکریہ بھی واجب ہے کہ اس نے جس خلوص اور نیک نیتی سے کمپوزنگ کا فریضہ ادا کیا وہ بغیر کسی اخلاص کے ممکن نہ تھا۔ آخر میں رب ذوالجلال کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے اس قدر عظیم توفیق بخشی جو میری صلاحیتوں اور حیثیتوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔

طبع دوم کے لیے چند باتیں

رب ذوالجلال کا بے حد و حساب کرم و احسان ہے کہ تفسیر محمود کی توقع سے زیادہ پذیرائی ہوئی۔ ابھی اس کی تقریب رونمائی کا ارادہ ذہن و دماغ میں تھا کہ دوسری بار طباعت کی نوبت آ گئی۔ اہل علم نے اس کی خوبیوں اور خوبصورتیوں کو سراہا اور طلبہ و عوام کی رغبت نے اسے قبول عام کا درجہ عطا کر دیا۔

بعض دوستوں نے بعض تسامحات کی نشاندہی فرمائی۔ کتابت کی چند اغلاط صاحبان ذوق کے لیے بار خاطر تھیں۔ دوسری اشاعت میں ان کی تصحیح کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس اشاعت کو شرف قبول بخشیں گے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ پہلے ہفتے میں ہی یہ تفسیر پاکستان اور پاکستان سے باہر کے قارئین کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ اللہ تعالیٰ ہماری یہ سعی قبول فرمائے۔ والسلام

محمد ریاض درانی
مدیر جمعیت پبلی کیشنز لاہور
مسجد پائلٹ ہائی سکول وحدت روڈ لاہور

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و تشریح کے لیے آقائے دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ زندگی میں اس کے ایک ایک حکم اور ایک ایک جزو کی تفصیلات سے امت کو آگاہ کیا۔ اگر دیکھا جائے تو پورا ذخیرہ حدیث اسی قرآن کریم کی تشریح و تفسیر اور مراد خداوندی کی تفصیلات کے بیان پر مشتمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور علمائے امت نے اس خدمت کو سرانجام دیا۔ بعد ازاں امت کے اکابر نے قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کے لیے باقاعدہ اصول و ضوابط اور شرائط وقواعد مدون فرمائے تو تفسیر کے ساتھ ساتھ اصول تفسیر نے بھی ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔ حضرات فقہائے امت نے نصوص قرآن کو عبارت النص، دلالت النص اور اشارۃ النص وغیرہ پر تقسیم کیا اور ان کی مدد سے احکام شریعت کے درجات متعین فرمائے، ان کی روشنی میں احکام و مسائل مستنبط فرمائے اور احکام و مسائل کے لیے دلائل مہیا فرمائے۔

چنانچہ قرآن حکیم کی نبوی تفسیر کے علاوہ حضرات صحابہ کرام کی تشریحات کو علمائے امت نے یکجا مرتب اور مدون کرنا شروع کیا تو عظیم کتب تفسیر وجود میں آ گئیں اور ہر دور کے اکابر نے اپنے اپنے انداز اور ضرورت کے مطابق قرآن کے علوم و معارف کو سمجھانے کی سعی کی۔

چودہ سو سال سے علمائے امت نے اپنی صلاحیتوں کو اس کتاب مقدس کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا، مگر زیادہ تر تفسیریں عربی زبان میں تھیں اور عربی دان علماء ہی اس سے مستفید ہوتے تھے۔ جوں جوں اسلام عرب سے نکل کر اکناف عالم میں پھیلا تو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کریم کی تعلیمات کو ان علاقوں کے مقامی لوگوں تک پہنچایا جائے، چنانچہ علمائے اسلام نے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس خدمت کو سنبھال لیا۔

ہندوستان کے عوام کی مشترکہ زبان اردو تھی اس لیے یہاں کے اکابر علماء نے قرآن کریم کو اردو کے قالب میں ڈھالنے میں شب و روز ایک کر دیے، چنانچہ ہندوستان میں سب سے پہلے مقبول و جامع فارسی ترجمہ کا اعزاز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے حصہ میں آیا تو اس کے اردو ترجمہ کا اعزاز ان کے خلف حضرت مولانا شاہ عبد القادر دہلوی کے حصہ میں آیا۔

بلاشبہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور اس کا ترجمہ و تشریح دراصل مراد خداوندی کے تعین و تبیین کے مترادف ہے، اس لیے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں کس قدر حزم و احتیاط کی ضرورت تھی۔ اکابر علمائے دیوبند نے اس حساس اور اہم خدمت کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر نہایت مستعدی سے اس کام کو سنبھالا۔ اسی کی برکت ہے کہ آج ہند و پاک میں اردو زبان میں تفسیر قرآن کا نہایت ہی لائق اعتماد تفسیری

ذخیرہ موجود ہے۔

ہر شخص اس بات کی استعداد نہیں رکھتا کہ وہ قرآن کریم کی ضخیم و عظیم تفاسیر سے براہِ راست اخذ و استفادہ کر سکے۔ دوسری جانب مسلمانوں کی غالب اکثریت قرآن کریم کو پڑھنا اور اس کے معنی و مفہوم اور مراد کو سمجھنا اور جاننا چاہتی تھی مگر ان کے پاس فرصت و فراغت کا فقدان تھا یا ان کے معروضی حالات و مصروفیات اس کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اسی طرح وہ طلبہ جو عصری اور دینی مدارس میں زیر تعلیم تھے مگر قرآنی علوم و معارف سے آگاہی چاہتے تھے ان کی ضرورت و طلب، ذوق و شوق اور خواہش و آرزو کی تکمیل کے لیے اکابر علمائے اُمت نے جہاں مختصر مختصر میں بیسیوں دورۂ قرآن کا نظم قائم کیا وہاں قرآن کریم کی تفسیر پر مشتمل مختصر مدت کے تفسیری دورے جاری فرمائے۔ اس سلسلہ میں پاکستان کی حد تک امام الاولیاء حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں ضلع میانوالی، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ، امام التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، امام المجاہدین حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم اور مولانا غلام اللہ خانؒ کے مختصر تفسیری دورے قابل ذکر ہیں، جنہوں نے ملک بھر میں خاصی شہرت حاصل کی اور ان سے اسلامیان پاکستان کو بھرپور نفع ہوا۔

آخرش ۱۹۷۶ء میں محمود الملۃ والدین مفکر اسلام قائد جمعیت علمائے اسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمود قدس سرہ نے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی علمی جولانگاہ شیرانوالہ گیٹ لاہور میں حضرات اکابر علماء و اہل علم کی خواہش پر دورۂ تفسیر پڑھانے کی ذمہ داری قبول فرمائی تو ملک بھر کے علماء، طلبہ، صلحاء اور عوام و خواص نے اس میں بھرپور شرکت فرما کر قرآن کریم کے علوم و معارف سمیٹنے کی سعی و کوشش کی۔

اس موقع پر حضرت مفتی محمودؒ کے دورۂ تفسیر میں شریک ہونے والے متعدد اہل علم نے ان کے تفسیری نکات اور فوائد کو قلم بند بھی کیا۔ ممکن ہے کہ کچھ حضرات نے اس کی کیسٹ بھی کی ہو۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو اس خوان یغما پر لٹائے گئے موتیوں کی حفاظت و صیانت کا قابل قدر انتظام نہیں کیا جا سکا۔

بایں ہمہ بعض قدر دانوں نے اس موقع پر بھی قلم و قرطاس کی مدد سے کچھ خزینے محفوظ کر لیے اور اب تک وہ خزینے دفینوں کی شکل میں محفوظ چلے آ رہے تھے مگر عوام و خواص حتیٰ کہ علماء کی نگاہوں سے وہ پردۂ خفا میں تھے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے ممدوح حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید کو جنہوں نے قرآن کریم سے عشق و محبت اور حضرت مولانا مفتی محمود قدس سرہ سے محبت و عقیدت اور قلبی لگاؤ کے پیش نظر چاہا کہ حضرت مفتی محمود قدس سرہ کے علوم و معارف، فقہ و حدیث اور درس و تدریس کے آبدار موتیوں کو تلاش کر کے

شائع کیا جائے اور ان دفینوں کو سفینوں میں منتقل کر کے اُمت مسلمہ کو ان سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے۔

بلاشبہ حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ وقف للخیر، دھن کے پکے، عزم جواں اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ چنانچہ وہ جس کام کا عزم فرما لیتے پھر ان کے دن رات اور فکر و تحقیق اسی کے لیے وقف ہو کر رہ جاتیں۔ انھوں نے سب سے پہلے حضرت مفتی محمودؒ کے قلم سے جاری ہونے والے ان فتاویٰ کو منصۂ شہود پر لانے کا بیڑہ اٹھایا جو جامعہ قاسم العلوم ملتان میں حضرت مفتی صاحب کی صدارت دارالافتاء کے دور میں ان کے قلم سے صادر ہوئے۔ بحمد اللہ! حضرت مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ اپنے مقصد میں کامیاب اور سرخرو ہوئے۔ متعدد حضرات علمائے کرام اور مفتیان عظام کو اس کام پر لگایا۔ قاسم العلوم کے فتاویٰ کے رجسٹروں سے ان فتاویٰ کے فوٹو بنوائے، ان کی ترتیب و تبویب کا کام کرایا، عنوانات لگائے اور لکھوائے، دن رات خود اس کام میں والہانہ انداز میں لگے رہے تا آنکہ اس کی اشاعت شروع ہوگئی۔ تادم تحریر بحمد اللہ فتاویٰ مفتی محمود کی آٹھ ضخیم جلدیں شائع ہو کر ارباب فقہ و فتاویٰ سے شرف پذیرائی اور داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں اور یہ کام تا حال جاری ہے۔

جب فتاویٰ مفتی محمود کی اشاعت کا کام ایک نہج پر چل نکلا تو ان کا اگلا قدم یا ہدف یہ تھا کہ کسی طرح حضرت مفتی صاحب کے دورۂ تفسیری امالی اور افادات حاصل کر کے انھیں بھی منصۂ شہود پر لایا جائے۔ چنانچہ وہ اس مہم کو سر کرنے میں مگن ہو گئے تا آنکہ "جوئندہ یابندہ" کے مصداق وہ اس خزانہ عامرہ کی دریافت میں بھی کامیاب ہو گئے اور حضرت مولانا محمد یوسف خان استاذ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کے پاس اس علمی خزانہ کی موجودگی کی خبر پا کر بنفس نفیس حضرت مولانا محمد یوسف خان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض مدعا پر حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب نے اسے اپنے دل کی آواز سمجھ کر نہ صرف اپنی امالی اور علمی نوادرات پیش کر دیے بلکہ ممکن حد تک خدمت اور تعاون کا یقین دلایا۔

مولانا مفتی جمیل خان شہیدؒ نے یہ امالی حاصل کیے اور اپنے عزیز اور ہم ذوق و ہم مزاج مولانا محمد ریاض درانی کو بطور خصوصی اس کام کی طرف متوجہ کیا اور قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن مدظلہ کی مشاورت سے اس کام کو شروع فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے برادرم مولانا محمد ریاض درانی صاحب کو جنھوں نے اس کام کو جنگی بنیادوں پر سر انجام دینے کا مظاہرہ کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان نے اس کام کی ترتیب و تکمیل فرمائی۔ حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب کو اس کا نگران اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل حضرت

مولانا عبدالرحمٰن صاحب خطیب جامع مسجد علی حسن آباد لاہور کو اس کام کی ترتیب و تسوید پر مامور فرمایا گیا، جنہوں نے نہایت محنت و دیدہ وری سے اس قلمی دستاویز کو صاف کیا، اسے املائی سے تفسیری انداز میں منتقل فرمایا، جہاں تشنگی تھی اس کی تکمیل فرمائی۔ قرآن کریم کے ترجمے کے لیے ادارہ نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کے ترجمہ کو منتخب کیا گیا۔

زبان کی نوک پلک کی درستگی اور نظر ثانی ادبی حلقے کے قدیم کارکن جناب پروفیسر امجد علی شاکر پرنسپل گورنمنٹ کالج قصور کے حصے میں آئی۔ یوں تفسیر محمود مرتب ہو کر کمپوزنگ کے مرحلہ میں داخل ہوگئی۔

جب تفسیر محمود کی کمپوزنگ ہوگئی تو اس کی مزید اصلاح و ترتیب کے لیے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب، مولانا ریاض درانی اور پروفیسر امجد علی شاکر نے اس پر نظر ثانی کی اور ان سب کے بعد ایک جید جماعت نے مولانا محب النبی مدظلہ کے ادارہ دارالعلوم مدنیہ کے ایک کمرہ میں بیٹھ کر حضرت مفتی محمودؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان، سابق استاذ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ حال مدیر جامعہ فتاح العلوم گوجرانوالہ کی سربراہی میں اس پر نظر ثانی کی۔

اسی اثنا میں جانشین مفتی محمودؒ حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کو کہیں سے اس سلسلہ کی ایک دوسری املائی دریافت ہوگئی، انھوں نے ان حضرات سے فرمائش کی کہ اس سے بھی استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ ان حضرات نے ان دونوں مخطوطوں کا تقابل کیا اور جو چیزیں حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب مدظلہ کی املائی سے زائد ان نئی املائی میں موجود تھیں، ان کو حسب موقع درج کیا۔ یوں تفسیر محمود نہایت حزم و احتیاط کی چھلنی سے چھن کر تیار ہوئی اور اب بحمد اللہ! ایک مکمل و جامع مگر مختصر تفسیر کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

جو حضرات تصنیف و تالیف کے شعبے سے کسی قدر واقف ہیں ان کو اس کا اندازہ ہوگا کہ یہ کس قدر مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے؟ لیکن اگر خلوص و اخلاص، محنت و ہمت اور جہد مسلسل ہو تو "مشکلے نیست کہ آساں نشود" کے مصداق بحمد اللہ! آج یہ مشکل آسان ہوگئی ہے اور حضرت مفتی محمودؒ کا خواب تعبیر کی شکل اور روپ دھار چکا ہے۔

تفسیر محمود کیسی ہے؟ حضرت مفتی محمود قدس سرہ کی علمی اور عبقری شخصیت کی زندگی بھر کی تفسیری تحقیقات کا نچوڑ ہے۔ اس کتاب کے بارہ میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، کیونکہ آفتاب نصف النہار کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا۔

نہایت ہی ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس موقع پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن، پروفیسر امجد علی شاکر اور حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان دامت برکاتہم کی شبانہ روز محنت و کاوش، جد و جہد اور کوشش کا تذکرہ نہ کریں، جنہوں

نے دن کا سکون اور راتوں کی نیندیں قربان کر کے آبدار موتیوں کی اس مالا کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ میں برادرم مکرم حضرت مولانا محمد یوسف درانی کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی ذاتی دلچسپی محنت، لگن اور جہد مسلسل سے کوہ ہمالیہ کی یہ چوٹی سر ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اس عظیم و مقبول کارنامہ پر اپنی بارگاہ عالی سے بیش از بیش جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو شرف قبول بخشتے ہوئے حضرت مفتی محمود قدس سرہ اور ہم سب کی نجات آخرت اور قارئین کی ہدایت و راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

(مولانا) سعید احمد جلال پوری

خلیفہ مجاز شہید اسلام مولانا یوسف لدھیانوی

مدیر ماہنامہ "بینات" کراچی

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عام لوگ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سیاسی راہنما اور عظیم مفکر و مدبر کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ براہ راست ان سے ملنے والے حضرات ان کو قد آور عالم دین اور بلند پایہ روحانی بزرگ بھی سمجھتے ہوں لیکن جہاں تک حقیقت کا معاملہ ہے حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ ہمہ گیر علمی شخصیت تھے۔

ان کی نگاہ جہاں بین الاقوامی حالات پر تھی وہاں وہ علوم متداولہ اور جدید وقدیم کے بھی ماہر تھے وہ حدیث وتفسیر کے فن میں امامت کے درجہ پر فائز تھے اور فقہ وفتاویٰ میں اپنے دور کے مسلمہ امام تھے۔

محدث العصر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی معیت میں ان سے بارہا ملاقاتیں ہوئیں اور حضرت بنوری قدس سرہ کی حیات میں وہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو اپنا دوسرا گھر اور اس ادارہ کو اپنا ادارہ سمجھتے تھے۔ یہ ناممکن تھا کہ حضرت مفتی صاحب کراچی تشریف لائیں اور حضرت بنوریؒ سے نہ ملیں یا جامعہ علوم اسلامیہ میں تشریف نہ لائیں۔

بارہا ان اکابر کی نجی وعلمی محافل میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ جب بھی ان حضرات کی محافل علم وتحقیق کی مجالس ہوتی تھیں کبھی فقہ وفتاویٰ کی ابحاث موضوع کلام ہوتا تو کبھی حدیث، شروح حدیث، رجال حدیث اور محدثین کی طرف روئے سخن ہوتا۔

بلاشبہ ان حضرات کی محفل میں بیٹھ کر اسلاف واکابر، بلکہ خیر القرون کی یادیں تازہ ہو جاتی تھیں ان کی محفل میں بیٹھ کر علم وعمل کا شوق اور نقد وبحث کا ذوق میسر آتا ان کی ہر ملاقات میں نئی سے نئی تحقیقات سننے کو ملتی تھیں۔

ان کے قلوب واذہان جہاں تقویٰ وطہارت سے معمور تھے وہاں ان کی زبان وبیان میں بلا کی تاثیر

تھی۔ ان کے منہ سے نکلنے والا ایک ایک لفظ میزانِ عدل میں تلا ہوا ہوتا۔ مجھے حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ سے باقاعدہ تلمذ کا شرف تو حاصل نہیں لیکن میں حضرت بنوری قدس سرہ کی نسبت سے ان کو بھی اپنے اساتذہ کی طرح سمجھتا ہوں۔

شومیٔ قسمت کہ ہمارے اکابر جس گہرائی و گیرائی کے علمی معیار پر فائز تھے ہم نے انہیں اس انداز سے پہچاننے کی کوشش نہیں کی۔ حضرت مفتی محمود جیسی عظیم ہستی کے کارناموں، علم و عمل، بحث و تحقیق سے ان کے کارناموں پر جس طرح کا کام ہونا چاہیے تھا افسوس! کہ ان پر اس انداز کا کام نہیں ہوا۔ تاہم یہ بھی باعث مسرت ہے کہ حضرتؒ کے متوسلین ان کے علوم و معارف کے مدفون خزانے منصۂ شہود پر لانے کی سعی و کوشش کر رہے ہیں۔

فتاویٰ مفتی محمود کے بعد اب تفسیر محمود کی خوشخبری سن کر دل باغ باغ ہو گیا۔ خدا کرے کہ کوئی اللہ کا بندہ حضرت مفتی محمود کی حیات و سوانح اور کارناموں پر مفصل و جاندار دستاویز مرتب کر دے جس میں ان کی حیات و خدمات کے مخفی گوشوں، سلوک و احسان، زہد و تقویٰ، خوف و خشیت الٰہی کے علاوہ ان کی تدریسی خدمات، فقہ، قرآن اور حدیث و تفسیر میں ان کی مہارت سے بھی پردہ اٹھایا جائے تاکہ نئی نسل کو اپنے اکابر و اسلاف کے عظیم کارناموں سے آگاہ کر کے ان کے لیے راہِ عمل متعین کی جا سکے۔

بہر حال میں مولانا محمد ریاض احمد درانی صاحب کو تفسیر محمود کی ترتیب و اشاعت پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس عظیم علمی کارنامہ پر بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو امت کے لیے نافع و مفید بنائے۔ آمین

(مولانا) عبدالرزاق اسکندر

مدیر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

سچ پوچھئے تو یہ سب مفروضے اور ناتمام انسانی فکر و سوچ کے قواعد و کلیات ہیں ورنہ اس معمورۂ ارضی پر استثنائی صورتیں نادر و غریب مثالیں اور مجموعہ اضداد اور جامع شخصیات کی مثالیں موجود ہیں جن کو دیکھ کر یہ تمام مفروضے پانی کے بلبلے کی طرح محض ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔

میرے مشاہدہ میں ہندو پاک میں چند ایسی شخصیات گزری ہیں جنہوں نے اپنے کردار و عمل سے ان مفروضوں کو غلط ثابت کر کے دنیا کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کیا ہے۔ ان میں سے ایک میرے ممدوح حضرت اقدس مولانا مفتی محمود قائد جمعیت علماء اسلام شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان بھی تھے جنھوں نے سیاست ملکی، بلکہ بالفعل سرحد کی وزارت اعلیٰ کے ساتھ ساتھ درس و تدریس، علم و تحقیق اور فقہ و فتاویٰ کے ساتھ ایسا انصاف کیا ہے کہ جس کی کم از کم موجودہ دور میں مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

آپ بیک وقت قائد جمعیت، شیخ الحدیث، رئیس دارالافتاء، اور سرحد کی وزارت اعلیٰ پر فائز تھے مگر مجال ہے کہ ان کے علمی اور تحقیقی ذوق، تعمق و تصلب میں کوئی فرق آیا ہو۔

وہ ایک طرف اگر بہترین سیاسی حکمت داں اور بین الاقوامی و ملکی حالات پر گہری نظر رکھتے تھے تو دوسری طرف نام نہاد حکمرانوں کے خلاف اسلام سازشوں کے بخئے بھی ادھیڑتے تھے۔ ایک طرف اگر وہ مسند حدیث پر بیٹھ کر حدیث اور اسماء الرجال میں حافظ ابن حجر کا پرتو معلوم ہوتے تو دوسری طرف فقہ و فتویٰ میں امام ابو حنیفہ کا عکس معلوم ہوتے۔ اسی طرح جب وہ مسند تفسیر پر متمکن ہوئے تو رازی و آلوسی کے جانشین محسوس ہوئے۔

بلاشبہ حضرت مفتی محمود قدس سرہ کی عبقری شخصیت ہمہ جہت اور ہشت پہلو تھی۔ ضرورت ہے کہ ان کے علوم و افکار کے مخفی خزانے امت کے سامنے لائے جائیں اور درس و تدریس، بحث و تحقیق، فقہ و فتویٰ اور حدیث و تفسیر کے عنوان پر ان کی کاوشوں کو منصہ شہود پر لا کر خلاف کو یاد کرایا جائے کہ ہمارے اسلاف نے کس کس طرح کس کس میدان میں اور کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے ہیں؟

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب مولانا ریاض درانی صاحب کو جنھوں نے حضرت مفتی محمودؒ کے دورۂ تفسیر کی امالی سے تفسیر محمود مرتب کروا کر اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت مسلمہ کی ہدایت، حضرت مفتی صاحب کے رفع درجات، اور مرتبین و ناشرین اور معاونین کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ اولاً وآخراً

(مولانا) ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر عفا اللہ عنہ
شیخ الحدیث جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

حرفے چند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کہ تفسیر محمود تکمیل کو پہنچی۔ یہ امالی ہیں جو مولانا محمد یوسف خان نے حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمود کے درس میں قلمبند کیے تھے۔ حضرت کا دورہ تفسیر ۱۳۸۷ھ میں شیرانوالہ دروازہ لاہور میں حضرت امام لاہوری کے قائم کردہ دورہ تفسیر کا تسلسل تھا۔ آپ کا عمومی طریقہ یہ تھا کہ آپ تلاوت قرآن پاک کے بعد بے تکلف انداز میں قرآن مجید کا ترجمہ بیان فرماتے۔ پھر خلاصہ رکوع اور پھر اہم نکات بیان فرماتے۔ مولانا محمد یوسف خان کی کوشش تھی کہ حضرت کے زیادہ سے زیادہ الفاظ اور بیان کردہ نکات قلمبند ہو جائیں مگر حرف حرف اور لفظ لفظ کیونکر قلمبند کیا جا سکتا۔ بعد میں مولانا صدر الشہید کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمٰن کے ضبط شدہ امالی مولانا فضل الرحمٰن کی وساطت سے حاصل ہوئے تو بعض نئی باتیں سامنے آئیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کے دیگر تلامذہ کے نوٹس سے مزید امالی حاصل ہوں گے، نئے نکات سامنے آئیں گے اور یہ تحریر مزید جامعیت اور وسعت اختیار کرے گی۔

مولانا عبد الرحمٰن اور راقم الحروف نے مولانا یوسف خان اور مولانا حفیظ الرحمٰن کے امالی کو مسلسل عبارت کی شکل دینے کی کوشش کی۔ ہماری مسلسل یہی کوشش رہی کہ حضرت مفتی صاحب کے منشاء اور پیش کردہ نکات میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہ ہو۔ انھی کی پیش کردہ تفسیر پیش کی جائے اور اس انداز میں پیش کی جائے کہ وہ گفتگو کی زبان سے تحریری زبان بن جائے تاکہ قارئین کے لیے اس کی تفہیم ممکن اور آسان ہو سکے۔

اس سفر میں بہت سے کٹھن مراحل آئے۔ بعض جگہ تفہیم میں دقت تھی یا بات وضاحت طلب تھی یا بات اشارات سے آگے نہ بڑھتی تھی۔ ان مراحل کو قارئین پر آسان بنانے کی غرض سے ہم نے کوشش کی کہ مرتبین کی کوئی بات شامل نہ ہو اور حضرت مفتی صاحب کا بیان کردہ مفہوم ہی سہل اور سلیس ہو کر قاری تک پہنچ جائے۔ پھر معاملہ قرآن فہمی کا تھا۔ یہاں مرتبہ میں جو محنت و احتیاط کی ضرورت ہے یہاں کسی بھی قسم کی لغزش گوارا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ ترجمہ تفسیر حضرت مفتی [illegible] خان مدظلہ کے سامنے پڑھی گئی اور مشکل مراحل آپ کی راہنمائی میں طے کیے گئے۔ آپ سالہا سال سے دورہ تفسیر پڑھا رہے ہیں۔ آپ حضرت مفتی صاحب

کے تلمیذ رشید ہونے کے علاوہ حضرت قاضی شمس الدین کے شاگرد رشید اور تفسیر قرآن حکیم کے لیے خصوصی ذوق و شوق رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی سرپرستی میں برپا ہونے والی مجلس میں اس تفسیر کا لفظ لفظ پڑھا گیا اور اس کا آخری متن تیار ہوا۔ راقم الحروف کے لیے یہ سعادت دارین ہے اور اس نعمت بے پایاں پر اپنے خالق کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتا ہے کہ راقم کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس کے قلم سے تفسیری عبارتیں لکھوائی جائیں۔ یہ حضرت مفتی صاحب کی شفقت و عنایت ہے۔ ورنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔

تفسیر کی سند:

عن الاستاد مولانا مفتی محمود عن الشیخ مولانا سید فخر الدین مراد آبادی عن الشیخ الہند مولانا محمود حسن عن الشیخ مولانا محمد قاسم نانوتوی و عن الشیخ مولانا رشید احمد گنگوہی عن الشیخ شاہ عبدالغنی مجددی و عن الشیخ مولانا احمد علی سہارنپوری عن الشیخ الشاہ محمد اسحاق دہلوی عن الشیخ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی صاحب الترجمۃ المعروفۃ قرآن عن الشیخ استاذ الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی عن الشیخ الشہیر الامام الشاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہم۔

حضرت الامام ولی اللہ دہلوی صاحب ترجمۃ القرآن فتح الرحمٰن:

(۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ)

حضرت الامام نے ۱۱۵۰ھ میں قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ مکمل کیا اور حواشی لکھے۔ یہی فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن تمام ہندوستان بلکہ اقصائے عالم میں شائع ہوا۔ آپ نے اس ترجمہ کا مقدمہ بھی لکھا اور فن ترجمہ قرآن پر ایک مختصر مضمون بھی رقم فرمایا۔ آپ نے اس ترجمے کے ساتھ تفسیری حواشی بھی لکھے اور الفوز الکبیر کے نام سے اصول تفسیر پر مستقل کتاب رقم فرمائی۔ اس کا آخری باب فتح الخبیر کے نام سے لکھا جس میں مختصر تفسیری نکات بیان فرمائے۔

حضرت الامام دنیائے علم کے استاد ہیں اور فتح الرحمٰن کی حیثیت تراجم کے استاد کی ہے۔ اس ترجمے میں مجتہدانہ بصیرت اور الہامی شان ملتی ہے۔ اس ترجمے اور حواشی کے الفاظ اس قدر گراں مایہ ہیں کہ مفصل تفسیروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ الفوز الکبیر عربی مدارس کے علاوہ سرکاری جامعات میں نصاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ گویا حضرت الامام کا کارنامہ تفسیر دوسروں کے مقابلے میں متن کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر دوسرے کام کو ان کے حواشی کا درجہ حاصل ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ:

(۱۱۵۹ھ - ۱۲۳۹ھ)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ جنہیں حضرت مفتی محمود عیسیٰ خاں گورمانی استاذ الہند لکھتے اور بولتے ہیں، نے فتح

الرحمٰن سے کے اسرار و رموز سے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے تفسیر عزیزی لکھی جو شروع کے پاروں میں سورۃ بقرہ تک ہے اور آخر کے دو پاروں پارہ تبارک الذی اور پارہ عم پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ایک شاگرد نے سورۃ مومنون سے سورہ یٰس تک کے آپ کے دروس مرتب کیے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز علوم ولی اللّٰہی کا خزانہ اور خزینہ تھے۔ آپ نے اُن کے علوم کو جاننے والے شاگردوں کا ایک گروہ تیار کیا۔ نیز ان علوم میں اپنے تخلیقی ذہن سے وسعت بھی پیدا کی۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ:

(۱۱۷۳ھ - ۱۲۳۳ھ)

حضرت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن بعنوان موضح قرآن اردو میں وہی مجتہدانہ بصیرت اور مفکرانہ بصیرت و ژرف نگاہی کا حامل ہے جس حیثیت و اہمیت کا حامل فارسی میں فتح الرحمٰن ہے۔ آپ نے چالیس سال مسجد اکبر آبادی میں بیٹھ کر ترجمہ و حواشی کا کام مکمل کیا۔ ان کا لفظ لفظ بصیرت عطا کرتا اور قرآن کریم کا ذوق آشنا بناتا ہے۔

فتح الرحمٰن میں کمالات کی دنیا آباد ہے۔ اسی طرح موضح القرآن میں کمالات کا ایک نیا جہاں آباد ہے۔ فتح الرحمٰن میں فقہی امور پر بڑی بصیرت ملتی ہے تو موضح قرآن میں کلامی معاملات و مسائل میں تیز روشنی اور آگہی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر کے علم اور عرفان پر حضرت شاہ عبدالعزیز کو بہت اعتماد تھا۔ آپ نے اپنے خصوصی لوگوں کو ان کے پاس ترجمۂ قرآن پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ان میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید بریلوی، حضرت شاہ اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا عبدالحئی اور حضرت شاہ اسحاق دہلوی کے نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمۂ قرآن کی اہمیت بزرگانِ دیو بند کی نظر میں:

شیخ القرآن مولانا حسین علی نے امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوہی سے ۱۳۰۰ھ میں دورۂ حدیث پڑھا، اس کے بعد امام ربانی نے آپ کو حکم صادر فرمایا کہ آپ مولانا محمد مظہر نانوتوی سے موضح قرآن پڑھیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی سے ترجمہ قرآن پڑھا۔ پھر آپ نے پنجاب میں دورۂ قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ:

اُستاذ الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے، خلیفہ اور جانشین ہیں۔ آپ نے حضرت شاہ

عبدالعزیز سے حدیث اور حضرت شاہ عبدالقادر سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی۔ امیرالمومنین کا کاروان حریت بالاکوٹ پر داد شجاعت دیتے ہوئے شہادت سے ہمکنار ہوا تو آپ نے اس کی امارت سنبھالی اور آپ کے داماد مولانا نصیرالدین نے امارت کا فریضہ ادا کیا۔ حضرت شاہ اسحاق ۱۸۴۲ء میں دہلی سے مکہ ہجرت فرما گئے۔ آپ کی عدم موجودگی میں ہندوستان پر اندھیری رات چھا گئی مگر اس صورت حالت میں آپ کے شاگردوں کی کہکشاں نے چار سو روشنی بکھیرے رکھی۔

حضرت شاہ عبدالغنی فاروقی مجددیؒ:

(۱۲۳۳ھ-۱۲۹۶ھ)

حضرت شاہ ابوسعید کے صاحبزادے حضرت شاہ اسحاقؒ کے شاگرد رشید وارشد۔ آپ علوم حدیث میں اپنے استاد کی طرح بلند پایہ علوم کے خازن و مخزن، علوم ولی اللّٰہی کے وارث و جانشین۔ آپ نے ہندوستان کو علم کی روشنی عطا کی اور ولی اللّٰہی خاندان کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت امام محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے حضرات اور عبقری شخصیات تھے۔ آپ ۱۸۵۷ء میں مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ حجاز میں آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے احباب اور ہم نشینوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے حجاز میں رہ کر مشرق و مغرب کو اپنے علوم سے مستفید فرمایا۔ آپ کو محدث دارالہجرۃ کہا جاتا ہے۔

حضرت امام محمد قاسم نانوتویؒ:

آپ علوم ولی اللّٰہی کے وارث، قرآن و حدیث کے سمندروں کے غواص، متکلم و فلسفی اور زاہد و عابد ہونے کے علاوہ زمانے کے تقاضوں کو سمجھنے والے شخص تھے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند کا آغاز کیا جو دنیائے علوم کا مرکز ٹھہرا۔ اس وقت دیوبند دنیا بھر میں علم اور جہاد میں مرکزی حیثیت اور اہمیت حاصل ہے۔ آپ کی تصانیف مناظرہ و کلام پر مبنی ہیں۔ ان کے علاوہ آپ مختلف رسائل میں حدیث و تفسیر کے بہت سے مسائل کو حل کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی کتب میں تفسیری نکات کا سرمایہ وافر ملتا ہے۔ آپ جلالین کا درس بھی دیتے تھے۔ آپ کے درس نے عظیم مفسرین کی تربیت کی۔

امام ربانی قطب عالم حضرت رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ:

حضرت امام ربانی فقیہ و محدث ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجے کے مفسر تھے۔ آپ تفسیر قرآن کی تعلیم کو بہت اہمیت دیتے۔ چنانچہ آپ ہی کے حکم پر شیخ القرآن مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد مظہر

نانوتوی سے بعض قرآن پڑھا۔ حضرت شیخ کو تفسیر کی روح اجتہاد حاصل ہوا۔ اس مقام پر پہنچنے میں امام ربانی کے فیض تربیت کو بے حد دخل حاصل ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ:

حضرت شیخ الہند علوم ولی اللہی کے وارث حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے تلمیذ اور شید محدث، متکلم، مصنف، مفتی اور مدرس تھے۔ آپ نے حضرت مدنی کو باقاعدہ تفسیر پڑھائی۔ دہلوی دور میں سلسلہ ولی اللہی کے بزرگوں کا حوالہ دیتے ہوئے قرآنیات کے متعلق مولانا مدنی فرماتے ہیں کہ طلبہ ان نکات کی بہت کم تحقیق کرتے ہیں۔ آپ تفسیر قرآن پاک کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اس سلسلے کی خاندان ولی اللہی کے علوم کو بہت اہمیت دیتے۔ آپ ولی اللہی سلسلے کے بزرگوں کو آخر حضرت پر فوقیت دیتے تھے۔

حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمہ اللہ:

حضرت شیخ الہند علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ کے بھی ماہر تھے۔ ایک بار آپ ایک جلسے میں خطاب فرما رہے تھے کہ حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی تشریف لائے۔ آپ اس وقت علوم عقلیہ کے حوالے سے گفتگو فرما رہے تھے۔ تلامذہ نے سوچا کہ آج مولانا لطف اللہ علی گڑھی کو معلوم ہو سکے گا کہ ہمارے استاد علوم عقلیہ کے جامع ہیں مگر ان کے آنے کے ساتھ ہی آپ نے تقریر ختم کر دی۔ بعد میں شاگردوں نے کہا کہ کاش آپ تقریر جاری رکھتے تو مولانا لطف اللہ کو معلوم ہو جاتا کہ ہمارے استاد کس قدر علوم عقلیہ کے جامع ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی یہی خیال آ گیا تھا اس لیے تقریر ختم کر دی کہ اب تو اپنی ذات کے اظہار کے لیے تقریر ہوتی۔

مولانا فخر الدین دیوبند آنے سے پہلے علوم عقلیہ میں مہارت حاصل کر چکے تھے۔ سوچا تھا کہ دیوبند کے لوگ معقولات کو کم جانتے ہیں، منقولات میں ماہر ہیں۔ دیوبند آنے پر حضرت شیخ الہند سے ملاقات ہوئی تو پتا چلا کہ یہاں تو معقولات میں بھی کمال کے حامل بزرگ ہیں۔ آپ نے حضرت شیخ سے استفادہ کیا اور ان کے خصوصی تلامذہ میں شمار ہوئے۔ آپ دارالعلوم سے فراغت کے بعد دیوبند میں ہی استاد مقرر ہوئے۔ پھر دیوبند کے اساتذہ کے حکم پر مراد آباد گئے۔ حضرت مدنی کی اجازت اور خواہش پر ان کی مسند پر بیٹھے۔ ان کے وصال کے بعد دیوبند میں ہی آپ کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ:

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود نے حضرت مولانا فخر الدین سے سند حدیث حاصل کی۔ آپ جامع

کی ذات ہستی تھے۔ سیاست، تدریس، تعلیم، فتاویٰ اور تبلیغ میں اونچے درجے پر فائز تھے۔ آپ محدث، فقیہ، مجود وقاری ہونے کے علاوہ مفسر و متکلم بھی تھے۔ آپ ہی کے افادات والی تفسیر محمود کے نام سے پیش خدمت ہیں۔

تفسیر کا انداز:

آپ کے اس تفسیر میں قاضی بیضاوی کا انداز پایا جاتا ہے۔ البتہ سیاست میں آپ منفرد ہیں۔

تفسیر محمود کا مقام و مرتبہ:

آپ کی تفسیر امام رازی، امام غزالی اور قاضی بیضاوی کی تفسیر کے درجے و مقام کی حامل ہے، لیکن آپ سیاست میں منفرد بھی ہیں اور ان اکابر سے فوق نظر آتے ہیں۔

تفسیری خصوصیات

آپ کے اس تفسیر میں مندرجہ ذیل موضوعات و مسائل ملتے ہیں

۱۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت:

اس سلسلے میں آپ کی نگاہ بہت باریک بین ہے۔ آپ آیات میں پوشیدہ رموز و دلائل کو سامنے لا کر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو واضح کرتے ہیں۔

۲۔ مفردات کی تشریح:

آپ قرآن مجید کے مفردات کی تشریح و تفسیر فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں بہت سے نئے امور اور نئے نکات بیان فرماتے ہیں۔

۳۔ علم کلام و مناظرہ:

یہ تفسیر آپ کے متکلمانہ ذہن کی عکاس بھی ہے۔ آپ قرآنی دلائل و عقل کی بہت اچھی تعبیر کرتے ہیں۔ بہت سے امور پر باطل مذاہب اور غلط خیالات کا خوبصورتی سے رد فرماتے ہیں اور مذہب حق کی حقانیت واضح فرماتے ہیں۔

۴۔ مفسرین کے اقوال اور ان میں راجح قول کا تعین:

اس سلسلے میں آپ کی نظر بہت وسیع اور آپ کی بصیرت بہت ژرف نگاہ ہے۔

۵- فقہ:

فقہ آپ کا مستقل موضوع ہے۔ فقہ کے حوالے سے آپ مفتی کہلائے اور مفتی تو گویا آپ کے نام کا جزو ہو گیا۔ آپ احکام و شرائع کے حوالے سے کمال درجے کی بحث فرماتے ہیں۔

۶- ربط آیات:

ربط آیات کے سلسلہ میں حضرت مولانا شیخ حسین علیؒ اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے تفسیری انداز معروف اور متعارف ہیں۔ ان بزرگوں نے اس سلسلے میں بہت کارنامے سرانجام دیے ہیں۔
حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ قرآن مجید میں ہر جگہ ربط کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے بھی یہی نقطۂ نظر پیش فرمایا ہے۔ بہرحال کلام اللہ میں ربط کا انکار ممکن نہیں۔ اسی لیے حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے خود ہی سورۂ بقرہ، آل عمران اور نساء میں ربط آیات بیان فرمایا ہے۔
مولانا مفتی محمودؒ نے بھی ربط آیات پر کلام فرمایا ہے۔ لیکن آپ ہر جگہ ربط کو لازم نہیں پکڑتے۔ ربط ویسے بھی ذوقی ہے اور مفسر کا اجتہاد ہوتا ہے۔ اسے منصوص نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے جہاں جہاں فطری ربط محسوس کیا ہے وہاں وہاں ربط بیان فرمایا ہے۔ البتہ بتکلف ربط بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

۷- تاریخ و سیاست:

تاریخ و سیاست میں حضرت مفتی صاحبؒ کا انداز گہرا بھی ہے اور منفرد بھی۔ آپ نے اپنی تحقیقات عالیہ سے اپنے علم کو مستفید فرمایا اور تاریخ تفسیر کا ایک نیا باب تیار ہوا۔ اس سلسلے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کی ایک نئی تعبیر پیش فرما کر تاریخ و سیاست کے طالب علم کے لیے ایک نیا جہان آباد کر دیا ہے۔
مختصر یہ کہ یہ تفسیری انداز اور تحقیقات علمیہ کی بدولت سلسلۂ تفسیر کی ایک روشن کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ قارئین اس سے بیش از بیش مستفید ہوں اور مرتبین کو رب العزت سے عفو و کرم ارزانی ہو۔ اللہم آمین!

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

۵ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

امجد علی شاکر

لاہور

پیغامِ امیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مفتی محمود کی عوامی اور سیاسی زندگی سے بے شمار لوگ واقفیت رکھتے ہیں۔ اُن کے جاننے والے صاحبانِ سیاست بھی ہیں اور عامۃ رعیت دار بھی۔ اقتدار کی مسندوں پر براجمان رہنے والے بھی ہیں اور تقسیم رہائشیں و بود و باشیں بھی۔ ان کے فکر و عمل کے حامی بھی ہیں اور ان سے اختلاف رکھنے والے بھی۔ ان سب لوگوں کے ہاں ان کی عظمت مسلّم اور ان کی حیثیت معتبر ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک عملی سیاستدان ہونے کے علاوہ علم اور کتاب کی دنیا کے آدمی تھے۔ اللہ رب العزت نے انھیں تفقہ فی الدین عطا کیا تھا۔ وہ بحرِ علم کے شناور تھے۔ وہ مسندِ علم کے سچے وارث بھی تھے اور علومِ دینیہ کے سچے عارف بھی۔ انھوں نے ایک عمر استاذ حدیث اور شیخ الحدیث کی مسند پر بیٹھ کر حدیث کا درس دیا اور دارالافتاء میں بیٹھ کر فتویٰ نویسی کی۔ وہ فقہی بصیرت بھی رکھتے تھے اور معاملات ملک و ملت بھی۔ گویا وہ رفعتِ فکر کے ساتھ ژرف نگاہی کے حامل تھے۔ یہی ان کی عظمتِ فکر و خیال ہے۔ یہی ان کی رفعتِ نقش و شخصیت بھی۔

حضرت مفتی صاحب کا تفقہ اتنا تھا کہ مفتی ان کے نام کا جزو بن گیا اور حدیث سے وہ ربط و ارتباط تھا کہ شیخ الحدیث ان کا معروف لقب ہو گیا۔ انھوں نے عمر کے آخری حصے میں جب زندگی نے ان کے ۶۰ سالہ قویٰ میں اضمحلال پیدا کر رکھا تھا، قرآن مجید کی تفسیر پڑھانے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ جب وہ شیخ التفسیر حضرت امام لاہوری کی مسند پر بیٹھے تو انھوں نے اپنے آپ کو اس مسند کے بھی اہل ثابت کیا۔

حضرت مولانا مفتی محمود میدانِ سیاست کے شہسوار تھے۔ انھوں نے سیاست میں جس جرأت و پامردی، جس اخلاص و للہیت، جس دانش و بصیرت، جس عزم و حوصلہ اور جس تفکر و دور بینی سے قومی راہنمائی کی وہ ہماری ملکی اور قومی تاریخ کا روشن باب ہے۔ ان کی دانش و بینش اور عظمت و عزیمت نے اپنوں کے علاوہ بیگانوں سے بھی داد پائی تھی۔

حضرت مولانا مفتی محمود کے رہ اک قدر کارناموں کی ترتیب و تدوین کا عمل جاری ہے اور اس کے بہت سے اجزاء ترتیب و تہذیب اور نظم و تدوین کے مراحل سے گزر کر قارئین تک پہنچ چکے ہیں۔ اب ان کے تفسیری افادات تفسیر محمود کے عنوان سے آپ کے سامنے ہیں۔ اس کی نشر و اشاعت کا شرف اور فخر بھی ہمارے بھائی ریاض درانی کو حاصل ہوا ہے، میں انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

تفسیر محمود کی ترتیب و تدوین مشکل اور جو تکمیل کا مرحلہ اس کی مجلس ادارت کے ارکان استاد محترم حضرت مفتی عیسیٰ خان گورمانی مدظلہ، مولانا عبدالرحمٰن، پروفیسر امجد علی شاکر اور ریاض درانی میری جانب سے مبارکباد اور دلی شکریے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر سے نوازے۔

امید ہے کہ یہ تفسیر مقبول عام ہو اور استفادہ عوام کے کام آئے۔

ان شاء اللہ حضرت مفتی صاحب کے دیگر کارناموں کی جلد شائع ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کار خیر کو مبارک فرمائے اور ہمیں ان کارناموں سے مستفید ہونے کے مواقع ارزانی فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین!

(مولانا) فضل الرحمٰن
امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان
قائد حزب اختلاف پاکستان

کلمات تبرک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجھے یہ سن کر بے حد خوشی اور مسرت ہوئی کہ قائد اسلامی انقلاب مولانا مفتی محمود قدس سرہ کے دورۂ تفسیر شیرانوالہ گیٹ لاہور کے تفسیری افادات کو مرتب کر کے تفسیر محمود کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

پھر یہ سن کر مزید اطمینان ہوا کہ اس پر ثقہ علماء اور ماہرین فن نے نظر ثانی کر کے اس کو باقاعدہ تفسیر کا انداز دے دیا ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ کام انہی لوگوں نے انجام دیا ہے جنہوں نے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ سے براہ راست استفادہ کیا اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور بالخصوص وہ اس دورۂ تفسیر میں بھی شریک تھے۔

میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نوجوان علماء کو اپنے اسلاف و اکابر کے علوم و معارف کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں اپنے اکابر کے ساتھ وابستہ رہنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

اب جبکہ مختلف فتنہ پرور قرآن کے نام پر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں تو ایسے مختصر، جامع، عام فہم اور تحقیقی تفسیری مجموعوں کی شدید ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو خاص و عام کے لیے نافع بنائے اور امت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور اس کی ترتیب و اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کو اپنی بارگاہ سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

فقیر خان محمد

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ العالی

سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقدیم

ابتداء میں ہم کچھ امور بطور مقدمہ کے ذکر کرتے ہیں۔ اولاً فضیلت قرآن اور فضیلت تعلیم و تعلّم قرآن کا ذکر کیا جاتا ہے۔

فضیلت قرآن اور فضیلت تعلیم و تعلّم قرآن

حدیث نمبر۱: امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں حضرت زیدؓ بن ارقمؓ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں:

(قام النبي صلى الله عليه وسلم يوماً "فينا" فقال في خطبته اني تارك فيكم ما ان تمسكتم به لن تضلوا بعدي قال هو كتاب الله حبل ممدود بين السماء و الارض) (الحديث)

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اپنے خطبے میں فرمایا "بیشک میں تم میں ایک چیز چھوڑنے والا ہوں اگر تم اس کے ساتھ تمسک رکھو گے (اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے) تو میرے بعد تم گمراہ نہ ہو گے اور پھر فرمایا وہ کتاب اللہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان میں لٹکی ہوئی ہے"۔

معلوم ہوا کہ چونکہ نزول قرآن آسمان سے زمین تک ہے لہٰذا اگر تم تمسک بالقرآن کرتے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔

حدیث نمبر۲: حضرت علیؓ سے روایت ہے:

(قال الا اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الا انها ستكون فتنة قلت ما المخرج منها يا رسول الله قال كتاب الله فيه نبأ ما قبلكم و خبر ما بعدكم و حكم ما بينكم هو الفصل ليس بالهزل من تركه من جبار قصمه الله و من ابتغى الهدى في غيره اضله الله ولا تلتبس به الالسنة ولا تشبع منه العلماء ولا يخلق عن كثرة الرد ولا ينقضي عجائبه هو الذي لم تنته الجن اذ سمعته حتى قالوا انا سمعنا قرآناً عجباً يهدي

الی الرشد فآمنا به من قال به صدق و من عمل به اجر و من حکم به عدل و من دعا الیه هدی الی صراط مستقیم (الحدیث رواہ الترمذی و قال هذا حدیث غریب و اسنادہ مجهول)

فرمایا: آگاہ ہو، تحقیق میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "خبردار (میری امت میں) یقیناً فتنہ برپا ہوگا۔ میں نے عرض کیا" یا رسول اللہ! اس سے نجات کی کیا صورت ہوگی؟" فرمایا: کتاب اللہ (قرآن کے فہم و عمل۔ سے تمام فتنوں اور گمراہیوں سے نجات ملے گی)۔ اس میں اگلی امتوں کی خبر ہے (کہ وہ کیسے بگڑیں) بعد کی بھی خبر ہے۔ (قیامت کی علامات وغیرہ) حکم اور فیصلہ ہے۔ اس چیز کا جو تمہارے درمیان (اختلاف) واقع ہو۔ وہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ بیہودہ کلام نہیں۔ جس جابر نے تکبر و ناز سے قرآن کو چھوڑا اللہ اس کو ہلاک کرے گا۔ جو شخص قرآن کے علاوہ کہیں اور سے ہدایت ڈھونڈے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دور گمراہ کردے گا۔ اس کے سبب زبانیں غلط ملط نہیں ہوتیں۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے۔ وہ کثرت تکرار سے پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائب و غرائب ختم نہیں ہوتے۔ وہ ایسا ہدایت نامہ ہے کہ جنوں نے سنتے ہی کہہ دیا ہم نے قرآن سنا کہ عجب کلام ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ جس نے قرآن کی بات کی اس نے سچ کہا۔ جو اس پر عمل کرے گا اجر پائے گا۔ جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا اس نے انصاف کیا۔ جو اس کی طرف بلائے گا وہ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے گا۔"

حدیث نمبر۳: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الذی لیس فی جوفہ شئی من القرآن کالبیت الخرب (قال الترمذی ہذا حدیث صحیح)

فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے دل میں قرآن میں سے کچھ بھی نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے۔

حدیث نمبر۴: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے:

(قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن و علمہ (رواہ البخاری)

فرماتے ہیں کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

حدیث نمبر۵: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

(فقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذي يقرأ القرآن و يتتعتع فيه و هو عليه شاق له اجران) (متفق عليه)

فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: قرآن جاننے والا بزرگ نیک لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور وہ شخص جو قرآن پڑھتے ہوئے اس میں اٹکتا ہے اور اس کے لیے قرآن کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے تو اس کو دوہرا ثواب ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۶: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے:

(قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل المؤمن الذي يقرأ القرآن مثل الاترجة ريحها طيب و طعمها طيب و مثل المؤمن الذي لا يقرأ القرآن كمثل التمرة لا ريح لها وطعمها حلو ومثل المنافق الذي لا يقرأ القرآن كمثل الحنظلة ليس لها ريح و طعمها مر و مثل المنافق الذي يقرأ القرآن مثل الريحانة ريحها طيب و طعمها مر) (متفق عليه)

"فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال ترنج کی مانند ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور مزہ بھی اچھا ہوتا ہے اور قرآن نہ پڑھنے والے مومن کی مثال کھجور کی مانند ہے کہ اس کی خوشبو نہیں ہوتی مگر مزہ شیریں ہوتا ہے اور قرآن نہ پڑھنے والے منافق کی مثال اندرائن کے پھل کی طرح ہے کہ اس میں بو بھی نہیں ہوتی اور اس کا مزہ بھی تلخ ہوتا ہے اور وہ منافق جو قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہے مگر مزہ تلخ ہوتا ہے"۔

حدیث نمبر ۷: حضرت علیؓ سے روایت ہے:

(قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرأ القرآن فاستظهره فاحل حلاله و حرم حرامه ادخله الله الجنة و شفعه في عشرة من اهل بيته كلهم قد وجبت له النار) (قال الترمذي هذا غريب) (وليس اسناده صحيح)

(اسناد کے صحیح نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی سند کا اعتبار نہیں۔ اس کی سند اعلیٰ درجہ سے نیچے کے درجہ میں ہے جو محدثین کے نزدیک مقبول ہے)

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو یاد کیا، اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام سمجھا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دیں گے اور قرآن اس کے اپنے دس گھر والوں کی سفارش کرے گا جن پر دوزخ واجب ہوگی۔ (یعنی وہ مسلمان تو ہوں گے گناہوں کی وجہ سے ان

حدیث ہے

(عن عائشۃ انہا قالت اول ما بدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لایری رؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلاء و کان یخلو بغار حراء الخ)

"حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ پہلی وہ چیز جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ہوئی، رویائے صالحہ تھے جنہیں آپ خواب میں دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ جو بھی خواب دیکھتے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح سامنے آتا۔ پھر خلوت گزینی آپ کے نزدیک محبوب کر دی گئی اور آپ غار حرا میں خلوت گزینی فرماتے (الخ)"

مکہ مکرمہ میں منیٰ کی طرف ایک پہاڑ جبل النور میں ایک غار ہے۔ اس کو غار حرا کہا جاتا ہے۔ آپ اس میں تشریف لے جاتے تھے۔ گھر سے حضرت خدیجہؓ جو آپ کی پہلی بیوی تھیں، زاد راہ دے کر بھیج دیتی تھیں۔ جب زاد راہ ختم ہو جاتا تو آپ واپس آ جاتے۔ آپ پھر زاد راہ لے کر تشریف لے جاتے۔

حدیث میں ہے فرمایا کہ میں غار حرا میں تھا کہ جبرئیلؑ آئے۔ ایک اجنبی صورت تھی اور آپؐ غار میں اکیلے تھے۔ جبرائیلؑ نے فرمایا۔

(اقراء فقال ما انا بقاری قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثالثۃ ثم ارسلنی (الخ)

"پڑھیے! آپؐ نے فرمایا: "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا (تین مرتبہ اس طرح کیا)"۔

تین مرتبہ دبانے میں حکمت یہ تھی کہ روحانی قوت آپؐ کے سینے میں ڈال رہے تھے تاکہ آپ کو قرآن کی برداشت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، کبھی میرے اوپر اس حال میں وحی آتی ہے کہ میں اونٹنی پر سوار ہوتا ہوں تو وحی کا وزن اتنا بھاری ہوتا ہے کہ اونٹنی بیٹھ جاتی ہے اور قریب ہے کہ اس کا پیٹ زمین سے لگ جائے۔ یہ قول ثقیل تھا تو گویا یہ غط ثلاثہ (تین مرتبہ دبانا) نزول وحی کی تیاری تھی۔

پھر جبرائیلؑ نے فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ (سورۃ علق)

"پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے"۔

اس میں دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآت کا حکم بھی ہے اور تعلیل بھی۔ پروردگار کے نام کے ساتھ ربوبیت کی علت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ آپ کی خصوصی تربیت فرمائیں گے۔

تربیت کا معنی یہ ہے کہ کسی شئی کو درجہ کمال تک پہنچانا شیئاً فشیئاً (یک وقت نہیں) تو ربک میں کاف ضمیر خطاب ہے۔ یا اضافت اختصاص کے لیے ہے کہ کمال تربیت کا آخری مقام آپ کو حاصل ہوگا۔ پھر فرمایا کہ آپ کا رب خالق بھی ہے۔

خلق کے معنی ہیں کسی شئی کو عدم سے وجود میں لانا۔ اللہ نے آپ کو پیدا کیا یعنی آپ کو وہ عدم سے وجود میں لائے۔ جب رب تعالیٰ خالق ہے۔ وہ تیری ذات کو عدم سے وجود میں لایا ہے، لیکن قرأت تو ایک صفت ہے۔ اس کا پیدا کرنا تو آسان ہے نتیجہ یہ نکلا کہ آپ اُمّی (بغیر پڑھے ہوئے) تھے قاری بن گئے۔ حاصل یہ کہ ذات کو پیدا کرنا مشکل تھا۔

(ایجاد الصفات من کتم العدم اقل) یعنی صفت معدومہ کو وجود میں لانا تو آسان تر ہے۔ تو وہ جو خالق کائنات ہے، وہ صفات کو کیوں کر پیدا نہیں کر سکتا۔

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝

دوبارہ پھر اقرأ کہا۔ حضور کی تردد دور کرتا ہے کہ تیرا رب اکرم بھی ہے کہ الکریم اذا وعد وفی تو جب تیرے رب نے تربیت کا وعدہ کیا ہے تو وہ اس وعدہ کو پورا بھی کرے گا۔

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ اشارہ کر دیا کہ تعلیم کے لیے اسباب بھی ہوتے ہیں لہٰذا یہاں بھی تعلیم بالاسباب ہوگی کہ جبرائیل آئیں گے۔

عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

یہاں ایک اور اشارہ کر دیا کہ ما لم یعلم کو بھی سکھا چکا ہے آپ کو بھی سکھا دے گا۔ تردد کی ضرورت نہیں۔ دیکھیے! فرمایا تھا خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ یہ ایک مثال بھی ہے کہ علق ایک منجمد خون ہے، منجمد خون میں روح نہیں تھی، وہ میت تھا۔ اس سے انسان عاقل کو پیدا کیا تو جب وہ علق میت سے عاقل کو پیدا کر سکتا ہے تو کیا اُمیت سے قرأت کی صفت پیدا نہیں کر سکتا، لہٰذا کیوں شک کرتے ہو۔

یاد رکھیے! نطفہ چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ اس سے علق (جما ہوا خون) بن جاتا ہے۔ پھر چالیس دن بعد مضغہ بن جاتا ہے یعنی گوشت کا لوتھڑا۔ پھر چالیس دن بعد انسانی شکل بن جاتی ہے۔ پہلے تین چلوں کے بعد دس دن میں (چار ماہ کے بعد) روح آجاتی ہے۔ جب یہ روح آتی ہے تو یہ حیات خفیہ ہوتی ہے۔ یہ غیر فعال ہے، غیر متاثرہ ہے۔ قوت آتے آتے جب بالکل موثر حیات وجود میں آجاتی ہے تو پھر بچہ ماہ بعد دنیا میں آتا ہے اور اس پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں تو یہ سب کچھ تدریجاً ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اربعین یعنی

(چالیس دن) میں کوئی اثر ہے۔ انقلاب حقائق ہے۔ شاید مشائخ کے چلے بھی بابرکت ہیں۔

بانی تبلیغی جماعت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی تبلیغ کے لیے چلوں کو حساب لگایا ہے کہ عوام کے لیے تین چلے ہیں اور علماء کے لیے سات چلے ہیں۔ اس سے بہت سے علماء گھبراتے ہیں کہ کیا علماء کی اصلاح نہیں ہوتی؟ پھر اس گھبراہٹ کا جواب بعض عام لوگ یوں دیتے ہیں کہ بعض علماء کے دلوں میں علم کے باعث کبر ہوتا ہے اور دوسرے عجیب وغریب جواب دیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عوام میں استعداد و قوت پیدا نہیں ہے، چونکہ علم نہیں ہے، اس لیے وہ اصلاح نہیں کر سکتے۔ ان کے لیے اتنا کافی ہے کہ قلب میں حیات آجائے۔ تو حدیث سے معلوم ہوا کہ ان کو نفس حیات غیر مؤثرہ کی ضرورت ہے، لیکن علماء کے لیے حیات مؤثرہ و فعال کی ضرورت ہے۔ نفس حیات چار ماہ میں آتی ہے، لہٰذا عوام کے لیے تین چلے (چار ماہ) ہیں اور علماء کے لیے سات چلے (نو ماہ دس دن) ہیں۔ کیونکہ پورا بچہ بھی بطن ام سے ۹ ماہ دس دن بعد پیدا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے اگر حیات غیر مؤثرہ کے ساتھ مردہ بچہ باہر آئے تو اس پر احکام شریعت جاری نہیں ہوتے۔ جنازہ بھی نہیں پڑھا جاتا، وراثت بھی نہیں ملتی۔ اگر مؤثر حیات کے ساتھ باہر آئے تو اس پر احکام شریعت جاری ہوتے ہیں، وہ وراثت کا حقدار بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے عوام کو ورثۃ الانبیاء نہیں کہا بلکہ علماء کو کہا گیا ہے۔

علماء کو حیات مؤثرہ (۹ ماہ دس دن) کی ضرورت ہے کہ انہوں نے آگے چل کر کام کرنا ہے۔ ان کے لیے بڑی حیات کی ضرورت ہے اور یہ سات چلوں کے بغیر نہیں آتی۔ شاید اسی لیے حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے مدت تبلیغ میں عوام اور علماء کے درمیان فرق مقرر فرمایا ہے۔

زمانہ نزول وحی:

۱۳ سال مکہ میں نزول وحی ہوا اور دس سال مدینہ میں۔ تو کل ۲۳ سال ہوئے، لہٰذا تمام قرآن مجید ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔

۸۶ سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں اور ۲۸ سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں تو کل ۱۱۴ ہوگئیں۔

نزول قرآن:

قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر جملۃً واحدۃً (یک وقت تمام) رمضان کے مہینہ میں لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔

پھر حسب ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیات نازل ہوتی رہیں

(۱۹)طور(۲۰)حج(۲۱)منافقون(۲۲)مجادلہ(۲۳)حجرات(۲۴)تحریم(۲۵)الصف(۲۶)الجمعہ
(۲۷)التغابن(۲۸)الفتح(۲۹)التوبہ(۳۰)المائدہ(۳۱)شوریٰ۔

بعض علماء تو یہ سورۃ رعد سے پہلے ذکر کرتے ہیں اور بعض بعد میں۔ اسی طرح سورۃ شوریٰ کے مکی اور مدنی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرنا:

قرآن کریم کا نزول متفرق طور پر ہوا ہے۔ یہ جمع کیسے ہوا؟ کس نے جمع کیا؟ اس سلسلے میں بخاری کی روایت پیش کرنا چاہتا ہوں۔

عن زید بن ثابتؓ (کاتب وحی، انصاری) (قال ارسل الی ابوبکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر عنده فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامة بقراء القرآن "الخ")

جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں یہ فوج ترتیب دی تھی (اور آپؐ اس درمیان وصال فرما گئے تھے) بعد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس لشکر کو آپؐ کے ارشاد کے مطابق اس مہم پر روانہ فرما دیا۔

بہرحال جب یہ جنگ ہوئی تو اس میں تقریباً سات سو حفاظ وقراء شہید ہوئے اور ابھی تک قرآن کی کتابی صورت میں بھی نہ تھا۔ حضرت زیدؓ کو یاد تھا۔ عمر فاروقؓ کو اس واقعہ سے پریشانی ہوئی تو فرمایا اس کا کوئی انتظام کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

وانی اخشی ان استحر القتل بالقراء فی کل المواطن فیذهب کثیر من القرآن فقال عمر انی اری ان تامر بجمع القرآن:

اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر ہر جگہ قراء کے قرآن کا قتل شدت اختیار کر گیا (یعنی اس طرح حفاظ شہید ہوتے گئے) تو کہیں قرآن کا اکثر حصہ ہم سے نہ چلا جائے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تم قرآن مجید کو جمع کرو۔"

(فقلت لعمر کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم قال عمر هذا و الله خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلك و رأیت فی ذلك الذی رأی عمر)

میں نے عمرؓ کو کہا تم وہ کام کیسے کرتے ہو جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کیا ہو۔ (کیونکہ وہ بدعت سے ڈرتے تھے) حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم یہی بہتر ہے۔ پس وہ بار بار مجھ سے یہ بات کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے میرے سینے کو اس چیز کے لیے کھول دیا جس کے لیے عمرؓ کا سینہ کھلا تھا اور اب اس بارے میں

میں وہی چاہتا ہوں جو عمرؓ چاہتے ہیں۔

(قال زید بن ثابت فقال لی ابوبکر انک رجل شاب عاقل لانتہمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ قال الزید فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی من جمع القرآن قلت کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر ھو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر و عمرؓ فرأیت فی ذالک الذی رأیا)

حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا۔ پس مجھے ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ بے شک تم جوان عاقل مرد ہو۔ ہم آپ پر بدگمانی بھی نہیں کرتے اور تحقیق تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتے تھے پس تم قرآن مجید کو تلاش کرو اور جمع کر دو (یعنی مختلف چیزوں پتھروں ہڈیوں پر جو کچھ لکھا ہوا تھا) تو حضرت زیدؓ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر مجھے کسی پہاڑ کو اٹھانے کی تکلیف دی جاتی تو وہ مجھ پر اتنا بھاری نہ ہوتا جتنا جمع قرآن مجید مجھ پر بھاری ہے لہٰذا میں (حضرت زیدؓ) نے کہا ان (ابوبکرؓ و عمرؓ) کو کہ کیسے کرتے ہو وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہی بہتر ہے (یہی الفاظ پہلے ابوبکرؓ کو عمرؓ نے کہے تھے) پس ابوبکرؓ بار بار مجھ سے یہ بات کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے اس چیز کے لیے میرا سینہ کھول دیا جیسے ابوبکرؓ و عمرؓ کا کھولا تھا۔ پس میں اس بارے میں وہی چاہتا ہوں جو ابوبکرؓ و عمرؓ چاہتے ہیں۔

(قال الزید فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب و اللخاف و صدور الرجال حتی وجدت آخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم ...... فکانت الصحف عند ابی بکر فی حیاتہ حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر فی حیاتہ حتی توفاہ الموت ثم عند حفصۃ بنت عمر (بخاری فضائل قرآن)

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں پس میں نے قرآن کو (لکھے ہوئے کو) تلاش کرنا شروع کیا۔ میں اس کو جمع کرتا تھا کھجور کی چھڑیوں سے اور ٹھیکریوں سے اور لوگوں کے سینوں سے یہاں تک کہ میں نے سورۃ توبہ کا آخر ابو خزیمہ انصاری کے پاس سے پایا جبکہ اس کو میں نے کسی اور کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا تھا، وہ تھا (لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز ... تا ... وھو رب العرش العظیم)

پس یہ صحیفہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کی زندگی تک رہا۔ یہاں تک کہ آپ انتقال فرما گئے۔ پھر حضرت عمرؓ

کے پاس رہے، یہاں تک کہ وہ بھی انتقال کر گئے۔ پھر یہ صحیفے حضرت حفصہ بنت عمر ام المومنین کے پاس رہا۔" (الخ)

اب اس صحیفے کے بارے میں بخاری کی یہ تفصیلی حدیث دیکھئے

(عن انس ان حذيفة بن اليمان قدم على عثمان و كان يغازي اهل الشام في فتح ارمينية واذربيجان مع اهل العراق فقال حذيفة لعثمان يا امير المومنين ادرك هذه الامة قبل ان يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود و النصارى (الخ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس اس حال میں آئے کہ وہ فتح آرمینیہ اور آذربیجان کی مہم میں مشغول تھے۔ حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! اس امت کو سنبھالیے قبل اس کے کہ وہ اپنی کتاب میں اختلاف کریں جیسے یہود و نصاریٰ نے کیا۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور وہ صحیفہ منگایا اور حضرت حفصہؓ سے فرمایا:

ان ارسلي الينا بالصحف ننسخها في المصاحف ثم نردها اليك فارسلت بها اليه فامر زيد بن ثابت و عبد الله بن الزبير و سعيد بن العاص و عبد الرحمن بن الحارث بن هشام (الخ) (بخاری باب جمع القرآن)

ہماری طرف وہ صحیفے بھیج دیجیے ہم ان کو اور مصحفوں میں نقل کریں گے۔ پھر آپ کا صحیفہ آپ کی طرف لوٹا دیں گے تو حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفہ بھیج دیا۔ پس حضرت عثمانؓ نے چار آدمیوں کو حکم دیا۔ (۱) زید بن ثابتؓ (۲) عبداللہ بن زبیرؓ (۳) سعید بن العاصؓ (۴) عبدالرحمٰن بن الحارثؓ تو انہوں نے کئی مصحف لکھ لیے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ کو محسوس ہوا کہ ان میں سے تین قریشی ہیں اور ایک قریشی نہیں ہے تو یہ لوگ لغت میں اختلاف کریں گے تو ان کو فرمایا

اذا اختلفتم انتم و زيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فانما انزل بلسانهم ففعلوا "الخ" (بخاری باب نزل القرآن)

جب تم میں اور زید بن ثابت میں قرآن کی کسی شے کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو تم قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن مجید قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ پس انہوں نے ویسا ہی کیا۔

خلاصہ کلام:

اب ان روایات پر نظر ڈالیں تو جمع و تدوین قرآن کا خاکہ ذہن میں یوں آتا ہے کہ اگر جمع سے مراد مطلق جمع ہے۔ (بصورت کتابت اور بصورت حفظ) تو جمع کے کل چار مراحل ہیں۔ (۱) قرآن کریم کا حفظ کرنا (۲) قرآن کریم کی کتابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں (۳) قرآن کریم کا جمع کرنا عہد صدیقی میں (۴) قرآن مجید کا جمع کرنا عہد عثمانی میں۔ اگر جمع سے مراد صرف بصورت کتابت ہے تو آخری تین مراحل مراد ہیں۔

عہد رسالت ﷺ میں بذریعہ حفظ جمع القرآن:

جمع قرآن کی یہ صورت یعنی قرآن مجید کو حفظ کرنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آتی تھی وہ آپ لوگوں کو سنا دیتے تھے اور پھر لوگ اس کو یاد کرنے میں کوشاں رہتے۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ راتوں کی نیند چھوڑ دیتے اور قرآن مجید کو یاد کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے۔ یہ جمع قرآن بصورت حفظ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں حفاظ کا ایک جم غفیر تھا۔ جن میں ابوبکر صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، سعدؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، معاویہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ وغیرہ مہاجرین میں سے تھے اور انصار میں سے ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، ابوالدرداءؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بتلا دیتے تھے کہ قرآن مجید کس ترتیب سے یاد کریں اور کون سی آیت کس جگہ اور کس سورت میں یاد کریں۔ کیونکہ یہ تمام باتیں جبرئیلؑ آپؐ کو بتلا دیتے تھے اور جبرئیلؑ آپؐ کو وہ ترتیب بتاتے تھے جو لوح محفوظ میں تھی۔ گویا حفاظ قرآن لوح محفوظ کی ترتیب سے ہی یاد کرتے تھے۔ یہی ترتیب حقیقی تھی اور آج بھی موجودہ قرآن مجید اسی ترتیب میں ہے۔

عہد رسالت مآب ﷺ میں جمع قرآن بذریعہ کتابت:

یہ جمع قرآن بصورت کتابت تھی۔ چونکہ قرآن سات لغات میں نازل ہوتا تھا۔ اس لیے تمام صحابہ اس تلاش میں رہتے تھے کہ ہم قرآن کو صحیح صحیح لکھیں کہ وہ آنحضرت سے محفوظ ہے، کتاب میں بھی محفوظ رہے۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایک کاتبوں کو مقرر فرما دیا۔ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاویہؓ، ابانؓ بن سعید، خالدؓ بن الولید، ابیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، ثابتؓ بن قیس، ارقمؓ بن ابی الارقم، حنظلہؓ بن ربیع، ابورافع القبطی رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔ آپ ان حضرات کو لکھنے کا اور سورتوں کی ترتیب کا طریقہ بطریق حفظ بتلایا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں بصورت کتابت جمع ہو چکا تھا، لیکن یہ جمع بصورت کتاب و صحیفہ نہیں تھا۔ ۔ ۔ یا سورتوں کی ترتیب سے لکھنا تو ابھی نہ ہوا تھا بلکہ صحابہؓ کو جو چمڑے کی چیز یا وغیرہ ملتا اس پر لکھ لیتے تھے۔

جمع القرآن فی عہد ابی بکرؓ:

جیسا کہ گزشتہ حدیث میں بالتفصیل گزرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یمامہ کا واقعہ ہوا اور حفاظ شہید ہونے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو فرمایا کہ جمع قرآن کا انتظام کیجیے۔ پھر انہوں نے حضرت

مصحف عثمانی:

حضرت عثمانؓ کا وہی مصحف اُس وقت بھی ان کے پاس تھا جب ان کو شہید کر دیا گیا۔ آپؓ اس وقت تلاوت فرمارہے تھے اور آپ کا لہو اس آیت پر گرا "فسیکفیکہم اللہ" الخ "وہ خون اسی طرح محفوظ رہا۔ آج بھی وہ مصحف عثمانی موجود ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے مصحف عثمانی کی نقل مرتب کر کے شائع کر دی تھی۔

پہلے عربی رسم الخط میں نقاط و حرکات نہیں تھے:

ان مصاحف کی کتابت عربی رسم الخط میں تھی جس میں کہ اعراب و نقاط نہ تھے۔ چونکہ عرب اہل لسان تھے، ان پر التباس نہ ہوتا تھا۔ وہ سیاق و سباق سے مفہوم کر لیتے تھے کہ یہاں اعراب و نقاط کیا ہیں۔ مثلاً لیبینن لکم ما کنتم تعملون "لاتیہ" اس میں تعملون کی جگہ یعملون بھی ہو سکتا کہ غائب مخاطب ہیں۔ لہٰذا اگر فینبئھم ہوتا تو یعملون ہوتا لہٰذا اہل لسان کے لیے نقاط ہوں یا نہ ہوں ان کے لیے دونوں برابر ہیں۔

حجاج نے نقاط و اعراب لگائے:

جب عالم اسلام وسیع ہو گیا فتوحات ہوئیں، عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ اہل لسان نہ تھے اس لیے انہیں بڑی مشقت ہوئی۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور میں اعراب و نقاط کا اہتمام ہوا۔ حجاج بن یوسف الثقفی سمیت بذریعہ الاحسن نے اعراب و نقاط لگائے۔ اب عجمی بھی آسانی قرآن مجید پڑھ سکتے تھے ورنہ مفہوم نہیں آپ جیسے فضلاء کیا کیا کرتے۔

حجاج جیسے ظالم نے تحریف کرنے سے انکار کر دیا:

ایک بستی انطاکیہ تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام گئے تھے۔ ایک تشریعی پیغمبر تھے (وہ پیغمبر جنہیں شریعت عطا کی گئی) اور دوسرے تکوینی (وہ پیغمبر جنہیں تقدیری امور کی خبر دی گئی تھی) پیغمبر۔ انہوں نے کھانا مانگا تو بستی والوں نے انکار کر دیا۔ قرآن نے اس واقعے کو بیان فرمایا تو وہ بستی والے تمام دنیا میں ذلیل و رسوا ہو گئے۔ جس وقت حجاج یہ اعراب و نقاط لگا رہا تھا اس وقت انطاکیہ کے لوگ آئے اور بہت بڑی رشوت کا لالچ دے کر کہا کہ ایک کام کر دو کہ فابوا ان یضیفوھما (انہوں نے ان دونوں کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا) کی جگہ فاتوا ان یضیفوھما (بستی والے ان دونوں کی مہمان نوازی کیلئے تیار ہو گئے) کر دو۔ صرف دو نقطے لگا دو اور کوئی رسم الخط نہ بدلو تو حجاج نے جو بڑا ظالم تھا کہا۔ "جو تم نے ہو مجھے کون جانا" اور پھر کہا کہ "اگر تم آسمان و زمین کے درمیان سونے سے بھر دو تو میں پھر بھی اسے نہ بدلوں گا۔"

یہاں تمیز مضاف الی الضمیر ہے۔ زمخشری نے کہا ہے عربی زبان میں فصل بین المضاف والمضاف الیہ جائز نہیں ہے لہٰذا اس نے انکار کر دیا۔

علامہ شاطبی نے بتایا ہے کہ یہ جائز ہے اور عرب کے بہت سے قصائد نقل کر کے کہا کہ فصل بالاجنبی نا جائز ہے، لیکن یہاں فصل بالاجنبی نہیں ہے، لہٰذا جائز ہے۔ تو یہ انکار قرآن کا انکار تھا۔

مسئلہ سبعہ احرف:

حدیث میں ہے انما انزل القرآن علی سبعۃ احرف اس کی وضاحت کے لیے پہلے بخاری و مسلم کی روایت ملاحظہ کیجیے:

(عن عمر بن الخطابؓ قال سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلوٰة فاستمعت لقرأته فاذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرئنيها رسول الله صلى الله عليه وسلم فكدت اساوره في الصلوٰة فتربصت حتى سلم فلببته بردائه فقلت من اقرأك هذه السورة التي سمعتك تقرأ فقال اقرانيها رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت كذبت فانطلقت به اقوده الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله اني سمعت هذا يقرأ سورة الفرقان على حروف لم تقرئنيها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ارسله اقرأ يا هشام فقرأ عليه القرأة التي سمعته يقرأ۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذلك انزلت ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرأ يا عمر۔ فقرأت القراءة التي اقرانيها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذلك انزلت ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف فاقرؤوا ما تيسر منه "الحديث"

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے ہشام بن حکیم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سنا کہ وہ سورہ فرقان نماز میں پڑھ رہے تھے۔ جب میں نے ان کی قرأۃ غور سے سنی تو وہ بہت سے مقامات ایسی قرأۃ کے ساتھ پڑھ رہے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پڑھتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ قریب تھا کہ میں اسے نماز ہی میں پکڑ لیتا، لیکن میں نے انتظار کیا۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کو گریبان سے پکڑا اور پوچھا کہ یہ سورۃ تم کو اس قرأۃ کے ساتھ کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس طرح رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تو جھوٹ کہہ رہا ہے۔ چنانچہ میں اسے کھینچتا
ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر کر دیا۔ میں نے عرض کی کہ یا
رسول اللہ! میں نے اس شخص (ہشام) کو دیکھا کہ یہ سورۃ فرقان کے بعض مقامات کو ایسی قراءۃ
کے ساتھ پڑھتا ہے جس کے ساتھ آپ نے مجھے نہیں پڑھایا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اسے چھوڑ دو (ہشام سے) فرمایا
پڑھو! حضرت ہشام نے اسی طرح پڑھنا شروع کیا جیسے کہ میں نے انہیں سنا تھا۔ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہی نازل ہوا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ
سے ارشاد فرمایا کہ پڑھو اے عمر تو میں نے اس قراءۃ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا جس قراءۃ
کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو پڑھایا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
کہ اسی طرح نازل ہوا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک قرآن سات قراءتوں پر نازل کیا گیا
ہے۔ تم اس قراءۃ کے ساتھ پڑھو جو تمہیں آسان معلوم ہو۔

الغرض حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف قراءتیں پڑھیں تو
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن مجید سات حرف پر نازل کیا گیا ہے۔ جس کو جو آسان ہو
پڑھو۔ علماء نے سبعۃ احرف کی تفسیر و توجیہ میں اختلاف کیا ہے۔

توجیہ اول:

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف سات عدد نہیں بلکہ سات کا عدد مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
(ولا کثرۃ وللزیادۃ سبعین کما قال اللہ تعالیٰ ان تستغفر لھم سبعین مرۃ)
یہاں محض کثرت مراد ہے۔

توجیہ دوم:

بعض کے نزدیک اسبع من المعانی یعنی سات معنی مراد ہیں۔ (۱) وعد (۲) وعید (۳) امر و نہی (۴) قصص و
مثل ہے (۵) حلال و حرام (۶) قصص (۷) مثال لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا
ہے کہ الفاظ میں فرق ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہاں قراءت کی وجوہ کثیرہ آیا ہے (یعنی مختلف قراءتوں کے ساتھ
پڑھنا)

توجیہ سوم:

بعض کہتے ہیں کہ تلاوت کے طریقوں میں اختلاف ہے، جیسے ادغام، اظہار، امالہ، الف مدہ وقصر کہ حروف مقطعات میں امالہ بھی ہے، زوالف بھی ہے۔ مثلاً مالک یوم الدین میں عاصم حفص کی روایت میں، نیک ہے کسائی کوفی بھی مالک پڑھتے ہیں، لیکن باقی ملک پڑھتے ہیں۔

توجیہ چہارم:

بعض کے نزدیک قرأت سبعہ (یعنی سات قرأتیں مراد ہیں) یعنی

(۱) نافع مدنی (۲) ابن کثیر (۳) ابو عمر و بصری (۴) ابن عامر شامی (۵) عاصم کوفی (۶) حمزہ کوفی (۷) کسائی۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہی توجیہ ٹھیک ہے، لیکن اس کا میں جواب دیتا ہوں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لیے کہ قرأت سبعہ پر اجماع تو ہے، لیکن قرأت عشرہ بھی تو متواترہ ہیں۔ امام جزری نے طیبۃ النشر فی القراءات العشر میں متواترہ کہا ہے۔ نیز بھی شاطبی نے قصیدہ میں بھی کہا ہے۔

قرأتیں ثابت ہیں۔ جمہور امت اس پر متفق ہیں، اگرچہ اجماع نہیں ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ قرأت سبعہ کے ہر قاری سے دو دو راویتیں منقول ہیں۔

مثلاً نافع مدنی سے ورش اور قالون، ابن کثیر سے بزی اور قنبل، ابو عامر سے دوری اور سوسی، ابن عامر شامی سے ہشام اور ابن ذکوان، عاصم کوفی سے شعبہ اور حفص، حمزہ کوفی سے خلف اور خلاد، کسائی سے ابو الحارث اور دوری، لہٰذا یہ کل چودہ ہو گئے اور عشرہ کے باقی تین قراء کی بھی دو دو روایتیں ہیں تو کل بیس روایات ہو گئیں اور سب کی سب متواترہ ہیں، لہٰذا یہ توجیہ قابل قبول نہیں ہے۔

یاد رہے کہ یہ اختلاف قرأت ایسا اختلاف نہیں جیسا کہ ائمہ فقہا کا ہے۔ چونکہ فقہ ایک روایت میں منحصر ہے، جبکہ قرأت میں ہر راوی کی روایت، جبرائیل امین سے اسی طرح منقول ہے۔ ان روایات متواترہ کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ البتہ ہمارا مذہب حفص کا ہے۔

توجیہ خامس:

ابو عبید کے نزدیک سات لغات مراد ہیں، یہ لغات عرب کے مختلف قبائل کی ہیں۔ مثلاً قریش، بنو ہوازن، بنو تمیم، ہذیل، جرہمی، اہل یمن وغیرہ۔

راجح

راجح قول یہی ہے کہ ابتداء میں سات لغات پر نازل کیا گیا پھر لغت قریش پر جمع کردیا گیا۔ اس رائے کی دلیل کے طور پر مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ کریں۔

(عن عبداللہ بن عباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرانی جبرائیل علی حرف فراجعته فلم ازل استزیده و یزیدنی حتی انتهی الی سبعة احرف) (رواہ البخاری)

ورواہ المسلم عن ابی بن کعب قال کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرأ قراءة انکرتها علیه ثم دخل آخر فقرأ قراءة سوی قراءة صاحبه فانکرتها علیه فلما قضینا الصلوة دخلنا جمیعاً علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ان هذا قرأ قراءة انکرتها علیه ودخل آخر فقرأ قراءة سوی قراءة صاحبه فامرهما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقرأ فحسن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شأنهما فسقط فی نفسی التکذیب (فی بیان الوحی) ولا اذا کنت فی الجاهلیة فلما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقاً و کانما انظر الی اللہ عزوجل فرقاً فقال صلی اللہ علیہ وسلم یا ابی ارسل الی ان اقرأ علی حرف واحد فرددت الیه ان هوّن علی امتی فرد الی الثانیة ان اقرأه علی حرفین فرددت ان هوّن علی امتی فرد الی الثالثة ان قرأته علی سبعة احرف فلک بکل ردة رددتها مسئلة تسئلنیها فقلت اللهم اغفر لامتی اللهم اغفر لامتی و اخرت الثالثة لیوم یرغب الی الخلق کلهم حتی ابراهیم (ای عند الشفاعة الکبری) (الحدیث رواہ مسلم)

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ وہ قرآن کریم ایسی قراءۃ کے ساتھ پڑھ رہا تھا جو میں نے نہ سنی تھی۔ پھر دوسرا آیا تو اس نے ایک اور قراءۃ کے ساتھ قرآن پڑھا۔ جب ہم نے نماز مکمل کی تو ہم سب (تینوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے۔ میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے قرآن کریم ایسی قراءۃ کے ساتھ پڑھا ہے جو میں نے نہیں سنی ہے اور اس دوسرے شخص نے ایک اور قراءۃ کے ساتھ پڑھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے پڑھنے کو ٹھیک اور اچھا قرار دے دیا۔ میرے دل میں جاہلیت کے زمانے سے بھی زیادہ غلط وسوسے آنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے دیکھا کہ مجھ کو وسوسوں نے گھیر لیا ہے تو میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ خوف کا یہ عالم تھا گویا کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابی! میرے پاس حکم آیا تھا کہ قرآن کریم کو ایک لغت پر یا ایک قراءت پر پڑھوں تو میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت پر آسانی کا معاملہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوبارہ ارشاد ہوا کہ آپ قرآن کریم کو دو لغات یا دو قراءتوں کے مطابق پڑھ سکتے ہیں۔ میں نے پھر درخواست کی کہ اے اللہ میری امت پر آسانی کا معاملہ فرما (یعنی زیادہ قراءتوں پر پڑھنے کی اجازت مرحمت فرما) تو تیسری بار ارشاد ہوا کہ آپ قرآن کریم کو سات لغات یا قراءتوں کے مطابق پڑھا کریں اور یہ بھی فرمایا گیا کہ جتنی مرتبہ ہم نے آپ کو حکم دیا ہے اتنی ہی مرتبہ آپ ہم سے دعا مانگئے ہم اسے قبول کریں گے۔ چنانچہ میں نے بارگاہ الٰہی میں دو مرتبہ یہ دعا کی کہ اے اللہ میری امت کی مغفرت فرما۔ اے اللہ میری امت کی مغفرت فرما اور تیسری دعا میں نے اس دن کیلئے رکھ چھوڑی جس دن مخلوق مجھ سے سفارش وشفاعت کی خواہش کرے گی، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مجھ سے شفاعت کی خواہش کریں گے۔

لہٰذا اس حدیث مفصل سے بھی معلوم ہوا کہ سبعۃ احرف سے سات لغات ہی مراد ہیں۔ اور جمع عمرؓ و عثمانؓ میں تمام لغات پر قرآن مجید کو جمع کیا گیا تھا اور جمع عثمانؓ میں صرف لغت قریش پر جمع کیا گیا ہے جو اصل تھا لہٰذا میرے نزدیک سبعۃ احرف سے سات لغات مراد لینا ہی بہتر توجیہ ہے۔

الفرق بین التفسیر و التاویل

فرق لغوی:

تفسیر فسر سے ماخوذ ہے۔ فسر کا معنیٰ ہے الکشف عما غطی لہٰذا قرآن مجید کے معانی کا بیان تفسیر ہے، بلکہ ہر اس چیز کا بیان مما یعرف بہ الشئی و معناہ فھو تفسیر لہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معانی بھی جس چیز سے کھولے جائیں اور پہچانے جائیں اسے تفسیر کہتے ہیں۔ تاویل ماخوذ ہے اول سے، باب نصر ینصر مھموز الفاء ہے اور معتل العین (یعنی اجوف) بھی جیسے قال یقول نصر ینصر ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اولہ فآل ای صرفہ فانصرف یعنی پھیر دیا۔ الغرض اس کے معنیٰ ہیں صرف الشئی الی الغایۃ (کسی چیز کا غایت کی طرف لوٹا دینا)

اصطلاحی فرق یہ ہے کہ

(التفسیر ما یتوقف علی النقل المسموع)

یعنی تفسیر وہ ہوتی ہے جو کسی نقل مسموع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہوتی ہے۔

اور التاویل ما یتوقف علی الفہم الصحیح۔

یعنی تاویل فہم صحیح پر موقوف ہوتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ اگر فہم صحیح کے ساتھ لغت عربیہ کے قواعد کے مطابق اور قرآن و سنت کے مطابق قرآن کریم کا اپنے فہم سے ایسا معنی کیا جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہ ہو تو وہ تاویل ہے۔

چنانچہ مفسرین نے تفاسیر بھی نقل کی ہیں اور تاویلات بھی۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے لیے دعا فرمائی تھی۔

اللّٰهم علمه الكتاب و فقهه في الدين

ترجمہ: اے اللہ اسے کتاب کا علم عطا کر اور دین کی سمجھ عطا کر۔

ایک روایت میں ہے علمه التاويل یعنی اے اللہ ابن عباس کو ایسا فہم عطا فرما کہ وہ مطالب قرآن کو سمجھیں۔

معلوم ہوا کہ علمه التاويل و علمه الكتاب کی مراد ایک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت کی وجہ سے ابن عباسؓ کو حبر الامۃ کہا گیا ہے۔

<u>التفسیر بالرائے:</u>

ایک حدیث ترمذی نے بسند حسن نقل کی ہے۔ اس حدیث میں ہے:

(من قال في القرآن برايه فليتبوا مقعده من النار)

جس نے اپنی رائے سے قرآن کے مفہوم میں کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اس حدیث میں شدید وعید ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے اپنے فہم سے قرآن کے بارے میں کچھ کہنا جائز نہیں ہے اور یہ سبب ہے دخول نار کا۔ بظاہر اس حدیث میں تاویل کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ تاویل کہتے ہیں کہ فہم صحیح سے کسی معنی کو بیان کیا جائے جبکہ وہ نقل میں موجود نہ ہو لہٰذا اس حدیث کو اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو تاویل کے راستے بند ہیں۔ لیکن یہی حدیث دوسرے الفاظ میں بھی منقول ہے۔ اس روایت میں ہے۔

(من قال في القرآن بغير علم فليتبوا مقعده من النار) (الحدیث) (ترمذی)

اس روایت کو بھی امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک روایت میں بہرایہ ہے اور ایک میں بغیر علم ہے۔ اسی طرح امام ابوداؤد نے سنن میں ایک روایت نقل کی ہے۔

(عن جندب بن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قال في القرآن برأيه فاصاب فقد اخطأ)

(جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور وہ صحیح تھا تو بھی غلط ہے) کیونکہ اس نے علم کے بغیر رائے دی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ برائیہ سے مراد بغیر علم والی رائے ہے۔ چونکہ وہ جاہل ہوتا ہے اور کسی جاہل کی بات صحیح بھی نکل آئے تو بھی اس کو غلط شمار کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے جناب صدیق اکبرؓ سے سورۂ عبس کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا گیا کہ "وَفَاكِهَةً وَأَبًّا" یہاں اَبًّا سے کیا مراد ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

(اي سماء تظلني واي ارض تقلني اذا قلت في كتاب الله بغير علم)

(مجھ پر کون سا آسمان سایہ کرے گا اور کونسی زمین مجھ کو اٹھائے پھرے گی، اگر میں اللہ کی کتاب سے متعلق کوئی بات بغیر علم کے کہہ دوں)

اسی طرح ایک روایت میں حضرت عمرؓ کے بارے میں ہے۔

(كان يخطب عمر وقرأ وفاكهة وابا)

پھر فرمایا کہ میں فاکہہ کو تو جانتا ہوں لیکن اَبًّا کو نہیں جانتا۔ یہاں یہ مقصد نہیں کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ اَبًّا سے سبزی مراد ہے جو زمین اگاتی ہے، بلکہ یہاں کون سی سبزی مراد ہے، اس کی تعیین کا علم نہ تھا اس لیے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اَبًّا کی تفسیر سے سکوت فرمایا اور یہ تکلف نہیں کیا کہ لازماً اس کے معلوم کرنے کے درپے ہو جائیں۔

تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے؟

بہرحال علمائے کرام نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ حدیث نبوی عن القول فی القرآن برأیہ سے مراد بغیر العلم ہے یا علم تو ہے لیکن یہ رائے قرآن وسنت کے صریح احکام کے خلاف ہے۔ یعنی اس شخص کی اپنی مراد ہے۔ اس پر وہ قرآن کو منطبق کرتا ہے جیسے بدعتی، معتزلہ، خوارج یا دوسرے فرق باطلہ کہ وہ لوگ قرآن کریم سے اپنی بدعت ومراد کے لیے حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ جس بیان کو قرآن کریم سے استنباط کر رہے ہیں وہ قرآن کریم کے صریح احکام کے خلاف ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی مراد نہیں ہے، لیکن صرف مقابل کو شکست دینے کے لیے یا اپنی بدعت ومراد پر حجت قوی کرنے کے لیے یا لوگوں کو التباس میں ڈالنے کے لیے یا کسی بھی

مذموم غرض سے ایسا کرنا چاہتے ہیں تو یہ القول فی القرآن بالرائے ہے یہ ممنوع ہے اور اس کے لیے سخت اور شدید وعید ہے۔

اقسام تفسیر بالرائے

معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے کی چند قسمیں ہیں چند وجہ جواز میں ہیں اور چند ممنوع ہیں۔

اول:

معنی غیر محرم، یا جاہل ہے کہ عالم نہیں ہے، بلکہ جاہل ہے اور جہالت سے ہی قرآن کا کوئی مقصد بیان کرتا ہے۔ اب یہ شخص اگر صحیح بھی بیان کر دے تو بھی یہ داخل تحت النہی ہے اور یہ بھی مذموم و ممنوع ہے۔

دوم:

عالم ہے لیکن اس کے باوجود اس کی غرض تفسیر سے برا کام ہے تو یہ بھی مذموم و ممنوع ہے۔

سوم:

عالم ہے اور قرآن میں عقل و فہم سے بات کرتا ہے مثلاً قرآن کی ایک آیت مختلف معانی کی محتمل ہے اور یہ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتا ہے بالفہم اور یہ وجہ قرآن و سنت کے خلاف بھی نہیں ہے اور نیت بھی بری نہیں ہے اور نہ ہی کسی مخاصمہ میں کسی مخالف کو اپنی مراد کے لیے شکست دینا چاہتا ہے تو یہ وعید میں داخل نہیں ہے، بلکہ جائز ہے اور علماء نے ہمیشہ اسی طرح کیا ہے۔

تفسیر بالرائے بطریق الخصوص جائز ہے

تفسیر بالرائے کی یہ تیسری قسم جائز ہے، چنانچہ صحابہؓ نے اس طریق پر تفاسیر کی ہیں۔ پھر ان تفاسیر میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف بھی ہوا ہے۔ ان تفاسیر کے بارے میں کوئی بھی نقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے ورنہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا اور کسی تفسیر کی ضرورت نہ رہتی۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں اعیان صحابہؓ کی ایک مجلس بلائی ان میں عبداللہ بن عباسؓ کی حاضری پر اعتراض کیا گیا اور کہا گیا کہ ہمارے بھی بچے ہیں، مگر عبداللہ ابن عباس کے لیے یہ اہمیت کیوں؟

یاد رہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت چودہ برس تھی، اگر خلافت

صدیقؓ کا زمانہ بھی شامل کرلیں تو اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس تھی۔ سترہ برس کا لڑکا اکابر صحابہؓ کی مجلس میں بٹھا دیا جائے، یہ معیوب سمجھا گیا اور کہا گیا کہ اس طرح تو اور بھی لڑکے ہیں۔

اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کا امتحان لیا اور سب سے کہا کہ تم یہ بتلاؤ کہ سورۃ النصر سے تم کیا سمجھتے ہو کہ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ (الفتح) (سورۃ نصر پ ۳۰)

تمام صحابہ کرامؓ نے اس کے ظاہر کے مطابق مفہوم بتلایا کہ جب فتح ہونے لگے اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں تو حکم تھا کہ آپ حمد و استغفار کیا کریں، لیکن جب ابن عباسؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ هو اجل رسول الله صلى الله عليه وسلم (یعنی اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا پیغام ہے)

تمام صحابہؓ انگشت بدنداں رہ گئے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سورت میں کہا گیا ہے کہ جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو لوگ مائل الی الاسلام ہوں گے آپ تحمید و استغفار کریں، حالانکہ حکم تو یہ ملنا چاہیے تھا کہ اب احکام سمجھائیں۔ جبکہ تسبیح و تحمید رسول کا وظیفہ نہیں، یہ رسالت کا اصول ہے۔ اس کا ایک مشن ہے، لیکن اس وقت مشن سے ہٹ کر حکم آیا۔ معلوم ہوا کہ اب احکام پہنچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دین کامل ہوگیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگیا کہ مقصد بعثت پورا ہوگیا ہے لہٰذا آپ کی موجودگی کی ضرورت نہیں تو یہ اشارہ اجل تھا۔

اس کے بعد تمام صحابہ پر ابن عباس کی برتری واضح ہوگئی۔ سورۃ نصر کے متعلق یہ بات منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھی، بلکہ ابن عباسؓ نے اپنی رائے سے یہ مفہوم بیان فرمایا تھا۔ اس طریقے پر رائے دینے کو قابل تحسین شمار کیا گیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص جو علم کے ساتھ قرآن سے ایسی بات مستنبط کرتا ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہے تو ایسے فوائد و لطائف و نکات کو مستنبط کرنا جائز ہے۔

جاہل کی صحیح تفسیر بھی غلط ہے

اگر جاہل تفسیر کرے تو بالفرض وہ صحیح بھی ہو تو بھی غلط شمار کی جائے گی۔ اگر بیان درست ہو تو اس کو درست ہو جانے گی کہ وہ غلط دروازے سے داخل ہو رہا ہے گا۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ من حكم بين الناس وهو جاهل کہ ایک آدمی لوگوں میں بغیر علم کے فیصلہ کرتا ہے تو اس کا صحیح فیصلہ بھی جرم ہے۔ اس لیے کہ اس نے غلط راستے سے فیصلہ کیا۔ اس نے حکم بین الناس کا حق غلط استعمال کیا، لہٰذا وہ مجرم ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص وکالت کرتا ہے اور فی الواقع وکیل نہیں ہے، اب اگر اس نے اچھی وکالت بھی کرلی، لیکن بعد میں عدالت کو علم ہو جائے کہ یہ وکیل نہیں ہے تو وہ اس کو مجرم شمار کرے گی۔

اسی طرح اگر ایک شخص قرآن کریم میں بات کرے جب کہ وہ عالم نہ ہو تو اس کا یہ حق نہ ہوگا، وہ وعید کے ذیل

میں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں حد قذف کا ذکر آیا ہے۔ کوئی شخص کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اور قاضی کے پاس اس کی شہادت ہوگی لیکن مزید تین آدمیوں کی شہادت ثبوت زنا کیلئے ضروری ہے۔ چونکہ یہ شخص اکیلا شہادت دے رہا ہے لہٰذا اسے ۸۰ کوڑے لگیں گے، اگرچہ وہ شخص الامر میں درست کہتا ہو۔ واقعہ درست ہو، جھوٹ نہ ہو، لیکن وہ نصاب شہادت پورا نہ کرسکا تو اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ سچ بولنے کی وجہ سے کہ صحیح بھی کہا لیکن پھر بھی خطا ہے کہ اس کو ایسی بات کی خبر دینے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ فرمایا فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ (النور:۱۳)

پھر جب نہیں لائے وہ گواہ تو وہی لوگ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں۔ یعنی

(وان كانوا في نفس الامر من الصادقين ولكنهم اخبروا بما لا يحل لهم الاخبار به)

اگرچہ وہ (یہ شخص شہادت دینے والے) لوگ حقیقت میں سچے ہوں، لیکن انہوں نے کسی بات کی خبر دی جس کی خبر دینا ان کیلئے حلال نہ تھا۔ گویا یہاں ایک سچ بولنے والے کی خبر بھی اصول شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے کہ اس کو ایسی خبر دینے کا حق نہ تھا۔ گویا جو حق خبر دے تو صحیح بھی غلط ہے۔ صادق ہے تب بھی عنداللہ کاذب ہے۔ اسی طرح (من فسر القرآن برأيه من دون علم فهو مخطئ وان اصاب لانه لا حق له في التفسير)

یعنی جو شخص قرآن کریم کی تفسیر بغیر علم کے اپنی رائے سے کرے، وہ غلطی پر ہے۔ اگرچہ اس نے واقعہ میں بات صحیح کی ہو۔ اس لیے کہ اس کو تفسیر کرنے کا حق نہیں ہے۔ بہرحال تفسیر بالرائے کو سمجھانے کیلئے حد قذف کی مثال دی جاسکتی ہے۔

علوم القرآن:

اس بارے میں ان علوم کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن کو قرآن کریم میں بالتفصیل اور بالتصریح بیان کیا گیا ہو، لہٰذا قرآن کریم میں صراحۃً منقولہ پانچ علوم ذکر کیے گئے ہیں۔

اولہ علم الاحکام ، من الواجب و المندوب و المباح و المكروه و الحرام یہ احکام خمسہ (پانچ) ہیں۔ ستہ (چھ) ہیں، اگر مکروہ کو تنزیہی و تحریمی میں تقسیم کیا جائے۔ یہ احکامات عبادات میں بھی ہیں۔ کما هو المشهور۔ اور ان کا تعلق معاملات سے بھی ہے۔ کما ذکر احل الله البيع و حرم الربوا۔

اور ان کا تعلق تدبیر المنزل سے بھی ہے جیسے باپ بیٹے کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق کہ بیوی کے لیے بغیر اجازت زوج باہر نکلنا جرم ہے اور ان کا تعلق سیاست مدنیہ سے بھی ہے کہ اجتماعی زندگی میں کیا حلال و حرام ہیں۔ فرمایا (و من لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الكافرون) اور پھر عام لوگوں کے تنازعات کے بارے

جیسا کہ ہے (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ) (الآیہ)(النساء:۶۵)

ان تمام آیتوں سے معلوم ہوا کہ تحکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے۔

الغرض ان احکام کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے بھی ہے منزل (گھر) کی زندگی سے بھی ہے اور عملی اجتماعی اور ملکی زندگی سے بھی تعلق ہے۔

اس علم کو فقہاء کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ (هذا العلم منوط بذمة الفقيه)

اور فقہاء ہی اس بارے میں بحث کرتے ہیں۔

ثانی (علم المخاصمة و علم الرد على الفرق الضالة)

گمراہ فرقوں کو رد کرنا اور ان سے مناظرہ کرنا۔

فرق ضالہ کل چار ہیں (جن کا ذکر تفصیلاً عنقریب کیا جائے گا)

(۱) یہود (۲) نصاریٰ (۳) مشرکین (۴) منافقین۔

قرآن مجید میں ان چاروں فرقوں کی صراحتاً تردید موجود ہے اور اس علم کو متکلمین کے سپرد کیا گیا ہے کہ (المتكلم يبحث من علم المخاصمة)

چنانچہ تمام فرق باطلہ کی تردید اور ان کے عقائد کی تردید کا کام علم کلام میں ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ معتزلہ خوارج کرامیہ جبریہ قدریہ لا ادریہ مرجئہ اور روافض ان تمام کی تردید وہ متکلم کرتا ہے اور یہ بھی ذہن نشین رکھیے کہ یہ تمام فرق باطلہ دراصل ان چاروں گروہ سے نکلے ہیں اور نئے نئے نام رکھتے ہیں۔

اس لیے یہ بات سب سے زیادہ ضروری ہے کہ متکلمین علم کلام کے نئے نئے مسائل کے رد کرنے میں جدید کتابیں لکھیں جیسے فرق قادیانیہ، نیچریہ، لا ادریہ وغیرہ پر دلائل سے رد کریں اور تمام نئے فرقوں کی واضح طور پر تردید کریں۔

ثالث. علم التذكير بآلاء الله

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذریعے نصیحت حاصل کرنا۔

اس علم کے ضمن میں قرآن مجید نے یہ بتلایا کہ اللہ کی نعمتیں کتنی ہیں اور ان کی یاد دہانی کرائی ہے یعنی (خلق السماء و الارض و تعليم العباد ما ينفعهم له) اور جو انسان کے مناسب حال ہو وہ شرح و تہذیب الاصول، عقل و شکل، فلک و نجوم شمس و قمر اور پھر ان نعمتوں کے اصول بتلائے۔ ان اصول کے ضمن میں تسبیح و تنزیہ کا ذکر کیا گیا اور پھر اللہ کی صفات کا ذکر کیا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ بھی آپ کے لیے نعمتیں ہیں۔

رابع. تذكير بأيام الله

اسی طرح حدیث میں اللہ تعالیٰ نے بے حد عبرت انگیز واقعات بتائے۔ سابقہ امتوں کے حالات بتائے کہ جس میں اطاعت کرنے والوں کو کن نعمتوں سے نوازا اور مجرمین پر قہر نازل کیا جیسے قوم عاد و قوم ثمود وغیرہ۔

ان واقعات کو ذکر کرنے کا مقصد محض قصہ گوئی نہیں، بلکہ مثلاً: یہ کہ دیکھو تمہارے لیے بھی یہی اصول ہیں۔ تمہارا حال بھی یہی ہوگا کہ اگر اطاعت کروگے تو ثواب ملے گا اور اگر نافرمانی کروگے تو عذاب ملے گا۔

خامس: علم التذکیر بالموت و ما بعدہ ۞

اس علم کے ضمن میں قرآن کریم نے موت اور مابعد الموت کی تفصیلات بتائی ہیں۔ جیسے بوقت موت کیفیت روح، منکر نکیر، قبر وغیرہ اور ما بعد الموت من الحشر و النشر و الحساب و المیزان و الجنۃ و النار۔

ان تمام چیزوں کا بار بار تعلق اور تصدیق یہی ہے کہ دیکھو تمہارا مستقبل یہ ہے تو اب مستقبل کے استقبال کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دوام اور ہمیشگی تم میں سے کسی کے لیے نہیں ہے۔ اللہ کی طرف تم سب کو لوٹ جانا ہے۔ جہاں پر اعمال، عقیدے پر جزا و سزا کا سامنا کروگے۔ خیال رہے کہ یہ آخری تین علوم (تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بایام اللہ، تذکیر بالموت) تذکرہ اور یاددہانی کا ذخیرہ ہیں، اور ان علوم میں واعظ احادیث اور آثار صحابہ سے تفصیلات بھی شامل کرتا ہے تاکہ اس کا اثر زیادہ موثر بنایا جائے۔

ان علوم قرآنیہ کو کس طریقہ پر بیان کیا گیا ہے

قرآن کریم نے ان علوم کو قدمائے عرب کے طریق پر بیان کیا ہے، متاخرین کے طریق پر نہیں۔ چنانچہ متاخرین ایک بات کو متعلق کرکے پیش کرتے ہیں، غیر ضروری قیودات نہیں لگاتے۔ قیودات کا مقصد (بات کھولنے والے) ہوتے ہیں۔ بالغرض قیودات دو قسم پر ہیں (۱) قیود وفاقی (۲) قیود احترازی۔

متاخرین قیود واقعیہ کو بیان نہیں کرتے اس سے تشبیہ ہوجاتا ہے لیکن قدمائے عرب میں یہ بات نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ایسے قیود لگائے گئے ہیں جو کہ قیود واقعیہ ہیں، احترازی نہیں اور قیود واقعیہ وضاحت و کشف کے لیے لگائے جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ مفہوم مخالف کا اعتبار کیوں نہیں کرتے

اسی لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نصوص میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ یہاں لیے کہا گیا ہے کہ قیود جو وضاحت کے لیے لگائے گئے ہیں ان کا حکم اس قید کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن و سنت میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

اس کے باوجود فقہاء نے لکھا ہے روایات فقہاء میں قیود احترازیہ موجود ہوتی ہیں لہٰذا یہاں مفہوم مخالف معتبر ہوگا۔ الغرض فقہی مسائل متاخرین کے طریقہ منطق کے مطابق بیان کیے جاتے ہیں، لیکن قرآن کا طرز قدمائے عرب کی نہج پر ہے۔

قرآن کریم میں ذکر علم مناظرہ بدلیل خطابی ہے، برہانی نہیں

علم مناظرہ میں رد علی الفرق الضالہ سے متعلق جو آیات ہیں ان میں جو مقدمات رد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں وہ مشہورات مسلمہ اور خطابیات نافعہ ہوتے ہیں اور انہی کے ذریعے خصم کو الزام دیا جاتا ہے تو یہ دلیل برہانی نہیں، بلکہ خطابی ہے۔

الغرض علم مناظرہ میں الزام الخصم بدلیل خطابی ہے۔ منطقیین کی شکل اول تو تسلیم نہیں کی جاتی یعنی شکل اول کہ جس میں حد اوسط محمول فی الصغریٰ اور موضوع فی الکبریٰ ہو نیز یہ دو قضیے اس طریق سے ہوں کہ شرط انتاج شکل اول ایجاب الصغریٰ وکلیۃ الکبریٰ بھی موجود ہو ایسا نہیں ہوتا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں الزام الخصم بدلیل البرہانی نہیں، بلکہ بدلیل الخطابی ہے۔

اگر کوئی شخص قرآن کریم کے ان مقدمات کا استنباط بصورت اشکال مناطقہ کر کے منطبق کرے، پھر ان بنیادوں پر ایسے قضیے بنائے جو منطقیین کے اصول کے موافق ہوں تو یہ ہو تو سکتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کا خطاب پوری انسانیت کے ساتھ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث الی الاحمر والاسود والی الانس والجن یعنی سفید وسیاہ، اور جن وانس سبھی کی طرف مبعوث تھے۔

کسی حکیم نے کہا انسان تین چیزوں سے سیراب نہیں ہوتا۔ (۱) حیات، زندگی (۲) عافیت، راحت اور امن وامان (۳) مال ودولت۔ مزید فرمایا: انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی جان کو چار قسم کی چوریوں، غارتوں اور بربادیوں سے بچائے۔ ملک الموت کی غارت سے جو روح پر ہونے والی ہے، وارثوں کی جو ملکیت پر ہوگی، قبر میں کیڑوں کی غارت سے اور دشمنوں کی جو قیامت میں نیکیوں پر رونما ہوگی۔ (کتاب مفید العلوم [illegible])

لوگ بادشاہوں کے دین پر

لوگ بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک بن مروان کو عمارات بنانے کا شوق تھا۔ اس کے زمانے میں لوگوں کی بھی یہی حالت تھی کہ وہ محلات اور بلند عمارتوں ہی کی تعمیر میں اپنی کوششیں صرف کرتے تھے۔ جب خلافت اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کو ملی تو وہ کثرت خوراک یعنی کھانے

اور ایک ماہ کی قمری حرکت بالکل واضح ہے۔ اب دیکھئے کہ حرکت شمس ایک دائرہ میں تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے ہوتی ہے۔ اب ۳۶۵ راتوں کو تو ۳۱، ۳۰، ۲۸ کے مہینوں میں تقسیم کر دیتے ہیں ۶ گھنٹے ہر سال باقی رہ جاتے ہیں۔ اب ۴ سال بعد چوبیس گھنٹے بچ گئے، لہٰذا انہوں نے کہا کہ چار سال بعد فروری کا مہینہ ۲۸ دن کی بجائے ۲۹ دن کا ہوگا اور اس میں بچت شامل کر لی۔ یہ تو بالکل شمسی ہے۔ اسلام ہمیشہ اس بات کی تائید کرتا ہے جس کا تعلق عوام سے ہو، کیونکہ قرآن کا تعلق عوام سے ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے قمری مہینہ کو ترجیح دی ہے۔

کیا شانِ نزول کا بیان کرنا ضروری ہے

عام طور پر لوگ تفسیر میں سبب نزول (شانِ نزول) کو بھی بیان کرتے ہیں تو وہ ایک قصہ نزول بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ شانِ نزول ہے۔

یہ بھی مشکل مسئلہ ہے۔ دراصل قصص سبب نزول قرآن نہیں ہیں، بلکہ اصلاح نفوس بشریہ سبب ہے اور رد عقائد باطلہ مقصود ہے۔ بالخصوص آیات مخاصمہ کا سبب نزول الرد علی العقائد الباطلہ ہے، کیونکہ پہلے عقائد باطلہ موجود تھے۔ پھر ان کا رد نازل ہوا تو یہی عقائد باطلہ ان کا سبب نزول ہوں گے اور اگر یہ عقائد باطلہ نہ ہوتے تو یہ آیات کیوں کر نازل ہوتیں۔ اسی طرح مظالم موجود ہیں تو وجود مظالم الی المکلفین یہ سبب ہے نزول آیت اللہ کا، اور اسی وجہ سے تذکیر بالموت وما بعد الموت وتذکیر آلاء اللہ کا ذکر کیا ہے۔

قصص کے بیان کو سبب نزول کے بیان کرنے میں کوئی دخل نہیں

بیان قصص کو اسباب نزول کے بیان میں کوئی زیادہ دخل نہیں ہے۔ البتہ بعض اوقات ایسی جگہ کوئی آیت میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا تھا۔ پہلے تو جب تک سامع کے سامنے اس واقعہ کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ نہ ہو تو یکون السامع بالانتظار یعنی سننے والا اس کا منتظر ہوگا کہ متکلم قصہ کی تفصیل ذکر کرے تو ایسی صورت میں واقعہ بیان کر دیا جاتا ہے۔

جیسے قرآن مجید میں آیا۔

﴿ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ ﴾ (آل عمران ۱۷۳)

شانِ نزول کیا ہے؟

اب یہاں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا سامع منتظر ہے کہ قصہ کیا تھا، طبیعت مطمئن نہیں ہوتی تو اس

کے بیان کرنے کو شان نزول کہتے ہیں لہٰذا اس آیت کی شان نزول یہ ہوئی کہ ابو سفیان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہوا تھا کہ فلاں دن اگلے سال بدر میں اکٹھے ہوں گے۔ جب وقت آیا تو ابو سفیان نے غلط خبر اڑا دی کہ بدر میں تو بہت سارے لوگ جمع ہیں۔ یہ اس لیے تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں نہ جائیں اور وعدہ خلافی کا الزام (نعوذ باللہ) آپ پر آجائے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ نہ جانا چاہیے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اکیلا بھی جاؤں گا اور پھر جب آپ وہاں پہنچے تو کفار میں سے کوئی بھی نہ تھا۔

تفصیل فرق اربعہ اور طریقۂ تردید

قرآن مجید میں مخاصمہ کی آیات کا تعلق فرق اربعہ کے ساتھ ہے۔ یعنی یہود، نصاریٰ، منافقین، مشرکین۔

اقسام مخاصمہ

اور ان کے ساتھ مخاصمہ کی دو قسمیں ہیں:

اول: اس عقیدہ باطلہ کو ذکر کیا جائے اور بعد اس کی قباحت و شناعت صراحتاً بتلائی جائے اور پھر اس پر انکار کا بھی ذکر ہو۔

دوم: فرق باطلہ کے شبہات یعنی ایسے شبہات جو کہ الحکمۃ جنس الدلائل ہوں (یعنی محض ہٹ دھرمی نہ ہوں) ان کو پہلے ذکر کیا جائے۔ پھر ان شبہات کو دور کرنے کیلئے قرآن خود دلائل دیتا ہے، بالفاظ دیگر دلائل کی دلائل سے تردید کی جاتی ہے۔

فرقۂ اولیٰ: مشرکین

مشرکین اپنے آپ کو حنفاء کہتے تھے، وہ ملت ابراہیمیہ کے اتباع کے مدعی تھے۔

حنیف کہتے ہیں (واتبع ملة ابراهيم حنيفا) کے مصداق پر، دین ابراہیمی کا متبع ہو۔ دین ابراہیمی کی چند ایک خصوصیات تھیں۔ مثلاً حج بیت اللہ، استقبال بیت اللہ فی الصلوٰۃ، غسل جنابت، ختنہ کرانا جیسا کہ مشرکین مکہ ختنہ کراتے تھے۔ چنانچہ جب ہرقل کے پاس یہ اطلاع پہنچی کہ ایک ختنہ کرانے والی قوم اس کو مغلوب کرے گی۔ اس نے علم نجوم سے معلوم کیا تھا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا من يختتن۔ چونکہ ہرقل نصرانی تھا لہٰذا وہ جانتا تھا کہ نصاریٰ ختنہ نہیں کراتے۔ بہرحال لوگوں نے جواب دیا کہ قریش مکہ۔ (یاد رہے کہ قریش مکہ مسلمان نہ تھے اور جواب دینے والے حضرت ابو سفیان اس وقت خود بھی مسلمان نہ تھے بلکہ مشرکین میں سے تھے)

ان کی خصوصیات میں سے یہ بھی تھا کہ تعظیم بیت اللہ بھی مشرکین کرتے تھے۔ نیز تحریم الاشهر الحرم بالقتال والذبح في الحلق والنحر في اللبة اور محرمات نسبی ورضاعی کا بھی انکار نہ کرتے تھے۔

ان امور کی وجہ سے مشرکین مکہ سمجھتے تھے کہ وہ دین ابراہیمی پر ہیں، حالانکہ انہوں نے نماز وغیرہ کو چھوڑ دیا تھا۔ صوم میں طلوع الفجر الی الغروب کو خیر باد کہہ دیا تھا، صدقہ میں اجتماعی اعانات علی نوائب الحق، حادثات میں مدد کرنا ان سب چیزوں کو چھوڑ دیا تھا۔

کیا یہ سب چیزیں دین ابراہیمی میں تھیں اور ان پر مشرکین عمل نہ کرتے تھے؟ میں اس کی دلیل میں روایت وحی کو ذکر کرتا ہوں کہ جب آپ غار حرا سے تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:

زملوني زملوني فزملوه حتى ذهب عنه الروع فقال لخديجة و اخبرها الخبر

مجھے کمبل اوڑھاؤ مجھے کمبل اوڑھاؤ تو انہوں نے آپ پر کمبل ڈالا۔ یہاں تک کہ آپ کا خوف دور ہو جاتا رہا تب آپ نے حضرت خدیجہؓ کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ اس واقعہ سے تو مجھ کو اپنی جان کا ڈر ہوا۔

حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا:

كلا والله لا يخزيك الله ابداً انك لتصل الرحم و تقري الضيف و تحمل الكل و تكسب المعدوم و تعين على نوائب الحق ○ (الحدیث)(بخاری)

ہرگز نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی نامراد نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں اور مہمان کی تواضع و مدارات کرتے ہیں اور بے سہارا لوگوں کیلئے سہارا بنتے ہیں اور کما کر غریب و نادار لوگوں پر خرچ کرتے ہیں اور حق کی حادثات و مصائب میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔

ابھی تو وحی کا آغاز ہوا تھا اور ایسے احکام ابھی نازل نہ ہوئے تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تمام باتیں دین ابراہیم کی تھیں اور بخاری کی ایک اور روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ مشرکین سے تنگ آ کر مکہ سے باہر جا رہے تھے کہ ان کو ایک سردار ابن دغنہ مل گیا۔ اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہاں تو دین کی کوئی بات بھی نہیں کرنے دیتا۔

تو ابن دغنہ نے کہا:

مثلك لا يخرج انك لتصل الرحم و تحمل الكل و تقري الضيف و تعين على نوائب الحق۔ (بخاری)

ابن دغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کی وہی صفات بیان کیں جو حضرت خدیجہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمائی تھیں۔

پس معلوم ہوا کہ دین ابراہیمی کی چند ایک باتیں باقی تھیں۔ ورنہ وہ ان کا مداح کیسے ہوتا۔ یہ سب دین ابراہیمی کے شعائر تھے۔ لیکن مشرکین مکہ نے ملت ابراہیمی کا اتباع ترک کر دیا تھا۔ اسی طرح چوری، زنا حرام تھے لیکن قریش مکہ اس پر عمل نہ کرتے تھے۔

مشرکین مکہ اللہ کو معبود اعظم اور خالق مانتے تھے

اسی طرح ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ خالق ارض و سماء اللہ ہے اور معبود اعظم اللہ ہے اور یہ بھی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول بھیجتا ہے اور ملائکہ عباد اللہ المکرمون ہیں۔

مشرکین مکہ نے بتوں کو محدود اختیارات دیے تھے

مشرکین مکہ نے ان باتوں کو تبدیل کر دیا تھا اور شبہات پیدا کر کے مشرک بن گئے کہ باقی امور میں بتوں سے سوال کرتے تھے لیکن یہ یقین نہ تھا کہ بت خالق ارض و سماء ہیں۔ شفائے مرض کا تعلق بتوں سے کر دیا، رزق کا دینا بھی بتوں سے منسلک کر دیا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ان بتوں کو خالق نہیں مانتے تھے اور تدبیری امور میں بھی شریک نہ کرتے تھے۔ یہ بھی یقین تھا کہ اللہ جب فیصلہ کرتا ہے تو بتوں کے اختیارات ختم ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بتوں کے اختیارات محدود تھے۔

یہ مشرکین مکہ صفات العبد کو اللہ کے ساتھ اور صفات اللہ کو بندوں کے ساتھ ثابت کر کے شرک کرتے تھے اور یہ بھی سمجھتے کہ ہماری تو اولاد ہے تو خدا کی کیوں نہ ہوں گی۔ لہٰذا ملائکہ کو بنات اللہ کہا۔ اس طرح خالق اور مخلوق کی صفات کو خلط ملط کر کے شرک کیا۔

آج کے مشرک کا شرک غیر محدود ہے

میرے خیال میں آج کا شرک مشرکین والا تو نہیں کہ یہ اللہ کو بھی مانتے ہیں لیکن بہت سے کام غیر اللہ کے سپرد کیے ہوئے ہیں۔

بعض کی کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی ایک مریدنی تھی۔ اس کا بچہ مر گیا تو مریدنی آپ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے بیٹے کو واپس لوٹا دو اور بہت اصرار کیا۔ کتاب میں لکھا ہے کہ عزرائیل جا رہے تھے اور

موجود تھی لیکن یہود نے رجم کو پایا جانا ترک کر دیا تھا اور خود ہی انہوں نے رجم کے قائم مقام تجویز کیا اور جلد مارنے مجرم کا منہ کالا کرنا اور کوڑے مارنا بنا لیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک زانی کے متعلق یہود نے کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم صادر فرمایا۔ یہود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آیات رجم کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ہاں یہ آیات نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات منگوائی اور فرمایا کہ پڑھو۔ وہ آیات مخصوصہ پر ہاتھ رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن سلام، جو اسلام لانے سے قبل یہودی عالم تھے، نے ہاتھ اٹھوایا تو نیچے رجم کی آیت موجود تھی۔ آج کل کے یہود بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

فرقہ ثالثہ نصاریٰ

تیسرا فرقہ نصاریٰ کا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، لیکن ان کی گمراہی یہ تھی کہ وہ تثلیث کے قائل تھے۔ اقانیم ثلاثہ مانتے تھے۔ ان کے نزدیک اللہ کے تین شعبے ہیں۔ (۱) الاب (۲) الابن (۳) اور روح القدس۔

الاب مبداء عالم ہے اور الابن شامل ہے جمیع موجودات کو اور روح القدس عقول مجردہ کو شامل ہے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اقنوم ابن عیسیٰ کی شکل میں منتقل ہو گیا اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ تینوں شعبے حقیقتاً ایک ہیں اور یہ ایک حقیقتاً تین ہیں۔

اور ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ حضرت عیسیٰ انسانی شکل میں ہمارے سامنے آئے تھے، لیکن فی الحقیقت وہ اللہ کا حصہ ہیں۔ جیسے جبرائیل فرشتہ تھے لیکن انسانی شکل میں آتے تو یہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو کبھی خدا اور کبھی ابن اللہ کہتے تھے۔

اور یہ بھی کہتے تھے کہ ان پر بشریت کے احکام بھی اور الوہیت کے احکام بھی متفرع ہوتے ہیں۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الآیہ)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے فرمائیں گے کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو؟؟ (سورہ مائدہ ۱۱۶)

انجیل میں حضرت عیسیٰ کے لیے ابن کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟

اس سلسلے میں نصاریٰ انجیل کی آیات سے استدلال کرتے تھے کہ بعض آیات میں عیسیٰ کے لیے لفظ ابن استعمال کیا گیا ہے۔

نصاریٰ ابن کے لفظ سے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے

لفظ ابن کے ذکر سے نصاریٰ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ اس زمانے کے مطابق لفظ ابن عرب کے لیے استعمال کیا گیا تھا اور آج کل بھی ہے جیسے کہا جاتا ہے بیٹے! بات سنو۔ کیا بات ہے بیٹے! "ذرا یہ کام کر دو بیٹے" وغیرہ عرب میں بھی آج کل کہتے ہیں۔ یا ولد تعال (اے بیٹے! ادھر آؤ)

معلوم ہوا کہ نصاریٰ میں ایک یہ بھی غلطی تھی کہ لفظ ابن سے غلط استدلال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عقائد پر کافی رد فرمایا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ "عبداللہ" تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ابن اور حصہ نہ تھے، بلکہ بندۂ خدا تھے۔ ان کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا تھا۔

لیکن قرآن کریم نے ان کا بھی رد فرمایا۔

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ (النساء ۱۵۷)

اور نہ تو انہوں (یہود) نے اسے (حضرت عیسیٰ) کو قتل کیا ہے اور نہ ہی اسے سولی پر چڑھایا ہے
لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا۔

اور فرمایا

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ (الآیہ)

اور انہوں نے یقیناً حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ (سورہ نساء ۱۵۷، ۱۵۸)

آج کے نصاریٰ

آج اس زمانے میں اگر آپ عیسائیوں (نصاریٰ) کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ قبر پرست بدعتیوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے بھی تقریباً اسی قسم کے عقائد ہیں۔ صاحب قبر کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان میں حلول کیا ہے اور یہ سب کچھ دے سکتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ بالواقع نور تھے لیکن بشریت میں تھے۔ وہ بشر کہنے والوں کو کافر کہتے ہیں۔

ترجمہ: اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو فساد برپا ہو جاتا۔ (چونکہ کسی طرح کا بھی امر میں فساد نہیں ہے لہٰذا اس کے سوا کوئی اور معبود بھی نہیں ہے) (سورۃ الانبیاء ۲۲)

چونکہ فساد نہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ الٰہ ثانی نہیں۔ یہاں کفر کی شرط و جزا دونوں کی نفی ہو جاتی ہے اور یہاں منطقی استثنائی ضروری شرط کی نفی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا رسول فرشتہ بھی نہیں ہوتا اور نہ تو لباس بشریت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول من جنس مرسل الیہ ہوتا ہے لہٰذا فرشتہ بلباس بشریت ہوتا تب بھی لوگ اس کی بشریت کی وجہ سے تفریق کرتے۔ اس لیے یہاں سرے سے رجل کی نفی کی گئی۔ یا رسول کے لیے ضروری ہوتا اس لیے مشروط ہے کہ رسول ایک طرف سے اللہ سے متعلق ہوتا ہے اور ایک طرف مخلوق سے متعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ ہڈیوں کے جوڑ میں غضروف کا حصہ نرم ہوتا ہے اس لیے ایک طرف تو اس کا تعلق گوشت سے ہے دوسری طرف ہڈی سے۔ اسی وجہ سے رسول بھی بشر ہونا چاہیے تاکہ وہ بھی مرسل الیہم کو فائدہ پہنچا سکے۔ یہ لوگ صرف ایک عقیدہ (المنافات بین النبوۃ و البشریۃ) کے تحت تمام بشری آیات کی تاویلات کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل حق شمار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بشریت "ہوا" ہے "دفینا" ہے۔ ان کے نزدیک بشر کمزوریوں کا نام ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا مقالہ ایک غیر ملکی اسلامی مجلہ میں پڑھا گیا۔ انہوں نے اس میں فرمایا کہ پیغمبر بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں ہوتا، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک دوسری قسم کی انتہا پسندی ہے۔

الغرض اگر آپ نے نصاریٰ کو دیکھا ہے تو آج کل کے قبر پرست بریلویوں کو دیکھیں کہ نصاریٰ کے راہب بھی ایسے تھے۔ قرآن مجید نے اگرچہ صرف فرقہ اربعہ پر رد کیا ہے لیکن آج کے تمام فرقے باطلہ ان ہی چاروں میں سے ہیں۔ لہٰذا قرآن کا رد ان لوگوں پر ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

فرقۂ رابعہ منافقین:

اس زمانے میں منافقین بھی تھے جو صرف ذاتی مفادات کے حصول کے لیے اسلام میں داخل ہوئے تھے، لیکن ان کے دلوں میں اسلام نہ تھا۔ وہ کلمہ بھی پڑھتے تھے لیکن تھے منافق۔ سورہ منافقون میں فرمایا:

قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ (الآیہ)

کہ ان منافقین نے ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (سورہ منافقون ۱)

یاد رہے کہ شہادت متضمن ہے یمین (یعنی قسم) کو بھی۔ یہ بھی ایمان لائے اور رسول کہا۔ ان تمام تاکیدات کے باوجود جو کہ ان منافقین نے بیان کیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ (الآیہ) (ایضاً)

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (الآیہ)

بے شک منافقین آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ (النساء ۱۴۵)

ان منافقین میں سے بعض ایسے تھے کہ ان کے دل میں کمزور سا ایمان رہ گیا تھا، لیکن ایمان رہ جانے کے باوجود لذات دنیا کا اتباع ان کا شیوہ بن گیا تھا اور دل میں رسول وخدا کی محبت کے لیے جگہ نہ تھی۔ الغرض یہ لوگ لذات دنیا میں حد درجہ منہمک ہو گئے تھے۔ اس پر مزید یہ کہ اخلاق سیئہ نے ان کو اتنا گھیر لیا تھا کہ ان کے دلوں میں اللہ سے تعلق نہ رہا۔ وہ عبادات سے محروم کر دیے گئے۔ چونکہ انہیں عبادت کا شوق نہ تھا، اس لیے اس کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا (الآیہ)

اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کیلیے تو کھڑے ہوتے ہیں سستی کے ساتھ، لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں یاد کرتے اللہ تعالیٰ کو مگر بہت تھوڑا۔ (سورۃ النساء ۱۴۲)

معلوم ہوا کہ صرف ریا کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔

حدیث میں ہے:

تلك صلوٰة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى اذا اصفرت و كانت بين قرني الشيطان قام فنقر اربعا لا يذكر الله فيها الا قليلا رواه مسلم ○ (الحدیث)

(یہ عصر کی نماز جو آخر میں پڑھی جاتی ہے) یہ منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہو کر شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان (چھپنے کے قریب) ہو جاتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر چار ٹھونگیں مار دیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس نماز میں تھوڑے قلیل ہی کرتا ہے۔

اى يسجدون بدون الطمانينة و بدون تعديل الاركان و بدون الجماعة○

یعنی جلدی جلدی میں بلا رکوع سجدہ وغیرہ تعدیل ارکان اور اطمینان کے بغیر کر لیتا ہے اور بغیر جماعت کے نماز پڑھ لیتا ہے۔

آج کا منافق

آج کے دور کے منافق کو بھی دیکھیے۔ اس کے دل میں بھی عبادات کا شوق نہیں۔ مناجات رب کے لیے داعیہ بھی نہیں ہے۔ رکوع و سجود کرنے سے طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔ وہ ترک صلوٰۃ کو صرف اس لیے متحمل ہو گیا

کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (۳) جب اس کے
پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۴) اور جب جھگڑے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔

یہ تمام عملی نفاق ہے۔ یہ بہت پھیلا ہوا ہے لہٰذا قرآن کریم نے ان لوگوں کا بھی رد فرمایا ہے۔
میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم میں آیات فرق اربعہ پر آج بھی رد کر رہی ہیں اور آپ بڑی آسانی کے ساتھ
ان کا مصداق معلوم کر سکتے ہیں نیز ان فرقوں کا ہونا یہ بھی ہمارے لیے آسانی کا باعث ہے وہ شان آیات قرآن کا
ہم افہام و تفہیم کیسے کرتے؟

مثلاً ان آیات قرآنیہ کو آپ مرحلہ وار دیکھتے جائیے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ (سورۃ بقرہ ب ۱)

اور لوگوں سے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور وہ مومن نہیں ہیں۔

پھر آگے فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ
الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا
أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ (ب ۱)

اور جب کہا جائے ان سے کہ فساد نہ ڈالو زمین میں تو کہتے ہیں کہ ہم تو بیشک اصلاح کرنے
والے ہیں۔ سنو یہی ہیں فساد مچانے والے لیکن شعور نہیں رکھتے۔ اور جب کہا جائے ان
سے کہ ایمان لے آؤ جیسا کہ ایمان لائے ہیں دوسرے لوگ تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی
ایمان لائیں جیسا کہ ایمان لائے ہیں احمق؟ (سورۃ بقرہ ب ۱ ع ۲)

یہ لوگ جب مولویوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے تابع فرمان ہیں، جب باہر اپنے چیلوں کے
پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو مولویوں کو دھوکہ دے رہے تھے۔ ہماری تو تمام تر خدمات آپ کے ساتھ ہیں۔
یہ آیات آج بھی ان منافقین پر اور ان بقیہ فرق اربعہ کا رد کر رہی ہیں۔

ناسخ و منسوخ

قرآن کریم میں ایک عظیم مسئلہ ناسخ و منسوخ کا بھی ہے نیز ناسخ و منسوخ کی معرفت بھی ایک قابل توجہ مسئلہ
ہے۔ دراصل ناسخ و منسوخ میں ایک اصطلاح متقدمین کی ہے کہ صحابہ و تابعین کے اقوال سے ایسی باتیں ملتی ہیں
جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین نے لفظ نسخ کو لغوی معنی میں استعمال کیا ہے، لیکن اصولیین نے ایک نئی
تعریف کی ہے۔

تعریف النسخ عند الاصولیین بیان انتہاء مدۃ الحکم ۝

(یعنی مدت حکم کی انتہاء کا بیان کرنا)

ایک حکم شرعی جو نازل ہوا تھا موقت و محدود تھا ابدی نہ تھا لیکن اللہ نے یہ نہ بتلایا کہ یہ موقت ہے پھر جب ایک آیت اس حکم کو ختم کرنے کے لیے آئی تو مدت وقت کا اختتام معلوم ہوا۔

لہٰذا اگر نسخ کو قرآن کی ظاہر آیات پر محمول کیا جائے تو پورے قرآن مجید میں پانچ صد آیات منسوخ ملتی ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صاحب جلالین معمولی بات پر تنسیخ آیت کا حکم لکھتے ہیں۔

اقسام النسخ:

نسخ کی چند قسمیں ہیں:

اول منسوخ التلاوت (یعنی آیت کے الفاظ منسوخ ہو جائیں لیکن حکم باقی ہو) دوم منسوخ الحکم (الفاظ قرآن میں باقی ہوں لیکن عمل نہ ہوتا ہو) سوم منسوخ التلاوت والحکم (یعنی الفاظ بھی قرآن سے ختم ہو جائیں اور حکم بھی نہ رہا)

منسوخ التلاوت میں بعض آیات ایسی ہیں کہ ان کا حکم تو باقی ہے صرف تلاوت منسوخ ہے جیسے آیت رجم ہے۔

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم ۝ (الآیہ)

شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو رجم کرو۔ یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے ہیں۔

لہٰذا عمر فاروقؓ نے فرمایا:

فاخشی ان یطول بالناس زمان ان یقول قائل لانجد آیۃ الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ قد انزلھا اللہ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ از تفسیر سورۃ النور)

مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ جب لوگوں پر کچھ زمانہ گزر جائے گا تو کوئی شخص یہ نہ کہے کہ رجم کی آیت تو ہم قرآن کریم میں نہیں پاتے (لہٰذا انکار کریں گے) تو ایک ایسے فرض حکم کے چھوڑنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم فرمایا تھا اس لیے یہ حکم رجم باقی ہے لیکن آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔

اس طرح کی منسوخ التلاوت آیات سے اللہ کا مقصد ہمارا امتحان لینا ہے کہ دیکھو یہ قوم ایمان بالظاہر لاتی ہے یا ایمان بالغیب بھی رکھتی ہے۔ گویا اس سے مقصد ہمارا امتحان ہے۔ الغرض جیسا کہ معلوم ہوا کہ کل آیات منسوخہ پانچ صد ہیں۔ لیکن اگر آپ ان کا احاطہ کریں اور مزید غور و فکر کریں تو ابن العربی کے قول کے مطابق کل آیات منسوخہ بیس (۲۰) ہیں۔

تفصیل آیات منسوخہ:

اول: سورۃ بقرہ کی یہ آیت منسوخ ہے۔

کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۰)

فرض قرار دے دیا گیا تم پر جب تم میں سے کسی کے پاس موت آ پہنچے تو وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کیلئے مناسب طریقہ پر۔ یہ حق ہے پرہیزگاروں پر۔

اس آیت کی وجہ سے ہر شخص پر لازم تھا کہ وہ مرنے سے پہلے وصیت کرے، لیکن آج وصیت فرض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت میراث کی آیت يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (الآیہ) (سورۃ النساء: ۱۱) سے منسوخ ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آیت وصیت اس وقت تھی جب تک کہ میراث کے اصول نازل نہ ہوئے تھے، لیکن جب اللہ نے تقسیم کر دیا تو پھر تمہارا اختیار نہ رہا۔ پہلے تم ذوی الفروض ذوی الارحام اور عصبات میں خود فیصلے کرتے تھے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ صحیح حدیث میں ہے لا وصیۃ للوارث للوالدین والاقربین ○ وارث یعنی والدین اور اقربین کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے۔

اب وصیت غیر وارث کیلئے صحیح تو ہے لیکن یہ جو ترک ہے، واجب نہیں۔ آپ ؐ نے ثلث (تیسرے حصے) میں وصیت کی اجازت دی۔ والثلث کثیر یعنی تیسرا حصہ دینا۔ یہ آپ ؐ کی رضا نہیں بلکہ صرف ثلث کی اجازت دی ہے۔ آپ نے واضح کر کے فرما دیا:

لأن تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعهم عالۃ یتکففون الناس (تفسیر ابن کثیر)

تو اپنے خاندان والوں کو مالدار چھوڑے یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ (تو مال لوگوں پر تقسیم کر دے) وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔

لہٰذا اس حدیث سے بھی آیت کی تنسیخ معلوم ہوتی ہے۔

دوم: سورۃ بقرہ کی یہ آیت منسوخ ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ

یعنی جو لوگ طاقت رکھتے ہیں روزہ کی ان پر فدیہ ہے ایک مسکین کو کھانا کھلانا۔ (البقرۃ: ۱۸۴)

یہاں پر بعض لا مقدر مانتے ہیں یعنی لا یطیقونه۔ بعض کہتے ہیں کہ یطیقون باب افعال ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کبھی کبھی سلب ماخذ ہوتا ہے لہٰذا اطاق ای سلب الطاقۃ۔

جیسے اجلدت البعیر یعنی اونٹ کی کھال کھینچ لی۔ بہرحال یہ آیت منسوخ بھی ہوسکتی ہے اس آیت سے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرۃ ۱۸۵) لہٰذا اس آیت سے صوم فرض ہوگیا متعین اور لا جو مقدر کیا جاتا ہے وہ الذی الفدیہ یعنی فدیہ دینے والوں سے متعلق ہے۔

اب ہمارے ہاں لا مقدرہ کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ بالکل عاجز ہوگیا شیخ فانی بن گیا تو یہ مجروح ہے لہٰذا اس کے لیے فدیہ ہے۔ دوم اگر ایسا مریض ہے کہ یہ زندگی بھر روزے نہ رکھ سکے گا۔ لا شفاءً و لا ضعفاً کہ عجز عن الصوم و انما الی الموت ہے یعنی موت تک قضا ممکن نہیں ہے تو پھر لا یطیقونہ کا معنی ہے لا یطیقہ علی التابید۔ گویا لا یطیقونہ مقدرہ کے لیے ہے اور فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ "" تک "قادر کے لیے ہے اس طرح دونوں آیات میں تطبیق ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت محکم ہے۔

امام ولی اللہؒ نے اس آیت کے محکم ہونے کی ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ وعلی الذین یطیقونہ سے مراد صدقۂ فطر ہے کہ جس کے پاس صدقۂ فطر دینے کی طاقت ہو تب بھی اس پر دینا لازم ہے۔ یعنی طعام دو وقت کا یہ صدقۂ فطر ہے اور کفارہ ظہار میں اطعام ستین مسکین سے مراد صدقۂ فطر مراد ہیں تو یطیقونہ کی ضمیر منصوب راجع الی الطعام ہے یعنی ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں غنی ہیں وہ طعام مسکین کی طاقت رکھتے ہیں۔

اشکال: اس ضمیر منصوب کا مرجع فدیہ طعام مسکین ہے تو یہ اضمار قبل الذکر ہے ضمیر الی ما بعد راجع ہوتی ہے۔

جواب: امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے جواب دیا کہ اضمار قبل الذکر لفظاً و رتبۃً ناجائز ہے لیکن یہ لفظاً اضمار قبل الذکر رتبۃً ہے لفظاً نہیں ہے۔

لہٰذا یہ جائز ہے۔ صاحب کافیہ نے مثال دی ہے کہ علی التمرۃ مثلھا زبداً یہ ناجائز ہے لیکن ضرب غلامہ زید میں زید کا نائب مسند الیہ ہے یہ رتبۃً مقدم ہے چونکہ فاعل مقدم ہے اصل میں عبارت یہ ہے ضرب زید غلامہ اور یہ جائز ہے۔ یہاں بھی یہی صورت ہے کہ وعلی الذین یطیقونہ خبر مقدم ہے۔ طعام مسکین مبتدا مؤخر ہے اور رتبہ میں مبتدا مقدم ہوتا ہے تو طعام مسند الیہ مقدم ہے لہٰذا اصل عبارت یہ ہے فدیۃ طعام مسکین علی الذین یطیقونہ لہٰذا یہ جائز ہے۔

اشکال: ضمیر کا مرجع مذکر ہونا چاہیے اور فدیہ مؤنث ہے۔

الجواب: اس کا جواب شاہ ولی اللہؒ نے دیا ہے کہ فدیۃ طعام مسکین میں فدیہ بتاویل طعام مسکین مذکر ہے تو معنی یہ ہوا کہ فدیہ کرنا طعام مسکین کا واجب ہے ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں فدیہ کی۔

لہٰذا یہ آیت شاہ ولی اللہ کے نزدیک غیر منسوخ ہے۔

الثالث:

سورۂ بقرہ کی آیت "اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ"

حلال قرار دے دیا گیا تمہارے واسطے رمضان کی راتوں میں تمہاری عورتوں سے مباشرت کرنا۔

(سورۂ بقرہ/۱۸۷)

یہ ناسخ ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تمہارے اوپر روزے فرض قرار دیئے گئے جیسا کہ فرض قرار دیے گئے تھے تم سے پہلے لوگوں پر تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (سورۂ بقرہ/۱۸۳)

اب یہاں کما کتب میں کاف تشبیہ کے لیے ہے اور پچھلی امتوں کا روزہ یہ ہوتا تھا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رات کو اس وقت تک کھا بھی سکتے تھے اور پی بھی سکتے تھے جماع بھی کر سکتے تھے جب تک کہ سو کر نیند نہ کر لیں لیکن رات کو سو جائے تو پھر اس کے بعد یہ تینوں چیزیں حرام ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ عشاء کے بعد سونے سے پہلے سحری کھا لیتے تھے لیکن ہمارے ہاں ساری رات میں تینوں چیزیں حلال ہیں۔ اسی لیے فرمایا

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ (الآیۃ)

ترجمہ: کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے واسطے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے یعنی فجر (سورۂ بقرہ/۱۸۷)

لہٰذا بظاہر یہ آیت کما کتب علی الذین من قبلکم منسوخ ہو گئی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ آیت محکم ہے۔ اس لیے کہ یہاں التشبیہ فی نفس الفرضیۃ ہے۔ ای فرض علیکم کما فرض علی الذین من قبلکم یعنی تشبیہ صرف فرضیت میں ہے نہ کہ روزے کی تمام کیفیت میں۔ اگرچہ اسلام میں روزے کے تمام احکام گذشتہ روزوں جیسے نہیں ہیں۔ لیکن جب اس آیت کا مصداق صرف فرضیت میں تشبیہ ہے تو پھر یہ آیت منسوخ شمار نہ ہوئی۔

باقی جن صحابہ نے اس حکم پر عمل کیا تھا وہ اس لیے کہ ہماری امت فرضیت رمضان سے قبل پہلی امت کے روزوں کے طرز پر عمل کرتی تھی۔ وہ عمل اس آیت کی وجہ سے تھا اس لیے منسوخ ہو گئی۔

الرابع:

سورۂ بقرہ کی آیت یَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ

الثامنۃ:

سورۂ نساء میں ہے:

وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ (النساء:۳۳)

یعنی جن کے ساتھ تم نے قسم کھا کر عقد کر لیے ہیں یعنی عقد موالات کر لیا ہے تو ان کو بھی وراثت کا حصہ دو۔

کیونکہ ولاء موالات بھی وراثت کا سبب ہے اس کے بعد آیت آئی:

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ (الآیۃ)

اور قرابت والے زیادہ حقدار ہیں ایک دوسرے کے کتاب الٰہی میں عام مسلمانوں اور

مہاجرین سے۔ (سورۃ احزاب ۶)

کہ بعض اقرب الی الوارث ہیں یہاں اولوا الارحام سے اہل فرائض کی اصطلاح مراد نہیں یعنی ذوی الفروض اور عصبہ مراد نہیں ہے نسبی رشتہ دار مراد ہیں اور قاعدہ ہے کہ اقرب النسب وارث ہوتا ہے لہٰذا پہلی آیت منسوخ ہوگئی۔

لیکن در حقیقت یہ آیت بھی محکم ہے۔ یہ آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔ کیونکہ دوسری آیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ وراثت تو اولوا الارحام کے لیے ہے، البتہ صلہ رحمی احسان نیکی وغیرہ میں ولاء موالات کا حق ادا کرو لہٰذا یہ آیت منسوخ نہ ہوگی۔

التاسعۃ:

بعض لوگوں کے نزدیک آیت ثامنہ کی طرح یہ آیت:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝

اور جب تقسیم کے وقت حاضر ہوں رشتہ دار، یتیم اور مسکین تو دو انہیں اس میں سے اور کہو ان سے بات معقول۔ (سورۂ نساء ۸)

اور اس کے بعد فرمایا "فارزقوھم" تو یہ بھی منسوخ ہے اور ناسخ سورۃ احزاب والی مذکورہ بالا آیت ہے، لیکن حق تو یہ ہے کہ اتفاق وارثوں کا ہے لہٰذا یہاں دینے سے مراد یہ ہے کہ مستحب طریقے سے کچھ دے دو۔ یہاں وراثت کا استحقاق مراد نہیں، بلکہ وراثت والی آیت میں استحقاق وجوبی کا ذکر ہے اور یہاں استحقاق استحبابی کا ذکر ہے۔ اس لیے یہ آیت بھی منسوخ نہ ہوگی۔

العاشرة:

یہ آیت:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا (الآیہ)

اور جو بدکاری کریں تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو ان پر چار آدمی اپنے میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند رکھو ان کو اپنے گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لے ان کو موت یا بنائے اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی سبیل۔ (سورۃ نساء:۱۵)

جو عورتیں فحش فعل کا ارتکاب کرتی ہوں تو ان کو تھوڑی سی اذیت دے دو (دو تین کوڑے لگا دو) یہاں تک کہ صریح حکم آ جائے۔ یہ بھی منسوخ ہے سورۃ نور کی آیت سے کہ

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

بدکار عورت اور بدکار مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ (سورۃ نور:۲)

لیکن درحقیقت یہ محکم ہے۔

یہ آیت بھی منسوخ نہیں، کیونکہ پہلے محدود وقت کہ حکم آنے تک یہی کرو۔ یہی ابتدائی حکم تھا چونکہ لوگ عادی تھے پھر یہ اصلی حکم آ گیا لہٰذا یہ آیت منسوخ نہ ہوئی۔

الحادی عشرۃ

سورۃ المائدہ میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ الخ (مائدہ:۲)

اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے کی۔

شہر حرام کی آیت سے معلوم ہوا کہ اشہر حرم میں قتال جائز نہیں ہے تو یہ آیت منسوخ ہے ان آیات سے جن میں قتال کا جواز ہے جیسے "فاقتلوا المشرکین کافہ (سورۂ توبہ:۳۶)" نیز ایک حدیث سے منسوخ ہوگی۔ فرمایا:

فان دمائکم و اموالکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الی یوم تلقون ربکم ۞ (بخاری:۱/۱۰)

اس حرمت والے شہر، آج کے دن اور اس مہینے کی طرح تم لوگوں پر ایک دوسرے کا خون اور مال قیامت کے دن تک حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حرم کی زمین کے اندر ایک خاص ماہ میں ایک دن کی حرمت ہے تو یہ حکم متعلق بالبلد الحرام ہے۔ فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے اس دن کی حرمت کو فتح مکہ کے دوران ایک خاص وقت میں اٹھا لیا لیکن اب قیامت تک کے لیے حرام ہے یعنی حرمت لوٹ آئی۔ اس لیے اب حرمت بالبلد ہے بالشہر نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (سورۃ آل عمران ۹۷)

الثانیۃ عشرۃ

فَإِن جَآءُوكَ فَٱحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ

پس اگر وہ (اہل کتاب) آئیں آپ کے پاس تو فیصلہ کیجیے ان کے درمیان یا اعراض کیجیے
ان سے۔ (المائدۃ ۴۲)

یعنی جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو چاہے فیصلہ کرو، چاہے اعراض کرو۔ یہ منسوخ ہے اس آیت سے:

وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ

اور یہ کہ فیصلہ کیجیے ان کے درمیان مطابق اس کے جو نازل کیا اللہ نے اور نہ پیروی کیجیے ان
کی خواہشوں کی۔ (سورۃ مائدہ ۴۹)

تو فیصلہ کرنا آپ پر لازم ہو گیا۔ جبکہ پہلے اختیار تھا یعنی اعراض والا حکم تھا۔ اب اختیار نہیں رہا بلکہ فیصلہ کرنا لازمی ہے یعنی جب اہل ذمہ ہمارے پاس آجائیں تو قرآن کے مطابق ان کا فیصلہ کرو لہذا پہلی آیت منسوخ ہوگی۔

لیکن درحقیقت یہ آیت محکم ہے۔

یہاں پر ایک تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ ہمیں اب بھی اس کا اختیار ہے کہ فیصلہ ہم ان کے اعتبار سے کریں یا نہ کریں یعنی آیت فَٱحْكُم بَيْنَهُمْ میں یہ بات ہے کہ پہلا اختیار تھا یہ عام ہے لیکن آپ نے فیصلہ کرنے کا اختیار کیا۔ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ (پ ۶ مائدہ ۴۸) اب یہ ثابت ہوا کہ قرآن کے مطابق فیصلہ کرو اور ان کی کتابوں کے مطابق بھی فیصلہ کرو۔

الثالثۃ عشرۃ

سورۃ الانفال میں ہے

إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَٰبِرُونَ يَغْلِبُوا۟ مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوٓا۟ أَلْفًا مِّنَ
ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ

اگر ہوں گے تم میں سے بیس بھی صبر کرنے والے تو وہ غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں گے تم میں سے ایک سو تو غالب ہوں گے ہزار پر ان میں سے جو کافر ہیں کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (سورۃ انفال ۶۵)

یہاں دس گنا کا مقابلہ ہے۔ چنانچہ حکم یہ ہے کہ اگر دس گنا ہیں تو فرار کی اجازت نہیں ہے بلکہ مقابلہ ضروری ہے۔ اس کے بعد ساتھ ہی حکم بدل دیا ہے لہٰذا فرمایا:

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (انفال ۶۶)

اب تخفیف کر دی اللہ نے تم پر سے اور اس کو معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر ہوں تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے تو وہ غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سے ایک ہزار تو غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے۔ اب ایک کا مقابلہ دو سے کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا پہلی آیت صراحتاً منسوخ ہے۔

رابع عشرة

سورہ براءت میں ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

نکلو ہلکے بھی اور بھاری بھی اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے تمہارے واسطے اگر تم علم رکھتے ہو۔ (سورۃ توبہ ۴۱)

تم ہلکے ہو یعنی تمہارے پاس اسباب و وسائل کی کمی ہو یا تم بوجھل ہو۔ بہر حال آپ کو جہاد کے لیے جانا ہوگا۔

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ

"نہ تو اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج اور نہ بیمار پر کوئی گناہ"۔ (سورۃ فتح ۱۷)

تو اس آیت سے معذورین مستثنیٰ ہیں اس لیے پہلی آیت کو منسوخ سمجھا گیا ہے۔

لیکن یہ آیت محکم ہے۔

یہ آیت یہاں منسوخ نہ ہوگی چونکہ "انفروا خفافا و ثقالا" کا تعلق بالوسائل ہے اور لیس علی الضعفاء کا تعلق بالذات ہے لہٰذا نسخ نہ ہوگا۔

خامس عشرۃ

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ

زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد۔ (سورۃ نور: ۳)

یہ منسوخ ہے کیونکہ زانی شخص عفیفہ کے لیے کفو (برابر) نہیں ہے ناسخ آیت یہ ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآىٕكُمْ

اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے میں سے اور نیک غلاموں اور کنیزوں کا۔ (سورۃ نور: ۳۲)

ایامی ایسی عورت کو کہتے ہیں کہ جس کا زوج نہ ہو (جس کا شوہر نہ ہو) تو چاہے وہ ہو یا غیر ہو اس میں زانیہ و غیر زانیہ کی تخصیص نہیں۔

اس آیت سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ زانیہ چونکہ کبیرہ کا ارتکاب کر چکی ہے اور کبیرہ کے ارتکاب سے معتزلہ کے نزدیک آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے وہ مومن کے لیے جائز نہیں ہے لیکن یہ آیت بھی منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے کیونکہ "وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى" والی آیت عام ہے اور "اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ" والی آیت خاص ہے اور عام خاص کو منسوخ نہیں کر سکتا۔

سادس عشرۃ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ

اے ایمان والو! اجازت لیا کریں تم سے وہ (غلام) جو تمہارے ملک یمین میں ہیں اور وہ (لڑکے) جو ابھی نہیں پہنچے حد بلوغ کو تم میں سے تین مرتبہ۔ (سورۃ نور: ۵۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مذکورہ بالا دو قسم کے لوگ مذکورہ تین اوقات میں اجازت کے پابند ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا اور وسائل کی بہتات ہوگئی تو لوگوں نے گھروں پر پردے لٹکا دیے۔ بعض لوگ خیال کرنے لگے کہ شاید پردے لٹکانے کے بعد اجازت والا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور پردے ہی کافی ہیں، لیکن یہ بات درست نہیں۔ اجازت لینے کا حکم بدستور باقی ہے۔ لوگ اجازت نہ لے کر اس حکم کی تعمیل میں سستی کرتے ہیں۔

سابع عشرۃ

سورۃ احزاب میں ہے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ (آیت نمبر ۵۲)
نہیں حلال آپ کے لیے عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ تبدیل کر لیں آپ ان سے اور عورتیں۔

اس آیت سے بظاہر نکاح کی ممانعت معلوم ہوتی ہے جبکہ دوسری آیت سے یہ ممانعت منسوخ معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ (احزاب۔ ۵۰) یعنی جن عورتوں کا حق مہر آپ ادا فرمائیں گے وہ آپ کے لیے حلال ہیں۔ کوئی تعداد کی کوئی پابندی نہیں ہے اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جو نسائی، ترمذی اور مسند احمد میں منقول ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول جب دنیا سے اٹھے ہیں تو اس وقت تک آپ نے جتنی عورتوں سے نکاح کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے لیے حلال قرار دے دیا تھا۔ حاصل یہ ہے کہ تاحیات آپ پر تعداد ازواج کے حوالے سے کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ آیت بالا منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور یہاں جو ممانعت مذکور ہے وہ اصناف کے اعتبار سے مطلق ممانعت نہیں ہے۔ آیت میں اصناف اربعہ مذکور ہیں کہ آپ کے لیے چچازاد بہنیں، پھوپھی زاد بہنیں، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں حلال ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اور صنف جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس صورت میں دونوں ہی آیتیں اپنے محمل پر محمول ہو گئیں یعنی جس آیت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اس کا تعلق اصناف اربعہ کے علاوہ دوسری عورتوں سے ہے اور جس آیت میں حلت کا حکم ہے وہ اصناف اربعہ مذکورہ سے متعلق ہے۔ (فلا منافات بینهما) لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

ثامن عشرۃ

سورۃ مجادلہ میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورۃ مجادلہ ۱۲)

اے ایمان والو جب تم سرگوشی (ملاقات) کیا کرو رسول اللہ سے تو ادا کیا کرو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ، یہی بہتر ہے تمہارے لیے اور زیادہ پاکیزہ، پھر اگر تم نہ پاؤ تو بلاشبہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم والا ہے۔

لیکن اس آیت کے آخر ہے کہ

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

یعنی آپ کے پاس صدقہ کے لیے کچھ نہیں تو دینا بھی واجب نہیں لیکن پہلے وجوب تھا لہٰذا آیت کا پہلا حصہ منسوخ ہو گیا۔

التاسعة عاشرة

سورۂ مزمل میں ہے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝

"اے کپڑوں میں لپٹے ہوئے قیام کیجیے رات کو مگر تھوڑا سا حصہ آدھی رات یا کم کیجیے اس میں سے تھوڑا سا حصہ یا زیادہ کر دیجیے اس پر اور پڑھئے قرآن ترتیل کے ساتھ"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو نماز پڑھنا نصف شب یا ثلث یا اس سے کچھ کم واجب ہے یا فرض ہے،

لیکن سورۂ مزمل میں دوسری آیت نازل ہوئی

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

ترجمہ: پس پڑھو جتنا آسان ہو قرآن میں سے۔ (سورۂ مزمل ۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد کا وجوب منسوخ ہو گیا۔

العشرین

سورۂ ممتحنہ میں ہے

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

اور اگر تمہارے ہاتھ سے نکل گئی کوئی عورت تمہاری عورتوں میں سے کافروں کے پاس پھر تم نے تعاقب کیا تو دے دو ان (مسلمانوں) کو جن کی عورتیں چلی گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو۔ (سورۂ ممتحنہ ۱۱)

ایک قول کے مطابق یہ آیات سیف (یعنی وہ آیتیں جن میں جہاد و قتال کا حکم آیا ہے) سے منسوخ ہے دوسرے قول کے مطابق یہ آیت آیت غنیمت کے ذریعہ منسوخ ہے۔

لیکن میرے نزدیک یہ آیت محکم ہے۔ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس صورت حال سے ہے جب مسلمان کمزور ہوں اور کافر غالب لہٰذا آیت منسوخ نہ ہوگی۔

اس طرح کے اقوال مفسرین نے بیس آیات میں نقل کیے ہیں لیکن امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ تمام آیات محکم ہیں منسوخ نہیں ہیں سوائے پانچ آیات کے۔ گویا انہوں نے صرف پانچ آیات میں نسخ کا اعتراف کیا ہے۔

<u>اول:</u>

سورۃ بقرہ کی وہ آیت جس میں عدت حولی متاعاً الی الحول کا ذکر ہے:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ

(سورۃ بقرہ/۲۴۰)

یہ منسوخ ہے اور ناسخ آیت:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ (سورۃ بقرہ/۲۳۴)

ہے۔ اور یہ بات صحیح بھی ہے اس لیے کہ حولی متاعاً والی عدت باتفاق وبالاجماع چار ماہ دس دن ہے عند جميع العلماء والمجتهدين

<u>دوم:</u>

دوسری آیت جس کے منسوخ ہونے کو شاہ ولی اللہؒ نے بھی اختیار فرمایا ہے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ ہے (یہ پوری آیت ترجمہ سمیت پیچھے گزر چکی ہے) چنانچہ پوری امت کا اجماع ہے کہ والدین اور دیگر ورثاء کیلئے لا وصیۃ لوارث (یعنی وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے) والا قانون نافذ ہے لہٰذا مندرجہ بالا آیت منسوخ ہے اور اس کے لیے ناسخ آیت

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ہے

حکم دیتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے حق میں کہ مرد کا حصہ برابر ہے دو عورتوں کے (سورۃ نساء/۱۱)

<u>سوم:</u>

تیسری آیت جس کے منسوخ ہونے کے قول کو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اختیار فرمایا سورۃ انفال کی آیت ۶۵ ہے اور اس کیلئے ناسخ آیت نمبر ۶۶ ہے۔ پہلی آیت میں حکم تھا کہ ایک مسلمان کے مقابلے میں دس کافر ہوں تب بھی مسلمان کو مقابلہ کرنا چاہیے اور میدان چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمائی کہ ایک کے مقابلے میں دو ہوں تو دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا واجب اور بھاگنا حرام ہے اور اگر کفار کی تعداد

مسلمانوں کے مقابلہ میں دگنی سے بھی زیادہ ہو تو کفار کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا اگرچہ اب واجب نہیں، لیکن بڑی عزیمت و عظمت و اجر و ثواب کی بات ہے۔ چنانچہ دسوں کا مقابلہ ہزاروں کے ذریعے سے کرنا صحابہ و تابعین کے وہ بے مثل کارنامے ہیں جن سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

چہارم:

چوتھی آیت جو کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے ہاں بھی منسوخ ہے سورہ مجادلہ کی آیت نمبر ۱۲ کا ابتدائی حصہ ہے جس میں حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری کے وقت پہلے کچھ ہدیہ ضرور پیش کیا کرو، لیکن اسی آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ہدیہ دینے کیلئے کوئی چیز نہیں پاتے ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ گویا آیت کے آخری حصہ نے ابتدائی حصہ کو منسوخ کر دیا۔

پنجم:

پانچویں آیت جس کے نسخ کا قول حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اختیار فرمایا ہے سورہ مزمل کی آیت نمبر ۲، ۳ ہے۔ جس میں آدھی رات یا کچھ کم قیام کا حکم ہے پھر اس حکم کو منسوخ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ مزمل میں یہ ارشاد فرمایا کہ

عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ

یعنی اس کو (اللہ تعالیٰ) معلوم ہے کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اس کو معاف کیا اس نے تم پر، اب پڑھو جتنا آسان ہو قرآن میں سے۔

یعنی نصف شب، ثلث وغیرہ کی جو تحدید تھی وہ ختم ہو گئی۔

قرآن کریم کے اسماء

قرآن کریم کے لیے قرآن کریم میں چار اسماء ذکر کیے گئے ہیں۔

(۱) اول: القرآن

سورہ یوسف کی آیت آپ کے پیش نظر ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ (الآیہ)

ہم بیان کرتے ہیں آپ پر بہت اچھا قصہ اس وجہ سے کہ ہم نے وحی کیا آپ کی طرف یہ قرآن۔

(یوسف/۳)

پھر ایک جگہ فرمایا:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

بلا شبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ (النمل/۷۶)

پھر ایک جگہ فرمایا:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

بیشک یہ قرآن بڑی شان والا ہے ایک کتاب میں جو محفوظ ہے کوئی نہیں چھو سکتا اس کو مگر پاک (سورۃ الواقعہ ۷۷، ۷۸، ۷۹)

لفظ قرآن کی لغوی تحقیق اور معانی قرآن:

قرآن مصدر ہے قرأ یقرأ سے بروزن فُعلان جیسے خسران خسر سے اور غفران غفر سے یا کفران کفر سے، یاد رہے کہ فعلان کا وزن مصادر میں مستعمل ہے۔

اصل میں قرآن کہتے ہیں جمع کرنے اور ملانے کو

کقول العرب ...... ماقرأت هذه الناقة سلاقطن

(سلا کہتے ہیں رحم یعنی بچہ دانی کو) یعنی لم تضم رحمها على ولد قط (کہ جس ناقہ کے بچہ نہ پیدا ہوا ہو) یعنی جس نے اپنے رحم کو کبھی بچہ کے ساتھ جمع نہیں کیا۔

چنانچہ قرآن کریم میں بھی ہے: ان علینا جمعه وقرآنه اسی طرح کہا جاتا ہے قرأت الشي اي اذا جمعت الشي بعضه الى بعض ۝

یعنی قرأت الشئ اس وقت کہا جاتا ہے جب آپ ایک چیز کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جمع کر لیں۔

وجہ تسمیہ یعنی قرآن کو قرآن کیوں کہتے ہیں:

عبداللہ ابن عباس سے ان علینا جمعه وقرآنه کی تفسیر میں منقول ہے اور سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ ۝

یعنی ہم اس قرآن کو آپ کے سینہ مبارک میں جمع کر لیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

چونکہ آیات قرآنیہ کو آپ کے سینہ میں جمع کر دیا گیا ہے اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔

الثانی: الفرقان:

قرآن حکیم میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل کیا حق و باطل میں فرق کرنے والا (قرآن) اپنے
بندے پر تا کہ ہو وہ سارے جہان کے لئے ڈرانے والا۔ (سورۂ فرقان: ۱)

الفرقان بھی مصدر ہے جیسے قرآن مصدر ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرق سے مصدر ہے۔

وجہ تسمیہ: یعنی قرآن کو فرقان کیوں کہتے ہیں؟

قرآن کو فرقان اس لیے کہتے ہیں کہ لانہ فارق بین الحق و الباطل یعنی اس کے دلائل رفع فارق ہیں:
بین الحق و الباطل و بین المحق و المبطل۔
قرآن کے دلائل حق و باطل اور حق پرست اور باطل پرست کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔
جب قرآن مجید کا نزول نہ ہوا تھا تو سب لوگ ایک جیسے تھے۔ نزول قرآن کے بعد جن لوگوں نے اسے قبول
کیا وہ محق قرار دیے گئے اور جنہوں نے انکار کر دیا وہ مبطل ہو گئے الغرض خیر و شر میں تمیز کر دی گئی۔ نیز فرمایا:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ

اور ہم نے دکھائے اس کو دونوں راستے۔ (سورۃ البلد: ۱۰)
ایک خیر ہے اور ایک شر۔ قرآن نے دونوں راستوں کی ہدایت فرمائی تو دونوں میں فرق
ہو گیا۔ نیز فرمایا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

دین میں زبردستی نہیں، ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔ (سورۃ بقرہ: ۲۵۶)
قبل از قرآن رشد و غی یعنی ہدایت اور گمراہی میں فرق نہ تھا اس لئے قرآن کو فرقان کہا گیا ہے۔

الکتاب:

چنانچہ فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے نازل کی اپنے بندے پر یہ کتاب (قرآن) اور نہ رکھی
اس میں کوئی کجی۔ (سورۂ کہف: ۱)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ (سورۃ البقرہ: ۲)

وجہ تسمیہ قرآن کو کتاب کیوں کہتے ہیں؟

کتاب یہاں مکتوب کے معنی میں ہے جیسا کہ عام طور پر گفتگو میں مستعمل ہے۔ ارسلت الی فلان کتابا مجموعہ کو بھی کتاب کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے پاس لکھا ہوا تھا چنانچہ فرمایا:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝ (سورۃ البروج ۳۰/۲۱-۲۲)

لوح اس تختی کو کہتے ہیں جس پر کچھ لکھا جاتا ہے اس لیے اس تختے کو بھی کتاب کہا جاتا ہے۔

__الرابع: الذکر:__

جیسے قرآن حکیم میں ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

بلاشبہ ہم نے ہی اتارا ہے یہ ذکر (قرآن) اور بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (الحجر/۹)

وجہ تسمیہ قرآن کو ذکر کیوں کہتے ہیں؟

قرآن مجید کو ذکر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ذکر من اللہ ہے:

یعنی یذکر بہ عبادہ ای یعرفہم حدودہ و فرائضہم ۝

یعنی اس میں حلال و حرام یاد دلائی جاتی ہے یا اس لیے کہتے ہیں کہ ذکر شرف و فخر کے لیے بھی آتا ہے چنانچہ فرمایا وانہ لذکر لک و لقومک ۝ یہ ذکر بھی فخر و شرافت ہے۔ یہ چاروں نام خود قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

مکیۃ (سورۃ الفاتحۃ) آیاتہا ۷

۷ آیتیں ہیں سورۃ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ۱ رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ جو مہربان نہایت رحم والا ہے۔ جزا کے دن کا مالک ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

اقوالِ تحقیق

سورۃ الفاتحہ بالاتفاق سات آیات ہیں۔ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آیت من الفاتحہ ہے یا نہیں؟

اگر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آیت من الفاتحہ ہے تو پھر بِسْمِ اللّٰهِ الخ پہلی آیت ہے، دوسری آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ، تیسری آیت الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، چوتھی مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، پانچویں اِيَّاكَ نَعْبُدُ الخ، چھٹی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، ساتویں صِرَاطَ الَّذِيْنَ الخ ہے۔

اور اگر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورۃ الفاتحہ کی آیت نہیں ہے تو پھر آیات شمار ہوں گی، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تک پانچ آیات ہوں گی اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ چھٹی ہوگی اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ الخ ساتویں آیت شمار ہوگی۔ بہرحال تعداد آیات علی اختلاف القولین ایک ہی ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے ۲۷ کلمات اور ۱۴۰ حروف ہیں؟

سورۃ الفاتحہ کا نزول مکہ میں ہوا یا مدینہ میں؟

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کا نزول مکہ میں ہوا یا مدینہ میں یا دونوں جگہ، یہ سورت مکیہ ہے یا مدنیہ ہے؟ جمہور اہل علم کا قول یہ ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی انتہائی مکیہ ہے لیکن بعض علماء سے منقول ہے کہ یہ

مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ قول مجاہد سے منقول ہے۔

بعض علماء کے نزدیک یہ دو دفعہ نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں اور دو دفعہ نازل کرنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ تنبیہ کرنا مقصود ہو علی شرفہا و فضلہا و اہمیتہا بخلاف سائر القرآن فہی نزلت مرتین۔ یعنی اس کے شرف، فضل اور جملہ قرآن میں دوسری سورتوں پر اس کی فضیلت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو جس پہ یہ سورۃ دو دفعہ نازل کی گئی۔

اسماء سورۃ الفاتحہ

اس سورت کے بہت سے نام ہیں

۱۔ فاتحۃ الکتاب

نماز میں بھی افتتاح قرأت اسی سے ہوتا ہے اور قرآن مجید کا افتتاح بھی اسی سے ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ لوح محفوظ میں بھی پہلے سورۃ الفاتحہ ہے۔ احادیث میں بھی اسی نام سے اس سورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ○ (مسلم)

اس شخص کی نماز (کامل) نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔

۲۔ الحمد

اس لیے کہ اس سورۃ کی ابتداء الحمد للہ سے ہوئی ہے۔ بسا اوقات سورۃ کا نام پہلے لفظ سے رکھا جاتا ہے جیسے سورۃ البراءت کا نام کہ براءۃ من اللہ ورسولہ سے شروع ہوئی۔ الحمد کا ذکر حدیث میں بھی آیا ہے

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بالحمد و سورۃ ○

اس شخص کی نماز نہیں جو کہ الحمد اور سورت نہ پڑھے۔

۳۔ ام القرآن:

سورۃ الفاتحہ کو ام القرآن اس لیے کہتے ہیں کہ ام اصل کو کہا جاتا ہے۔

یہ اصل القرآن ہے کہ قرآن کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو ام القرآن کہتے ہیں اور حدیث میں بھی ہے:

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن ○ (مسلم)

اس شخص کی نماز نہیں جو ام القرآن (فاتحہ) نہ پڑھے۔

۴۔ السبع المثانی:

چنانچہ فرمایا

ولقد آتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم۔

اور ہم نے دی ہیں آپ کو سات آیتیں جو دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظمت والا (سورہ حجر ۸۷)

(۱) .. وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سبع تو اس لیے کہ سات آیات ہیں اور مثانی اس لیے کہا جاتا ہے۔ لانها تثنى في الصلوة (یہ سورت نماز میں دو دفعہ پڑھی جاتی ہے۔ دو دفعہ پڑھنے میں وجوب و فرضیت ہے، دوسری سورت بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فرضیت و وجوب نہیں ہے)

تو مثانی جمع ہے مثنی کی بمعنی دو دو یعنی یہ سات آیات بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

(۲) وجہ تسمیہ لانها انزلت مرتین اگر یہ بات درست ہے کہ یہ نزلت بالمكة و المدينة (یعنی مکہ میں بھی نازل ہوئی ہے اور مدینہ میں بھی) تو یہ تاویل درست ہے اس لیے مثانی کہا جاتا ہے۔

۵۔ الوافیہ:

وافیہ یعنی پوری یعنی یہ سورت پوری پڑھی جاتی ہے في الصلوٰت لا تقسم ولا تفرق بخلاف باقی السور (کہ نماز میں تمام سورتوں میں تفریق و تقسیم ہے) یعنی سورۃ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھنا کچھ نہ پڑھنا ناجائز ہے، لیکن سورۃ الکوثر کی ایک آیت کو اگر تین مرتبہ پڑھ لیا جائے تو کافی ہے۔ نیز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک چھوٹی آیت کافی ہوتی ہے، لیکن تین آیت پڑھنا صاحبین کا مذہب ہے، لہٰذا اگر ایک آیت کو بار بار پڑھا جائے تو ہر دفعہ آیت شمار ہوتی ہے۔

۶۔ الکافیہ:

اس لیے کہ یہ کفایت کرتی ہے تمام قرآن مجید سے

لانها تكفى عن جميع القرآن و سائر القرآن لا يكفى عنها و الفاتحة تكفي عن جميع القرآن

یعنی سورۃ فاتحہ پورے قرآن کریم کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے لیکن قرآن کریم فاتحہ کی جگہ کافی نہیں ہے۔

۷۔ الکنز:

یہ نام اسے کہتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ نے ایک روایت نقل کی ہے:

عن علی بن ابی طالبؓ قال حدث نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھا انزلت من کنز تحت العرش O

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ سورہ فاتحہ عرش کے نیچے خزانہ میں سے نازل ہوئی ہے۔

۸۔ الشافیہ:

اسی طرح اسے سورت الشفاء بھی کہتے ہیں

(۱)... چنانچہ روایت میں ہے:

شفاء من کل داء ای الفاتحہ رواہ الدارمی و البیھقی فی شعب الایمان

سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔

(۲)..... دوسری روایت میں ہے:

عن ابی سعید الخدریؓ مرفوعاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم "فاتحۃ الکتاب شفاء من کل سم

حضرت ابو سعیدؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ سورہ فاتحہ میں ہر زہر آلود (زہریلے جانور کے کاٹنے یا ڈسنے) چیز سے شفاء ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور ہر بیماری بھی زہر ہوتی ہے۔

(۳) تیسری روایت صحیح بخاری کی ہے کہ ایک صحابی سے مروی ہے کہ ہم سفر میں جارہے تھے کہ ایک بستی کے کنارے پڑاؤ کیا:

فجائت جاریۃ فقالت ان سید الحی سلیم

"ایک عورت نے آکر کہا کہ قبیلہ کا سردار ڈسا گیا ہے"۔

فھل منکم راق

"کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے"۔

تو ایک صحابی اٹھے اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ باقی صحابہ کہتے تھے کہ ہمیں پتہ نہ تھا کہ یہ شخص رقیہ (تعویذ جھاڑ پھونک) بھی کرتا ہے۔ بہرحال وہ صحابی چلے گئے۔ انہوں نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کر دیا اور وہ ٹھیک ہو گئے۔ اس شخص نے ان کو تیس بکریاں عنایت کیں۔

اجرت علی الرقیہ (تعویذات) جائز ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اجرت علی الرقیہ جائز نہیں، لیکن یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ اجرت علی الرقیہ جائز ہے، بلکہ مانگنا بھی صحیح ہے۔ وہ اس لیے کہ اس صحابی کو جب بکریاں ملیں تو ان کو شک گزرا کہ شاید یہ ناجائز ہو۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پاس آئے اور اس کی حقیقت کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ جائز ہے۔

اجرت زائد علی الضرورۃ لینا بھی جائز ہے

اب یہاں پر صحابی کی ضرورت ایک بکری سے بھی پوری ہو سکتی تھی، لیکن باوجود اس کے تیس بکریاں لیں۔ معلوم ہوا کہ اجرت کی زیادت علی الضرورت بھی جائز ہے۔ نیز اجرت کا مقرر کرنا بھی جائز ہے۔
اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما ادراک انہا رقیۃ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ رقیہ ہے تو صحابی نے عرض کیا کہ میں نے تو صرف یہ آیات پڑھی تھیں۔

قرأت قرآن پر اجرت لینا حرام ہے اگرچہ مقرر نہ کی گئی ہو

قرأت قرآن پر اجرت لینا حرام ہے، لیکن رقیہ پر اجرت لینا جائز ہے، فرق یہ ہے، یہ عمل ہے اور قرأت قرآن عبادت ہے۔ عمل پر اجرت لینا جائز ہے۔ عبادت پر اجرت لینا حرام ہے لہٰذا جب آپ قرأت قرآن بہ نیت تعویذ کریں تو اس کی اجرت جائز ہے اور اگر مقصود محض قرأت قرآن ہو تو اس پر اجرت لینا حرام ہے۔ لانہ لیس عمل۔ عبادت صریحہ پر اجرت جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ اجرت علی الطاعات ہے، لہٰذا پڑھ کر بخشنا کھانا اور اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

علامہ شامی نے اس کی بڑی تفصیل ذکر کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ پیسے دے دیتے ہیں، لیکن علامہ شامی نے کہا ہے کہ المعروف کالمشروط تو معروف مشروط شدہ ہے۔ اسی طرح تراویح میں بھی حافظوں کیلئے اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کا فتویٰ متأخرین نے دیا ہے:

یہ فتویٰ استحساناً علی خلاف القیاس ہے، کیونکہ دوسری صورت میں ضیاع دین کا خطرہ ہے۔ بقائے دین کے لیے اجرت لینا جائز ہے، لیکن تراویح کا پڑھانا امامت کا حصہ نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن نہ سنائیں گے تو قرآن کا ضیاع ہے تو یہ غلط ہے کہ یہ قرأت بغیر تراویح کے خود محفوظ رہ جاتی ہے۔

سورۃ الفاتحہ امراض باطنہ کے لیے بھی شفاء ہے کہ اس میں عقائد و اعمال کی اصلاح کا بھی ذکر ہے۔

فضیلت سورۃ فاتحہ

سورۃ الفاتحہ کی فضیلت کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔

۱ – عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ما انزل فی التوراۃ ولا فی الانجیل ولا فی الزبور ولا فی القرآن مثلھا وانھا لھی السبع المثانی التی آتانی اللہ عزوجل (اشارۃ الی ولقد آتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم آیت کی طرف) رواہ الترمذی فی الجامع وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ سورۃ فاتحہ جیسی سورت اللہ تعالیٰ نے تورات میں نازل کی اور نہ انجیل اور زبور میں اور نہ قرآن میں۔ یہی بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں ہیں۔ (اس سے اشارہ سورۂ حجر کی آیت نمبر ۸۷ کی طرف ہے جس کا ترجمہ ہے اور تحقیق ہم نے دی ہیں آپ کو سات آیتیں بار بار پڑھی جانے والی اور قرآن عظمت والا) اور کہا امام ترمذی نے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نیز اس حدیث کو ابو عبداللہ الحاکم نے بھی نقل کیا ہے مستدرک میں اور اس کی تصحیح کرنے کے بعد لکھا ہے۔ (صحیح علی شرط مسلم)

۲ – عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوۃ بینی وبین عبدی نصفین ۝

وقال فیہ اذا قال العبد الحمد للہ رب العالمین یقول اللہ حمدنی عبدی و اذا قال الرحمن الرحیم یقول اللہ اثنی علی عبدی و اذا قال مالک یوم الدین یقول اللہ مجدنی عبدی و اذا قال ایاک نعبد و ایاک نستعین یقول اللہ ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل۔

یعنی پہلی تین آیات اللہ کے لیے ہیں اور چوتھی آیت مشترک ہے۔ اس حدیث سے کہ پہلے بندہ [illegible] کا اقرار کیا تو ھذا بینی فرمایا اور ایاک نستعین [illegible] عبادت کا اقرار کیا ہے تو یہ تین آیتیں بندہ کے لیے ہیں (جیسا آگے فرمایا)

و اذا قال العبد اھدنا الصراط المستقیم الآیۃ (آخری تین آیات)

"فقال اللہ ھذا لعبدی و لعبدی ما سأل" رواہ مسلم فی الصحیح۔

فاتحہ کے ساتھ آمین کا تعلق کیا ہے؟

سورۃ الفاتحہ کے بعد آمین کا پڑھنا مسنون ہے۔ اس کو مد ودونوں سے روایت کیا گیا ہے یعنی آمین اور مقصورا بھی یعنی آمین۔ یہاں مد قریوں اور مجودین والا نہیں ہے، بلکہ مالک کی طرح ہے۔

آمین میں تشدید نہیں ہے

اس آمین میں تشدید نہیں ہے یعنی آمّین نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو ولا آمّین البیت الحرام ہے وہ آمین یہاں نہیں ہے۔

آمین کا معنی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے لکھا ہے آمین ای استجب و اسمع یعنی سن لے اور قبول فرما۔ امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں ایک روایت نقل کی ہے

عن ابی میسرۃ ان جبرئیل علیہ السلام اقراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفاتحۃ فلما قال ولا الضالین قال لہ قل امین○

ترجمہ: حضرت ابو میسرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتحہ پڑھائی تو جب ولا الضالین پڑھا تو حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا کہ کہیے آمین۔

لہٰذا آمین کا کہنا مسنون ہے چاہے نماز کے اندر ہو یا باہر ہو۔

چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے۔

اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ (بخاری)

جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہا کرو۔ پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے:

فان الملائکۃ تقولہا (فرشتے بھی آمین کہتے ہیں) وفی روایۃ النسائی و ان الامام یقولہا (اور امام آمین کہتا ہے)

(یاد رہے کہ یہاں ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ امام بھی آمین پڑھتا ہے۔)

آمین جہراً یا سراً

اس روایت میں دو بحثیں ہوتی ہیں جو اختلافی ہونے کی حیثیت سے بیان کی جاتی ہیں ایک بحث کا مسئلہ
نہیں کیا جاتا ہے۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے:

اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین ○

اس سے بعض لوگ با آواز بلند آمین کہنے پر استدلال کرتے ہیں۔ (حالانکہ یہاں ایسی کوئی
بات نہیں) ہم جو امام کو آمین کہنا ثابت ہوا ہے۔ صراحۃ قال الامام تقولها سے ہے لہٰذا
محض اس کی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا (اذا قال الامام غیر المغضوب) کہ امام کے لیے آمین
بالسر مراد ہے اور مقتدی کو بھی آمین تعلیم کی جا رہی ہے۔ ورنہ امام کا بالسر آمین کہنا ثابت ہوا اور مقتدی کا بالجہر تو ایسا
کوئی قول موجود نہیں۔

آمین قرآن میں سے نہیں ہے

آمین الفاظ من القرآن نہیں ہے جیسے کہ بسم اللہ قرآن مجید سے ہے اور اسی وجہ سے یہ مصاحف میں نہیں لکھی
جاتی لہٰذا ما بین دفتی القرآن لیس بموجود بل یقرأ فقط" یعنی آمین کسی جگہ قرآن میں لکھی ہوئی نہیں
ہے صرف پڑھی جاتی ہے۔

ابتداء تلاوت قرآن کیسے کی جائے؟

تلاوت قرآن پاک اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم سے ہوتی ہے یاد رہے کہ اعوذ باللہ من
الشیطن الرجیم قرآن میں سے نہیں ہے لیکن تلاوت قرآن مجید سے پہلے پڑھنے کا فرمان قرآن مجید میں ہے۔

فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم ○

پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو پناہ طلب کیا کریں اللہ کی شیطان سے جو راندۂ درگاہ
ہے۔ (سورۃ نحل ۹۸)

فاذا قرأت کا مطلب یہ ہے کہ فاذا اردت ان تقرء القرآن ○

"یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے۔"

کیونکہ عربی میں ارادہ فعل پر فعل کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے

اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ ای اذا اردتم الی الصلٰوۃ (مائدہ: ۶)

جب تم نماز کے لیے قیام کرو یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو۔

چنانچہ حدیث مبارک ہے کہ۔

اذا صلیتم علی الجنازۃ فاخلصوا لہ الدعاء ای اذا اردتم ۔ (مشکوٰۃ)

جب تم نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کرو تو خلوص سے میت کیلئے دعا کرو۔

بدعتی لوگ استدلال کرتے ہیں کہ جب فارغ ہوں نماز جنازہ سے تو اخلاص سے دعا کرتے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ اگر آپ کا استدلال صحیح ہے تو پھر تم مذکورہ بالا کے تحت قرأت قرآن سے فارغ ہو کر پھر تعوذ پڑھا کریں اور نماز پڑھ کر پھر وضو کیا کریں حالانکہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ یہ لوگ دراصل قرآن و حدیث کے ذوق کو نہیں سمجھتے

تعوذ کے لیے مناسب الفاظ کون سے ہیں؟

تعوذ کے لیے مختار قول امام ابو حنیفہؒ کا راجح ہے۔ چونکہ یہ قرآنی آیت ہے کہ فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ اسی کو اختیار کیا ہے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ امام مالکؒ اور جمہور امت نے بھی۔ امام احمدؒ منقول فرماتے ہیں کہ الفاظ یہ ہیں اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ان اللہ ھو السمیع العلیم۝

دراصل امام احمد بن حنبلؒ دو آیات کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۝

اس آیت کا ترجمہ قریب ہی گزر چکا ہے۔

(۲) واما ینزغنک من الشیطٰن نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم۝

اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (سورۃ حم سجدہ: ۳۶) اور بعض ائمہ روایات کو جمع کرتے ہوئے تعوذ کے لیے یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں۔

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم۝

البتہ مشہور و معمول وہ الفاظ ہیں جو شروع میں ذکر کیے گئے ہیں۔

تشریح اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

تعوذ کا معنی:

لغۃً تعوذ کا معنی ہے کسی کی پناہ میں آ جانا۔ اصطلاح شریعت میں یہ بولا جاتا ہے بمعنی التجاء الی اللہ والتصق بہ یعنی

ہے رحیم کی بہ نسبت۔

الرحمة رقة القلب المقتضي للتفضل والاحسان

دل کا ایسا نرم ہونا جو فضل اور احسان کرنے کا تقاضا کرے۔

صفت الرحمٰن کو الرحیم پر کیوں مقدم کیا گیا؟

وجہ اول:

رحمٰن اقرب الی اللہ ہے اس لیے کہ یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے نہیں بولا جاتا۔

وجہ دوم:

رحمٰن فی الدنیا و رحیم فی الآخرۃ ہے تو دنیا میں رحمت کے آثار قریب ہیں اس لیے الرحمٰن کو مقدم کیا۔

مبالغہ دو قسم پر ہے۔

۱۔ مبالغہ فی الکم ۲۔ مبالغہ فی الکیف

مبالغہ فی الکم ای فی العدد ہذا رحمٰن یعنی زیادہ لوگوں پر رحم کرنا یا مبالغہ فی الکیف ہے لہذا رحمٰن یعنی کیفیت میں بڑے بڑے انعامات دینا اور رحیم یعنی کیفیت میں زیادہ انعام دینا۔

ہذا الرحمٰن فی الدنیا و رحیم فی الآخرۃ۔

ہذا دنیا میں اللہ کا رحم و اللہ تعالیٰ کی عطایا اس کی صفت رحمٰن کا تقاضا ہے اور آخرت میں اس کا رحم اور عطایا اس کی صفت رحیم کا تقاضا ہے۔

تسمیہ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں؟

قراء مدینہ، قراء بصرہ، قراء کوفہ، فقہائے مدینہ اور فقہائے کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ جزو من السورۃ نہیں ہے اور یہی مذہب ہے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا لیکن امام مالکؒ کا قول ہے کہ یہ تسمیہ قرآن میں سے نہیں ہے بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے لیکن یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب واضح ہے کہ تسمیہ آیت من القرآن ہے اور یہ نازل کی گئی ہے للفصل بین السورتین و نزل ما اشکو بہ۔

بسم اللہ کو نازل ہوئی ہے دو سورتوں کے درمیان فصل کے لیے اتاری گئی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ابوداؤد شریف کی روایت ہے جو اس کے بعد لکھا ہے۔

صحیح علی شرط الشیخین عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف الفصل بین السورتین حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (الحدیث)

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو سورتوں کے درمیان جدائی نہیں کر پاتے تھے یہاں تک کہ آپ پر بسم اللہ نازل ہوتی۔ امام حاکمؒ نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا یہ روایت شیخین کی شرط پر ہے۔

یاد رہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم جو سورۃ نمل میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ہے انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ الا تعلوا علی واتونی مسلمین ○ اختلاف صرف اوائل سورۃ کی تسمیہ کے بارے میں ہے۔

پیغمبروں کے خطوط طویل نہیں ہوتے تھے:

جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مختصر خط تحریر فرمایا کرتے تھے، جیسے ہرقل وغیرہ کے نام تھا۔ لیکن مرزا قادیانی ملعون نے ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا تو وہ مکمل کتاب تھا۔ یہ اس کے کاذب ہونے کی دلیل ہے۔

سورتوں کے شروع میں تسمیہ کا منکر کافر نہیں:

سورتوں کے شروع میں جو تسمیہ ہے اس میں مجتہدین کا اختلاف ہے اور ہر ایک مجتہد حق پر ہے۔

جزء تسمیہ من الفاتحہ میں تفصیل مذاہب:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ قراء مدینہ، بصرہ اور کوفہ وغیرہ اور امام مالکؒ و امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ قرآن ہی میں سے نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ آیت ہے اور بار بار نازل ہوئی ہے، دو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے یہ نازل ہوئی ہے۔ یہ جزء من الفاتحہ یا کسی اور سورت کا بھی جزء نہیں ہے۔ یہ اختلاف اس تسمیہ کے بارے میں ہے جو اوائل سورہ میں موجود ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی جو تسمیہ اوائل سورہ میں ہے وہ ہر سورت کا جزء ہے۔

سورۃ البراءۃ میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی؟

اس کی وجہ بہت سے صحابہؓ سے منقول ہے کہ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ کے مضامین ایک طرح کے تھے اور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے ساتھ دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا، یہاں تک کہ آپ وفات پاگئے۔ لہٰذا اس میں شبہ ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ہیں یا الگ الگ سورتیں ہیں، لہٰذا ان کے درمیان تسمیہ نہیں لکھا گیا اور فاصلے کے لیے ایک لکیر ڈال دی گئی کیونکہ یہ امر مشتبہ تھا۔

امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ کی دلیل

دلیل اول:

امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے:

قال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلف ابی بکر و خلف عمر فلم یجہر احد منہم بسم اللہ الرحمن الرحیم

انہوں نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو ان میں سے کسی نے بھی بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔

اس سے یہ استدلال ہوتا ہے اگر یہ جزو من القرآن ہوتا تو اس کا حکم بھی فاتحہ کی طرح ہوتا، لیکن یہ بات عجیب ہے کہ فاتحہ جہراً پڑھی لیکن تسمیہ نہ پڑھی۔

دلیل ثانی:

گزشتہ صفحات میں ایک روایت ذکر کی گئی جو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے اس میں فاتحہ کے بندہ اور خدا کے درمیان تقسیم کا ذکر تھا۔ وہاں بھی تسمیہ کا ذکر نہ تھا۔ اگر تسمیہ فاتحہ کا جزو ہوتا تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا کہ اس کی تقسیم کس طرح ہے۔

دلیل ثالث:

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ

عن عبداللہ بن مغفل قال سمعنی ابی و انا فی الصلوٰۃ اقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ رب العلمین (یعنی بسم اللہ جہراً پڑھا) فقال ابی یا بنی ایاک و الحدیث

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے منقول ہے کہ میرے والد نے مجھ کو سنا کہ میں نماز میں الحمدللہ پڑھنے سے قبل بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھتا ہوں تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے بیٹے! اس نئی بدعت سے اپنے آپ کو بچائے رکھو (یعنی آئندہ اونچی آواز سے بسم اللہ نہ پڑھنا)۔

فلسفیانہ مسائل کا قرآن سے اسلام پر ضرب نہیں لگی، بلکہ یونانیوں کی غلطیاں ختم ہوگئیں۔

چاند پر جانے سے معراج بھی تسلیم ہوگئی:

اب جو اکثیرہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اس کے منکرین چودہ سو سال سے موجود تھے، لیکن آج سائنس کے اس کارنامہ کی وجہ سے ہم جیت گئے۔ ہم نے کہا تھا کہ نبی علیہ السلام آسمانوں پر تشریف لے گئے ہیں، لیکن آج تک ایک طبقہ انکار کر رہا تھا۔ وہ بھی آج شرمندہ ہیں۔

چاند پر جانے سے اسلام پر نہیں یونانی حکمت پر ضرب لگی ہے:

آج ہم جیت گئے، اسلام جیت گیا۔ ہمیں خوشی ہونی چاہیے تھی، مگر الٹا ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام پر ضرب لگ گئی۔ یہ شکست اسلام کی نہیں، اس یونانی حکمت کی ہے جس یونانی حکمت کو ایک طبقہ اسلام سمجھ بیٹھا تھا، حالانکہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

رب العالمین:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اللہ اسم ذات ہے۔ اب یہاں سے ان کے اوصاف اربعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۲) الرَّحْمٰنِ (۳) الرَّحِیْمِ (۴) مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ

تحقیق لفظ رب:

لفظ رب اگر مطلق ذکر کیا جائے تو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، لیکن اگر اسے کسی اور اسم کی طرف مضاف کر دیا جائے تو اس کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ کما قال رب الدار (گھر کا مالک)، جیسے باپ مضاف صورت میں رب المال کہا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ یوسف میں فرمایا

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ الخ ۝

ترجمہ: پھر جب آیا ان کے پاس شاہی فرستادہ تو یوسف نے اس سے کہا کہ لوٹ جا اپنے بادشاہ کے پاس۔ (سورۃ یوسف: ۵۰)

تحقیق لفظ عالم:

العالم ما سوی الله تعالی من الموجودات چونکہ عَلَم سے ہے یعنی وجود الصانع کی علامت، اس کے وجود سے صانع پر دلالت ہوتی ہے ای علم علی صانعہ و خالقہ ۝

ربوبیت عامہ ہے، لیکن نظر سطحی سے اور اگر غور و تحقیق سے دیکھا جائے تو یہ ربوبیت عامہ نہیں بلکہ خاص ہے۔ کیونکہ ربوبیت عامہ میں شرط ہے کہ دوامی علی الدوام ہو جیسے کواکب و شمس و قمر جب غروب ہو جاتے ہیں تو ان کی ربوبیت ختم ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم پر حجت قائم کرنا چاہی تو فرمایا:

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَأَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّيْنَ ۝

ترجمہ: پھر جب اس نے دیکھا چاند چمکتا ہوا تو کہا یہی میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا کہ اگر نہ ہدایت کی ہوتی مجھے میرے رب نے تو میں ہو گیا ہوتا گمراہ لوگوں میں سے۔ (سورۃ انعام ۷۷)

اسی طرح

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَا أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

پھر جب اس نے دیکھا سورج چمکتا ہوا تو بولا یہی میرا رب ہے۔ یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولا کہ اے میری قوم میں تو بیزار ہوں ان سے جنہیں تم اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو۔ (سورۃ انعام ۷۸)

یعنی جب وہ غروب ہوا تو پھر انکار کر دیا۔ ان سب چیزوں کو مسترد کرنے کی وجہ بھی غروب اور عدم ربوبیت علی الدوام ہے۔

ربوبیت سبب ہے معبودیت کا:

جب اللہ ہی رب ہے تو ربوبیت ہی سبب معبودیت ہے۔ اسی لئے اب اللہ کی عبادت کا ذکر فرمایا کہ وہ عبادت کے لائق ہے۔

تحقیق عبادت:

عبادت کے معنی ہیں نہایت تعظیم کرنا۔ انتہائی تعظیم اسی کی ہوتی ہے جس کے احسان بھی انتہائی ہوں اور وہ اللہ ہی ہے۔ یوں تو ہر محسن کی تعظیم ہوتی ہے لیکن اگر محسن کا درجہ کم ہے تو تعظیم بھی کم ہوگی اور تعظیم کی کمی عبادت نہیں ہے۔

افضل عبادت سجدہ ہے۔

انسان کے بدن میں اشرف الاعضاء پیشانی ہے اور زمین سے زیادہ انتہائی پستی کسی میں نہیں ہے۔ عبادت میں اس پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلت کی انتہا تک پہنچا دینا یہی انتہائی تعظیم اور عبادت ہے۔ غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے، کیونکہ انتہائی عبادت انتہائی محسن کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں۔

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام تھا تو آدم کو کیوں سجدہ کرایا گیا:

قیام مطلقاً عبادت نہیں اس میں نیت ضروری ہے، البتہ سجدہ مطلقاً عبادت ہے۔ اس میں نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ باقی آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کرایا گیا تو وہ بحیثیت ادب تھا ورنہ اصل سجدہ خدا تعالیٰ کو تھا۔

ابراہیم علیہ السلام نے شمس و قمر کو ھذا ربی کیوں کہا:

بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے ھذا ربی جو کہا تھا وہ کوئی اعتقادی نہیں تھا، تحقیق کیا یہ رب ہے؟ لیکن تاویل نہ کریں تو اچھا ہے، بلکہ یہ تبلیغ کی ایک طریقہ تعلیم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں بیان فرمایا

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

دعوت دیجیے لوگوں کو اپنے رب کے راستہ (اسلام) کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ (سورۂ نحل ۱۲۵)

اس آیت میں دعوت کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ وہ طریقہ یہ تھا کہ جب دیکھا کہ قوم یہاں موجود ہے تو آنے والوں کے لیے ہمیں بنا کر تعلیم دیتے ہیں۔ آپ نے چاند کو دیکھ کر فرمایا ھذا ربی، لیکن جب وہ چاند غروب ہو گیا تو لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ رب نہیں ہے۔ پھر سورج کو دیکھ کر کہا ھذا ربی۔ پھر وہ بھی غائب ہو گیا تو ہر کسی کی عقل میں بھی بات بیٹھ گئی کہ ان کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ اب موقع تھا کہ قوم کے ذہن کو بدل دیا جائے، لہٰذا فرمایا:

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

میں نے متوجہ کیا اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو سب سے منہ موڑ کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (انعام ۷۹)

یہ تعلیم دینے کا ایک طریقہ تھا، ورنہ لفظ ھذا ربی جو کہا ہے، وہ صرف تعلیم دینے کے لیے کہا تھا۔ یہاں مجاز، استفہام پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے ربوبیت کا ذکر کس طرح کیا؟

موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے پاس گئے تو فرعون نے پوچھا:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

فرعون بولا اور رب العالمین کیا ہے؟

تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا (الآیہ)

فرمایا پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے۔ (شعراء، ۲۴)

لیکن فرعون اس جواب سے خوش نہ ہوا اور کہا:

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝

فرعون بولا بیشک تمہارا رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف وہ تو دیوانہ ہے۔ (شعراء، ۲۷)

یہاں فرعون نے پوچھا تھا وما رب العالمین اور "ماھو" سے ذاتیات کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے یعنی سوال عن حقیقۃ الشئ ہے لیکن جواب میں اللہ کے اوصاف ذکر کیے گئے کیونکہ اللہ کی حقیقت معلوم نہیں لا یحد ولا یتصور (نہ اس کی حد ہے، نہ وہ تصور میں آسکتا ہے) پھر دوبارہ پوچھا تو فرمایا:

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝

فرمایا پروردگار تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا۔ (شعراء، ۲۶)

پھر سہ بارہ پوچھا تو فرمایا:

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا (الآیہ)

فرمایا پروردگار مشرق اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے۔ (شعراء، ۲۸)

ربوبیت زمانی و مکانی و وضعی:

ایک ربوبیت فی کل مکان ہے ابتداء اس کا ذکر فرمایا:

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا

کہ ہر مکان کا رب ہے اور دوسری آیت میں ربوبیت فی کل زمان کا ذکر فرمایا:

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (الآیہ)

اور ربوبیت جمیع کے اوضاع کا ذکر فرمایا "رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا"

یہاں زمین ومکان ووضع کی تعمیم مقصود تھی تو یہاں تین تعمیمات سے جواب دیا اور ثابت کردیا کہ ربوبیت الٰہی عامہ ہے اور اس کے مقابل میں فرعون کی ربوبیت قاصر فی المکان ہے کہ اس کی ربوبیت صرف حدود مملکت کے لیے ہے اور ربوبیت زمانی ووضعی میں بھی محدود ہے۔ اس طرح یہ ثابت کردیا کہ فرعون کا کہنا غلط ہے۔ صرف اللہ ہی رب العالمین ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اور وہی اللہ روز جزا کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اختصاص صرف یوم الدین کے ساتھ کیوں؟

یہاں یوم الدین کا اختصاص اس لیے ذکر کیا کہ یوم الدین کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہے، اگرچہ دنیا میں بظاہر بہت سے لوگ ملکیت کا دعوے کرتے ہیں کہ فلاں فلاں ملک فلاں۔ یہ صرف یہاں کے مالک ہیں، آخرت کے نہیں۔

غیر اللہ کو شہنشاہ کہنا کیسا ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی کو ملک الملوک یعنی بادشاہوں کا بادشاہ نہ کہو اور لفظ شہنشاہ یعنی شاہ شاہاں کہنا بھی اسی حکم میں شامل ہے لہٰذا یہ صراحۃً ممنوع ہے۔ بلکہ یہ لفظ صرف اللہ کے لیے مختص ہے۔ چنانچہ فرمایا

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

کس کی حکومت ہے آج؟ خدا ہی کی جو اکیلا ہے بڑا داب والا۔ (سورہ مومن ۱۶)

مٰلِكِ

اس لفظ کو امام قراءت نافع ملک بلا الف پڑھتے ہیں اور امام عاصم کوفی مالک میم کے اوپر کھڑی زبر پڑھتے تھے۔

مالک اور ملک میں کیا فرق ہے؟

مالک اسم فاعل کا صیغہ ہے یہ عام طور پر ملک سے استعمال ہوتا ہے اور ملک صفت ہے اس کا مصدر ملک ہے یعنی بادشاہی۔ آخرت میں ملک بھی اور مالک بھی اللہ ہے، لہٰذا دونوں صحیح ہیں۔ خدا مالک بھی ہے اور اس کی ربوبیت بھی عامہ ہے زمان ومکان اور وضع میں تو عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔

اقسام عبادت:

عبادت دو قسم کی ہے جلالی وجمالی۔

عبادت جمالی:

اگر عبادت بوجہ محبت ہو یعنی جب عبادت محبت ہو تو اس کو عبادت جمالی کہتے ہیں، جیسے حج کی عبادت۔ اس میں محبت کے سوا اور کیا چیز ہے؟ اسی طرح صوم بھی عبادت جمالی ہے کہ محبوب کے کہنے پر نہ تو کھانا پینا اور جماع کو چھوڑ کر یہ تمام علائق ہو جاتے ہیں۔ زن و زر یہ تمام صاحب حق تو ہیں اور خدا سے روکنے والی چیزیں ہیں۔

تفصیل جمال و کمال:

محب پر محبوب کا ایک حق ہوتا ہے اور محب محبوب کا پر تو ہوتا ہے۔ صوم رمضان بھی عبادت جمالی ہے کہ علائق دنیا سے کلیۃً لاتعلق ہو گئے۔

محبوب بھی نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔ محب نے بھی یہ سب کچھ کیا۔ پھر محب کی طبیعت محبوب کے گھر جانے کی طرف مائل ہوئی تو ایک لمبا سفر، جزیرہ، دشت و دریا کاٹ کر کے جاتے ہیں:

وعدہ وصل چوں شود نزدیک
آتش عشق تیز تر گردد

جیسے جیسے ملاقات کا وقت قریب آتا جاتا ہے تو عشق و محبت کی آگ بھی تیز ہوتی جا رہی ہے۔

پھر سلے ہوئے کپڑے اتار دیتے ہیں اور چادریں جو میت کے کفن سے مشابہ ہوتی ہیں، پہن لیتے ہیں۔ گویا اب محبوب کے لیے زندگی سے بھی لاتعلق ہو گئے اور پھر لبیک کہہ کر تمام توجہات محبوب کی طرف کر لیتا ہے۔ جب بیت اللہ کا دیدار کرتا ہے تو وصال کی خوشی برداشت نہ کرتے ہوئے بلبلاتا ہے، تلملا اٹھتا ہے اور مسجد حرام میں جا کر محبوب کے گھر کے ارد گرد متحیر ہو کر پھرتا ہے۔ کما قال الشاعر

امر علی الدیار دیار لیلیٰ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اقبل ذا الجدار و ذا الجدار
فما حب الدیار شغفن قلبی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ و لکن حب من سکن الدیار

میں جب لیلیٰ کے مکانوں کے قریب سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔ میری محبت کا یہ حال ان مکانوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان مکانوں میں رہنے والوں کی محبت ہے۔

حج دیوانگی سے قبول ہوتا ہے فرزانگی سے نہیں:

حج دیوانگی سے قبول ہوتا ہے فرزانگی سے نہیں۔ حج میں انسان تلاش کرتا ہے کہ محبوب کہاں ہے؟ حج کی عبادت میں محبت ہی محبت ہے اور محبت پیدا ہوتی ہے کمال سے یا احسان سے اور اس کے لیے عبادات جمالی ہیں۔

عبادت کرتے ہیں تو یہ اس معنی میں عبادت مقصود ہے اور وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں حصر فی الاستعانت مراد ہے۔

اقسامِ عبادت:

انسان کے ہر عضو کی عبادت ہوتی ہے، کبھی تو زبان سے جیسے تسبیح اور کلمات الخیر اور کبھی آنکھ سے جیسے نظر فی قدرت اللہ جیسے فرمایا۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ الآیۃ

کیا پس یہ دیکھتے نہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا؟ (سورۃ غاشیہ ۱۷)

کہ دیکھنے سے آپ کو سبق ملے گا۔ اسی طرح عبادتِ اُذن کلام اللہ کا سننا ہے، ہاتھوں اور پاؤں کی عبادت جہاد میں جانا، مسجد کی طرف جانا اور ہاتھ سے قرآن کی تفسیر لکھنی وغیرہ۔

الغرض تمام قویٰ ظاہری و باطنی کو اللہ کی رضا میں استعمال کریں تو یہ عبادت ہے۔

فرقِ قدریہ و جبریہ اور مسلک اہلسنت والجماعت:

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے رد ہے دو فرقوں جبریہ اور قدریہ پر۔

جبریہ فرقہ جو انسان کو مجبورِ محض کہتا ہے۔ ان کے نزدیک انسان ایسا مجبور ہے کہ وہ خود کوئی حرکت نہیں کرتا جب تک کہ دوسرا حرکت نہ دے۔

قدریہ وہ فرقہ ہے کہ ان کے نزدیک انسان اپنے افعال خود کرتا ہے اور ان پر قادر ہے۔ وہ اپنے افعال کا خالق بھی ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ان کے درمیان میں ہے اور افراط و تفریط سے پاک ہے کہ انسان کو ایک حد تک اختیار ہے۔ جبریہ کے عقیدہ کے مطابق انسان عبادات کے ساتھ مکلف نہیں ہوگا کیونکہ مکلف و تکلیف اسی جاتی ہے امورِ اختیاریہ میں، لیکن امورِ اضطراریہ میں تکلیف دینا ممکن نہیں۔ جیسے کہ مرض الرعشہ یعنی جب آدمی پر رعشہ طاری ہو جائے اور اس کے ہاتھ ہر وقت ہلتے ہیں۔ اب کسی کو یہ کہا جائے کہ ہاتھ ہلا دیا ہے تو سزا دو، دونوں باتیں بیکار ہیں۔ اسی طرح جبریہ کا جب یہ عقیدہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے تو پھر ان کو احکام کا پابند کرنا اور منہیات سے روکنا بے معنی ہے۔ ان کا عقیدہ اختیاری عمل کو رد کرتا ہے۔ ان کے عقیدے سے انسان سے امورِ تکلیفیہ سلب ہو جاتے ہیں البتہ جبریہ کی بات نعبد سے تردید کی گئی ہے کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جبریہ سے سوال کریں کہ عبادت کرنے کا کیا فائدہ جب ثواب نہیں۔ معلوم ہوا کہ جبریہ کا عقیدہ باطل ہے۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق انسان ایسا با اختیار بھی نہیں کہ خود ہی قادر بن جائے۔ لہٰذا ہم اپنے اختیار کے ساتھ عبادت کرتے ہیں۔

سوم:

اهدنا الصراط المستقیم ای الطریق العامرون ؟

(محفوظ راستہ) یعنی چور ڈاکو اور راہزن نہیں ہیں۔ درندے وغیرہ نہیں ہیں۔ اب یہاں گذشتہ اشکال کہ مومن پہلے ہی سیدھے راستہ پر ہے پھر یہ صراط مستقیم کیوں مانگتا ہے۔ اس کا جواب بھی ہو گیا کہ اگر وہ صراط مستقیم یعنی چھوٹے راستہ پر ہے تو صاف راستہ مانگ رہا ہے اگر صاف راستہ پر ہے تو محفوظ راستہ مانگ رہا ہے۔ لہٰذا تحصیل حاصل نہ ہوا اور یہاں صراط مستقیم دنیوی مراد ہے اخروی مراد نہیں۔ کیونکہ اس کے بارے میں یہ تفصیل نہیں ہے وہاں در بند ہوگا یا کھلا ہوگا۔

استقامت کی تفصیل:

استقامت تین چیزوں میں ہے (۱) فی الاقوال (۲) فی الافعال (۳) فی الاحوال۔

ایک آدمی کو ایک اعتبار سے تو استقامت حاصل ہے یعنی اقوال میں، لیکن اپنے افعال میں کچھ کمزور ہے تو اس کی طلب کر رہا ہے اگر اس میں بھی ٹھیک ہے تو فی الاحوال کی طلب کر رہا ہے، لہٰذا تحصیل حاصل نہ ہوا۔

اصل استقامت کیا ہے؟

الاعتدال بین الافراط و التفریط ○

ایسا اعتدال اور میانہ روی کہ اس میں حد سے بڑھنا بھی نہ ہو اور گھٹنا بھی نہ ہو، یہی خاصہ ہے دین اسلام کا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں تین قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ (۱) قوت عقلیہ (۲) قوت شہویہ (چاہتوں والی قوت) (۳) قوت غضبیہ (دفاعی قوت) قوت عقلیہ کے ذریعہ انسان چیزوں کی حکمتیں معلوم کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ غور و فکر کی دعوت دی ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝

کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا؟ (سورہ غاشیہ)

لیکن اگر کوئی شخص رات دن فلسفہ سوچتا رہے اور تمام چیزوں کو بھول جائے تو یہ ناجائز ہوگا۔

(۲) اسی طرح قوت شہویہ کا استعمال جائز طریقے سے ہو تو ٹھیک ہے اور اگر کوئی اپنی چاہتوں کو پورا کرنے کے لیے جائز و ناجائز کی تمیز و تفریق نہ کرے تو یہ بھی استقامت کے خلاف افراط و تفریط ہوں۔

(۳) اسی طرح اگر کوئی شخص ہر وقت غصہ میں مشتعل رہتا ہے اور جلدی سے کوئی بھی قدم اٹھاتا ہے تو یہ تہور ہے۔ یہ منع ہے اور اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کو کبھی غصہ ہی نہیں آتا تو یہ جبن یعنی بزدلی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بزدلی سے اللہ کی پناہ مانگی ہے فرمایا:

اللھم انی اعوذبک من الجبن ○

"اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں بزدلی سے۔"

الغرض قوت غضبیہ کے استعمال کے یہ دونوں طریقے افراط و تفریط پر مبنی اور استقامت و اعتدال کے خلاف ہیں۔ اعتدال یہ ہے کہ قوت غضبیہ کا استعمال انسان سوچ سمجھ کر کرے۔

عبادات میں اعتدال کا حکم:

حضرت عبداللہ بن عمرو نوجوان تھے۔ ان کے والد حضرت عمرو بن عاص بہت ماہر سیاست دان تھے۔ تمام عرب پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ کو بھی ان کی وجہ سے کامیابی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی کرا دی۔ کئی راتوں کے بعد بہو سے پوچھا کہ آپ نے میرے بیٹے کو کیسے پایا۔ وہ کہنے لگی رات کو نوافل میں قرآن کریم پڑھتا ہے۔ دن کو روزہ رکھتا ہے۔ بڑا نیک ہے تو حضرت عمرو سمجھ گئے کہ بیوی کی حق تلفی ہو رہی

ہے۔ کسی ذریعہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ کو بلوا کر پوچھا کہ کتنا پڑھتے ہو تو کہنے لگے سارا قرآن، تو حضورؐ نے سمجھا بجھا کر بڑی مشکل سے ایک رات میں ایک منزل پر راضی کر لیا کہ سات راتوں میں قرآن کریم مکمل ہوا کرے گا اور روزوں کے متعلق فرمایا کہ مہینے میں تین روزے رکھو۔

فقال انی اطیق اکثر من ذالک

یعنی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن بغیر روزہ کے رہو یعنی صوم داؤدی پر راضی کر لیا تو استقامت و اعتدال کے پیش نظر عبداللہؓ کو عبادت چھوڑنے پر مجبور فرمایا۔ ان کی قبر قاہرہ میں ہے، میں نے زیارت کی ہے۔ جب یہ ضعیف ہو گئے تو فرماتے کہ حضورؐ کا مشورہ قبول کر لیتا تو اچھا تھا۔ کیونکہ اب وہ نصاب پورا کرنے کی طاقت نہیں رہی۔ عبادت اگرچہ کم نہیں کی، لیکن مشورہ قبول کرنے کی تمنا فرمائی۔ لہٰذا ایسے اعمال شروع جو انسانی طاقت سے باہر ہوں، یہ بھی استقامت کے خلاف ہے۔ لہٰذا صراط مستقیم سے مراد استقامت ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

رجال کار کا حجت ہونا:

یہاں صراط مستقیم کا تعارف کرایا گیا رجال کار سے، گویا اصلاح کے لئے نظریاتی طور پر رجال کار درکار ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخصیت پرستی ہے اور صحابہ کرام کے اقوال کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو بطور حجت تسلیم نہیں کرتے۔ رجال کار کو درمیان سے نکال لینے کے بعد کوئی کام نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا یہاں صراط مستقیم قرآن وحدیث کو نہیں کہا بلکہ بتایا گیا کہ اگر صراط مستقیم درکار ہے تو اس سے پہلے رجال کار تلاش کرو۔

منعمین کون ہیں؟

چنانچہ القرآن یفسر بعضہ بعضا

یعنی قرآن کریم ہی کے بعض حصے دوسرے بعض حصوں کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں تو یہ منعمین یعنی انعام یافتہ لوگ ہمیں قرآن ہی میں مل گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ

وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ (سورۃ نساء/۶۹)

اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیک بختوں میں سے اور بہت اچھی ہے ان کی رفاقت۔

تعارف نبی:

النبی انسان بعثه الله تعالٰی لتبلیغ احکامه

یعنی نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام لوگوں تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا ہو۔ نبی کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ محفوظ ہوتا ہے۔ من الخطاء و المعاصی ۞ (غلطی اور گناہوں سے) چنانچہ جن احادیث و آیات میں پیغمبروں کی کچھ خطاؤں کا ذکر ہے۔ محدثین، مفسرین نے ان کی اطمینان بخش تاویلات کی ہیں کہ اصل میں وہ گناہ نہیں ہوتا، بلکہ خلاف اولیٰ بات ہوتی ہے جس پر

حسنات الابرار سیئات المقربین ۞

کے اصول کے تحت گناہ کا اطلاق لفظاً کیا گیا ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم و محفوظ ہیں تو ان کا راستہ انعام والا راستہ ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام سے متعلق مودودی صاحب کا قول:

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی انبیاء علیہم السلام کے متعلق لکھتے ہیں:

"بسا اوقات اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے حفاظت اٹھا کر گناہ کرا دیتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بشر ہیں، خدا نہیں ہیں۔ گویا خدا اپنی خدائی کو بچانے کے لیے ان سے غلطی کراتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان میں بھی کمزوریاں ہیں۔ یہ خدا نہیں ہیں"۔

لیکن پیغمبروں کو خدا سے الگ کرنے کے لیے یہ دلیل بہت ہی کمزور ہے۔ انبیاء کو اللہ تعالیٰ سے الگ ثابت کرنے کے لیے اور بہت سے دلائل موجود ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝

وہ کہتے ہیں کہ کیا ہوا اس رسول کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں۔ کیوں نہ اتارا گیا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ وہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے والا۔ (سورۃ فرقان/۷)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم صدیقہ کے متعلق ارشاد ہے:

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ

نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول۔ تحقیق گزر چکے ہیں اس سے پہلے بہت رسول اور ان کی والدہ حق کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ دونوں کھاتے تھے کھانا۔ (سورہ مائدہ ۷۵)

حضرات انبیاء علیہم السلام جب کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے تو الوہیت کی نفی کے لیے یہی چیزیں کافی ہیں۔ پھر خود قرآن کا ارشاد ہے کہ لم یلد ولم یولد یعنی نہ اللہ تعالیٰ سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ہاں تو والد و تناسل کا سلسلہ جاری رہتا تھا لہٰذا وہ خدا نہیں ہو سکتے۔ الوہیت کی نفی کے لیے یہ باتیں کافی شافی ہیں اور پیغمبروں کی غلطیوں کا جواز پیدا کرنا کسی طرح درست نہیں ہے ورنہ پورے دین پر سے اعتماد اٹھ جائے گا اور ہر کس و ناکس نبی کی غلطی کو اپنے لیے سہارا بنانے لگے گا۔ اگر کوئی خطاء ہوئی ہے تو اجتہادی خطا ہوئی ہے جس میں گناہ نہیں ہوتا۔ جیسے اساری بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو حضور پاک کو بتلا دیا گیا کہ منشاء خداوندی کے خلاف ہوا ہے تاکہ آپ پر اعتماد قائم رہے۔

انبیاء علیہم السلام کا استغفار کرنا:

رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار فرماتے تھے جیسا کہ کئی احادیث سے ثابت ہے تو استغفار ہمیشہ گناہ کا نتیجہ نہیں ہوا کرتا، بلکہ رفع درجات اور اظہار بندگی کے لیے بھی ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے:

"اللھم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق و المغرب" (مشکوۃ)

اے اللہ مجھ میں اور گناہوں وخطاؤں میں اتنا فاصلہ رکھئے جیسا کہ آپ نے مشرق و مغرب میں فاصلہ رکھا ہے۔

بہرحال حضرات انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے معصوم و محفوظ فرمایا ہے نیز حسنات الابرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کی خوبیاں مقربین لوگوں کی خامیاں ہیں) کے اصول کے پیش نظر استغفار غیر اولیٰ بات کی وجہ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

تعارف صدیقین:

یہ وہ جماعت ہے کہ ان کے پاس فطری قوت ایسی ہوتی ہے جیسے انبیاء کی ہوتی ہے کہ طبعاً گناہوں سے بچے رہتے ہیں جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل بھی عبادت اصنام سے بچے رہے تھے۔ ایسے ہی انبیاء علیہم السلام نبوت ملنے سے پہلے طبعاً گناہوں سے بچے رہتے ہیں تو صدیق اگرچہ معصوم تو نہیں ہوتے لیکن قوت فطری ان

کی بہت قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کا مزاج بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شریف جیسا تھا۔ مثلاً حضرت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آئے اور نزول وحی کی ابتداء ہوئی۔ آپ نے گھر میں آ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ لقد خشیت علی نفسی مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہوا ہے، تو حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کلا لا یخزیک اللہ الخ اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ لوٹ سے نکل کر باہر جانے لگے تو ابن الدغنہ نے آپ کے وہی خصائل بیان کیے جو حضرت خدیجہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے تھے۔ گویا صدیق اکبرؓ میں وہی خصائل تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے اور صدیق اکبرؓ کا وہی مزاج تھا جو نبی کا تھا۔ یہ صدیق قیامت تک ہوں گے۔ بہت سے صحابہؓ اپنی فطری قوت کی وجہ سے اصنام پرستی سے بچ گئے۔ جیسے حضرت علیؓ وغیرہ۔

تعارف شہداء:

ان حضرات کی قوت عملیہ مضبوط ہوتی ہے۔ یہ لوگ دین اسلام کی سربلندی کے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

تعارف صالحین:

ان کی نظری و عملی دونوں قوتیں مضبوط ہوتی ہیں اور یہ دین کی اتباع کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ چاروں مصداق ہوئے منعم علیہم اور انعام یافتہ لوگوں کے۔ حقیقت میں یہی لوگ انعام یافتہ ہیں۔ یہود و نصاریٰ نے اگرچہ اس طرح بہت سے دعوے کیے لیکن ان کی بہت صرف دعوے کی حد تک تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے دین کے ساتھ نصرانیوں نے اور حضرت عیسیٰ کے دین کے ساتھ یہودیوں نے جو کچھ کیا کسی سے مخفی نہیں۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

مغضوب علیہم اور ضالین کو خارج کر دیا اس طور پر کہ یہ معطوف علیہ کا بدل ہے الذین انعمت علیہم سے انعام یافتہ لوگ نہ تو مغضوب علیہم ہیں اور نہ ہی ضالین یعنی گمراہ ہیں۔ بعض لوگ اس کا ترجمہ کرتے ہیں راستہ ان لوگوں کا جو مغضوب علیہم ہیں اور گمراہ ہیں، لیکن یہ ترجمہ غلط ہے۔ کیونکہ اس سے جو مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے: "راستہ ان لوگوں کا کہ انعام کیا تو نے ان پر کہ نہ وہ مغضوب علیہم ہیں اور نہ گمراہ ہیں۔"

مغضوب علیہم اور ضالین کا مصداق

مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ آج کل کے علماء سوء بھی مغضوب علیہم میں شامل ہیں، کیونکہ علماء سوء یہود میں یہ چند خصلتیں تھیں

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ/۱۴۶)

وہ لوگ جنہیں دی تھی ہم نے کتاب وہ اس رسول کو پہچانتے ہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بیشک کچھ لوگ ان میں سے چھپاتے ہیں حق بات کو، حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حق کو جانتے ہوئے غلط فتوے دیتے تھے اور حق بات کو چھپا لیتے تھے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ

اور خوب جانتے تھے کہ جس نے مول لیا وہ (جادو) نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ۔ (سورۂ بقرہ/۱۰۲)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور نہ ملاؤ سچ میں جھوٹ اور نہ چھپاؤ سچی بات جان بوجھ کر جبکہ تم جانتے ہو۔ (سورۂ بقرہ/۴۲)

معلوم ہوا کہ یہود سچ اور جھوٹ بھی ملاتے تھے اور حق بات کو جان بوجھ کر چھپا لیتے تھے، یعنی یہ خوب جانتے تھے کہ یہ فتوے بیچنا آخرت اور خیر وایمان کے بدلے ہیں۔

آج کل بھی علمائے سوء خیر اور دین کے مخالفوں کے خلاف قرآن وحدیث پڑھ کر لوگوں کو صرف ذاتی مفاد کی خاطر غلط راستوں پر ڈالتے ہیں۔ بہت سے مفتی دارالافتاء کھولے ہوئے ہیں، وہ اس ظالم حاکم کو امیر المومنین (آن جو لوگ باطل حکومت پر قابض تھے) کا لقب دیتے ہیں۔ خدا کے بندو کیا یہ "اولی الامر منکم" کا مصداق ہے اور کیا اسے ولایت عامہ حاصل ہے؟ یہ لوگ یہ کام صرف چند ٹکوں کی خاطر کرتے ہیں، ایمان اور خیر کو بیچ کر دنیا میں ہو کر قرآن وحدیث بیچ دیتے ہیں، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار

ظالموں کی طرف ذرا برابر میلان بھی نہ کرنا، ورنہ آگ تمہیں پکڑ لے گی۔

اللہ تعالیٰ نے تو ادنیٰ میلان کو بھی منع فرمایا ہے، لیکن ان لوگوں کے ایمان کمزور ہیں۔ یہ متشابہات میں سے آیات نکالتے ہیں پھر ان سے غلط مفہوم مراد لیتے ہیں۔ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر ایمان نہیں ہے۔ ان علماء سوء کا کوئی مقام نہیں ہے، لہٰذا جب تم " اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ " پڑھو تو مغضوب علیہم کے مفہوم میں اس زمانے کے ان لوگوں کو بھی شامل کرو۔

سورۃ البقرۃ

آیتیں ۲۸۶ | سورۂ بقرہ مدنی ہے | رکوع ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ جو بن دیکھے ایمان لاتے

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ

ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایمان لاتے ہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

اس پر جو اتارا گیا آپ پر اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ

وہی لوگ اپنے رب کے راستے پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔ بے شک جو لوگ

كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ

انکار کر چکے ہیں برابر ہے انہیں تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ

ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا

عَظِيْمٌ ۝

عذاب ہے۔

افادات محمود:

اس سورۃ میں دو سو چھیاسی ۲۸۶ آیات ہیں، چھ ہزار اکیس ۶۰۲۱ کلمات اور پچیس ہزار پانچ سو ۲۵۵۰۰ حروف ہیں۔ یہ سورۃ مدنی ہے، ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس کی خصوصیت ہے:

اکبر السور فی القرآن البقرۃ و اکثرھا احکاماً

یعنی قرآن کریم کی سورتوں میں سب سے بڑی سورۃ سورۂ بقرہ ہے اور اس میں سب سے زیادہ احکام ہیں۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۂ بقرہ سے پانچ سو (۵۰۰) احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ صرف ایک آیت جو اس سورۃ اور قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت ہے یعنی آیت نمبر ۲۸۲ سے ۱۴۰ احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ اگرچہ مفسرین نے صرف اسی قدر ہی لکھا ہے لیکن قرآن کریم کے لطائف و عجائبات و احکام ختم نہیں ہوتے۔ ممکن ہے کہ بعد میں آنے والے علماء ان سے بھی زیادہ احکام مستنبط فرمادیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ تسمیہ سورۃ بقرہ:

اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس میں بقرہ کا ذکر ہے اور اس کے ذبح کا بھی ذکر ہے۔ پھر اس بقرہ کے گوشت کے ایک ٹکڑے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک مردہ کو زندہ فرمایا۔ اس عجیب قصہ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے۔ بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ سورۃ بقرہ میں قصص و امثال وغیرہ اور بھی بہت ہیں تو پھر خاص بقرہ کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ دوسرے قصص اور واقعات کا ذکر اس بسط و تفصیل کے ساتھ نہیں ہے جس تفصیل سے بقرہ کا قصہ بیان ہوا ہے لہٰذا بقرہ کے ساتھ موسوم کرنا درست ہے۔ بقرہ کا قصہ کسی اور سورۃ میں نہیں ہے۔

سورتوں کی ترتیب:

میں نے یہ بتلا دیا تھا کہ قرآن کریم میں سورتوں کی ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتلائی تھی۔ یہ ترتیب توقیفی ہے اجتہادی نہیں ہے۔ لیکن مفسرین کرام اس ترتیب میں بھی مناسبت پیدا کرنے کے لیے ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن سے سورتوں کے درمیان ربط ثابت ہوتا ہے۔

سورۃ فاتحہ اور بقرہ میں ربط:

(۱) سورۃ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ دعا مانگی گئی تھی اور سورۃ البقرۃ کی شروع کی پانچ آیات هُمُ الْمُفْلِحُونَ تک میں آپ کو بتلایا گیا ہے کہ ہدایت قرآن ہے اور کون لوگ ہیں جنہیں تم نے جو ہدایت والا راستہ مانگا تھا اس پر چلنے کے لیے یہ اوصاف اپنانے ہوں گے۔

(۲) سورۃ فاتحہ میں ایک تو مُؤْمِنِينَ مُنْعَمٌ عَلَيْهِمْ کا ذکر تھا جو انبیاء، شہداء وغیرہ تھے اور دو کافر فرقوں کا بیان تھا۔ (۱) الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ جو یہود ہیں (۲) الضَّالِّينَ جو نصرانی ہیں۔ یہاں سورۃ بقرہ کی ابتداء میں تین فرقوں کا ذکر ہے (۱) مومنین کا ذکر هُمُ الْمُفْلِحُونَ تک (۲) وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ تک دو آیتوں میں

کفار معاندین کا ذکر ہے (۳) پھر دوسرے رکوع کی ابتداء سے آخر تک منافقین کا ذکر ہے۔ یہ بھی کافر ہیں جیسا کہ ارشاد ہے "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ" یہ دو وجوہات ربط کی ہو گئیں۔ گرچہ مفسرین نے دوسری بہت وجوہات بیان کی ہیں۔ لیکن یہ دو کافی ہیں۔

حروف مقطعات کی تحقیق انیق:

سورۃ بقرہ کی ابتداء الٓمّٓ سے کی گئی ہے۔ یہاں ابتداء میں حروف مقطعات کی تشریح مناسب ہے۔ جن سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات ہیں ان کی تعداد ۲۹ ہے۔ حروف مقطعات میں مکررات کو حذف کرنے کے بعد کل چودہ حروف ہیں جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ (۱) الف (۲) لام (۳) میم (۴) ص (۵) را (۶) کاف (۷) ھا (۸) یا (۹) عین (۱۰) طا (۱۱) سین (۱۲) حاء (۱۳) قاف (۱۴) ن جن کا مجموعہ "صراط علی حق نمسکہ"

بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حروف مقطعات کے نزول کا کیا فائدہ؟ جب ان کے معنی و مفہوم متعین نہیں ہیں اور آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ تو جب مفہوم ہی معلوم نہیں تو پھر ہدایت کیسے ہوگی؟

الجواب: ان حروف کے مفاہیم متعین کرنے کے لیے مفسرین حضرات نے بہت سی باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

(۱) سب سے سہل اور مشکلات سے پاک راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے قصور علم و فہم کا اعتراف کر کے ان حروف کی تاویل و مفہوم کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ و ما یعلم تاویلہ الا اللہ یعنی ان متشابہات کی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) .... حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں۔ ان کی مراد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ ارشاد ہے

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(سورۃ آل عمران: ۷)

وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر یہ کتاب جس کی بعض آیتیں محکم ہیں وہ ہیں اصل کتاب اور دوسری متشابہ۔ سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو پیروی کرتے ہیں ان کی جو متشابہ ہیں۔ ان میں سے فتنہ انگیزی کی غرض سے اور ان کی تاویل معلوم کرنے کے لیے۔ اور نہیں جانتا ان کی تاویل کوئی بھی سوائے اللہ کے اور جو لکے ہیں علم میں وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر کہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقل مند لوگ۔

جو لوگ راسخین فی العلم ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان سے جو اللہ کی مراد ہے اس پر ہمارا ایمان ہے، لیکن ان کی تشریح وتاویل وہ نہیں جانتے۔ چونکہ حروف مقطعات متشابہات ہیں، دیگر متشابہات کے متعلق جو حکم ہے وہی ان کے بارے میں ہے۔

(۳) یہ امتحان ہے علماء کے لیے، کیونکہ محققین علماء کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر بات کی تحقیق کرتے ہیں۔ اگر کوئی بات سمجھ نہیں آتی تو راتوں کو جاگ کر لازماً اس کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ گویا یہاں اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جاؤ الم آ گے کتاب پڑھ کر رک جانا چاہیے۔

(۴) وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر وقف کریں والراسخون فی العلم مبتدا ہے اور یقولون آمنا بہ اس کی خبر ہے۔ اس کا سابقہ جملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی اصل طریقہ ہے۔ انسان بڑی سردردی سے بچ جاتا ہے۔ چنانچہ مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں واللہ اعلم بمرادہ بذالک یعنی اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ متشابہ سے اس کی مراد کیا ہے۔

(۵) بہت سے علماء نے تاویلیں کی ہیں۔ وہ مذکورہ بالا آیت میں والراسخون فی العلم کا عطف الا اللہ پر کر کے والراسخون فی العلم پر وقف کرتے ہیں، الا اللہ پر وقف نہیں کرتے اور یقولون آمنا بہ کو خبر بتاتے ہیں مبتدا ئے محذوف کے لیے جو کہ ھم ہے گویا متشابہات کی تاویل کو اللہ تعالیٰ بھی جانتے ہیں اور راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں، لہٰذا وہ کوئی نہ کوئی تاویل کر لیتے ہیں۔

(۶) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ اسرار یعنی راز ہیں اللہ اور اس کے رسول صلعم کے درمیان۔ سر الحبیب مع الحبیب یستوجب ان لا یطلع علیہ الرقیب یعنی ایک محبوب کا دوسرے محبوب کے ساتھ جو راز ہے، اس کا تقاضا بھی ہے کہ اس پر کوئی رقیب اور غماز مطلع نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے منقول ہے کہ لکل کتاب سر و سر القرآن اوائل السور یعنی ہر کتاب کے لیے کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے اور قرآن کریم کا راز سورتوں کے اوائل یعنی حروف مقطعات ہیں۔ لوگوں میں ان کے مفہوم کی اشاعت مقصود ہی نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب یہ سر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تھا اور آپ کو ان کی اطلاع تھی۔ سر یا راز دو اشخاص کے مابین ہوتا ہے تو ایک اللہ کی ذات ہے اور ایک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور فائدہ یہ ہے کہ یہ کلمات مہمل نہیں ہیں، بلکہ ذو معنی ہیں۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ لکل کتاب صفوۃ و صفوۃ الکتاب حروف التھجی یعنی ہر کتاب کا ایک خالص اور عمدہ حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا عمدہ حصہ حروف تہجی ہیں۔

(۷) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں اور یہ اکثر متکلمین کا مذہب ہے اور اسی کو خلیل وسیبویہؒ نے اختیار فرمایا ہے جو نحو کے بڑے علماء ہیں۔

(۸) ایک تاویل یہ بھی ہے کہ یہ حروف اسماء اللہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نام ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ

بالترکیب یا بدون الترکیب ہیں۔ مرکب نام جیسے الرحمن الرحیم ہیں۔ ممکن ہے کہ اس طرح ترکیب کے ساتھ بنتے ہوں، لیکن میرے خیال میں بعض حروف مقطعات اکیلے اکیلے بھی مراد ہوں گے کیونکہ وہاں ترکیب ممکن نہیں ہے۔ جیسے ق، ن وغیرہ۔

(۹) ایک توجیہ یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات اسماء اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں پر دلالت کرنے والے ہیں۔ الف سے اشارہ اول کی طرف، لام سے اشارہ لطیف کی طرف اور م سے اشارہ مجید، ملک، منان وغیرہ کی طرف ہے۔ یہ بدون الترکیب بھی یہ حروف اشارات ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی طرف۔

(۱۰) حضرت قتادہ جو مشہور تابعی ہیں ان سے بھی یہ قول ہے کہ یہ حروف مقطعات اسماء القرآن ہیں۔ جیسے الف سے مراد اللہ تعالیٰ "ل" سے مراد حضرت جبریل اور م سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ای اللہ انزل ھذا الکتاب بواسطۃ جبریل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب (قرآن کریم) بواسطہ جبرائیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

(۱۱) بعض مفسرین کے ہاں الف سے مراد "انا" ہے، ل سے مراد "لی" ہے، م سے مراد "منی" ہے یعنی "انا" ذات واحد میں اکیلا ہوں ساری کائنات "لی" ساری کائنات میرے لیے ہے اور ساری کائنات مخلوق ہے "منی" یعنی ساری کائنات کو میں نے ہی پیدا کیا ہے اور میری ملکیت ہے۔

(۱۲) عبدالعزیز ابن یحییٰ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات سے بچوں کے لیے طریقہ تعلیم واضح کر دیا گیا ای یبدء اولا بحروف التھجی ثم بالمرکبات یعنی پہلے بچوں کو حروف تہجی پڑھاؤ اور پھر مرکبات پڑھاؤ۔ بچے ایک خاص عمر تک مکلف نہیں ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یبلغ وعن المجنون حتی یفیق وعن النائم حتی یستیقظ

قلم اٹھایا گیا ہے تین آدمیوں سے (۱) بچے سے تاوقتیکہ بالغ نہ ہو (۲) پاگل سے یہاں تک کہ صحیح ہو جائے (۳) اور سوئے ہوئے شخص سے جب تک کہ جاگ نہ جائے۔ (ابن ماجہ)

(۱۳) قطرب نحوی نے یہ توجیہ کی ہے کہ مشرکین عرب قرآن سننے سے انکار کرتے تھے کیونکہ اس میں ان کے عقائد باطلہ کا رد ہے اور ان کے معبودین باطلہ کا رد ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝

اور کہا انہوں نے جو کافر تھے کہ نہ سنو تم اس قرآن کو اور غل مچاؤ اس میں شاید تم غالب رہو۔ (سورۃ حم السجدہ ۲۶)

مشرکین کی اس عادت کی وجہ سے تقاضا یہ ہوا کہ ایسے الفاظ لائے جائیں کہ ان سے لوگ مانوس ہوں اور ان کے عقائد وغیرہ پر رد نہ ہو جیسے الف لام میم تو ان سے یہ متوجہ ہو گئے اور متوجہ ہونے کے بعد بتلا دیا کہ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ یعنی یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ حروف مقطعات سے تھوڑا سا توجہ

ہو کر متوجہ ہو گئے تو حکمت کے ساتھ پھر اگلی بات شروع کی جو مقصود بالذات ہے۔

(۱۴) مبرد سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے ذریعہ یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم بھی ان الفاظ و حروف سے مرکب ہے جنہیں تم اپنے روزمرہ کلام میں استعمال کرتے ہو جیسے الف با تا ثا وغیرہ۔ گویا قرآن کا متن بھی یہی حروف تہجی ہیں، انہی حروف تہجی سے کلام الٰہی مرکب ہے۔ تمہارے روزمرہ استعمال ہونے والے کلام کا متن بھی یہی حروف ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ لوگ قرآن کریم کی چھوٹی سی سورت کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ فصحاء عرب و بلیغ شعراء اکٹھے ہوتے۔ اشعار اور دیوان لکھے جاتے۔ پھر خود فیصلہ کرتے کہ ہمارا کلام قرآن جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے لان الکذب عیب فی جمیع الامم یعنی جھوٹ ہر امت و ملت میں عیب سمجھا جاتا رہا۔ ان کے ہاں ایک مقولہ مشہور تھا القتل انفی للقتل یعنی ناحق قتل کا دروازہ قصاص کے قتل کے ذریعہ ہی بند کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ: اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو تاکہ تم بچو۔ (سورۃ بقرۃ ۱۷۹)

تو بھی فصحاء نے اس کا اقرار کر دیا کیونکہ یہ منزل من اللہ تھی۔

(۱۵) حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات اشارات الی الآجال ہیں یعنی ایک امت کے لیے ایک وقت و مدت مقرر ہوتی ہے۔ اس مدت کے اختتام کے ساتھ وہ امت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ ابو یاسر ابن اخطب یہودی یہودیوں کی ایک جماعت سمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ البقرہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے آ کر اپنے بھائی حیی ابن اخطب کو یہ واقعہ سنا دیا۔ اس نے پوچھا کیا واقعی یہ بات درست ہے؟ وہ کہنے لگا بالکل درست ہے۔ حیی ابن اخطب بھی یہودی ایک جماعت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ کیا آپ الٓمّٓ وغیرہ پڑھتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ وہ یہودی کہنے لگا آپ سے قبل بھی اللہ تعالیٰ انبیاء کو مبعوث فرماتے رہے لیکن کسی کی مدت اقامت معلوم نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی امت کی مدت کا تو پتا چل ہی گیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ الف سے مراد ایک سال ہے ل سے مراد ۳۰ سال ہیں اور م سے مراد ۴۰ سال ہیں۔ گویا اس امت کی مدت اقامت ۷۱ سال ہے۔ تو کیا آپ لوگ ایسے دین میں داخل ہونے کے لیے تیار ہیں جس کی مدت اقامت صرف ۷۱ سال ہو؟ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اس کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہنے لگا وہ کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: الٓمّٓصٓ ہے تو حیی ابن اخطب کہنے لگا یہ تو پہلے سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ الف سے مراد ایک سال، ل سے مراد ۳۰ سال اور م سے مراد ۴۰ سال اور ص سے ۹۰ سال مراد ہیں۔ یہ کل ۱۶۱ سال ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اور بھی ہے؟ آپ نے

میں شہادت حسینؓ کا بیان کرنا اگرچہ صحیح روایات سے ہو، بوجہ روافض کی مشابہت کے حرام ہے۔ دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ۔ اگر شہادت ہی بیان کرنی ہے تو کسی اور مہینے میں بیان کرو۔ اب بتلاؤ کہ ان باتوں سے کون خالی ہے؟

یہ سب روافض کے پروپیگنڈوں کے اثرات ہیں، جو ان لوگوں پر چھا گئے ہیں۔ میلاد کی مجلس منعقد کرنا اور جھوٹی روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کرنا، ان باتوں کی وجہ سے ہمارے اکابرین نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسے حضرت گنگوہیؒ وغیرہ نے۔ میلاد کا ذکر ہر مجلس میں اچھا ہے، لیکن معتاد (مروج) طریقوں سے منع ہے۔ اسی طرح معراج کے واقعات کو غلط طریقے سے بیان کرتے ہیں جیسے بارات جارہی ہے۔ واللہ منتظم ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اب اس طرح کی باتیں علمائے دیوبند بھی کرتے ہیں تو بدعتی علماء میں اور ان میں کیا فرق ہوا؟ دین نہ کھنے والی اور مٹنے والی صفت تو اس اعتبار سے تمہارا جنازہ خراب ہو چکا ہے۔

فضلائے دیوبند کی دستار بندی سے متعلق حضرت مفتی صاحب کی رائے:

اس سال حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سال فضلائے دارالعلوم دیوبند کی دستار بندی کرنی ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں دو تجویزیں پیش کی تھیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ تین جلسوں کا انعقاد تین ممالک میں کرایا جائے۔ ایک پاکستان میں، ایک بنگلہ دیش میں اور ایک انڈیا میں۔ کیونکہ پاکستان اور بنگلہ دیش سے ہزاروں کی تعداد میں علماء کا انڈیا جانا مشکل ہے۔ نہ تو انڈیا علماء کو پاکستان جانے دے گا اور نہ انڈیا آنے دے گا۔ تمام دیوبندی علماء کو اکٹھا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ تینوں ملکوں میں جہاں جلسہ ہو گا، دیوبند کے اکابر ادھر جائیں گے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ علمائے دیوبند ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں گے اور سواد اعظم کو جو لوگ اقلیت کہتے ہیں، انہیں بھی پتہ چل جائے گا۔ عوام کا اعتبار نہیں۔ بات علماء کی ہے۔ اس مظاہرہ سے شاید لوگوں کو کوئی عبرت بھی ہو۔

(۲)... دوسری تجویز یہ تھی کہ دیوبند کسی خاص ادارے یا مدرسے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکتبِ فکر کا نام ہے۔ آپ لوگوں نے (حاضرین درس فضلاء) دیوبند دیکھا بھی نہیں، لیکن اگر آپ لوگوں کی دستار بندی نہ کی جائے تو آپ لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو گی۔ میری دوسری تجویز کا حاصل یہ تھا کہ کسی بھی مستند مدرسے سے فارغ ہونے والے تمام علمائے دیوبند اور فضلاء کی دستار بندی ہونی چاہیے کیونکہ وہ بالواسطہ دارالعلوم دیوبند کے ہی فاضل ہیں۔ پھر لوگوں کو سواد اعظم کا پتہ چلے گا۔ میری یہ تجویزیں حضرت نے نوٹ بھی فرمائی تھیں، لیکن معلوم نہیں کہ پھر کیا ہوا۔ مقصد کہنے کا یہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے سو سال پورے ہو گئے تو اب پھر تجدید ہونی چاہیے۔

ہمارے مجدد الف ثانیؒ:

ہمارے مجدد حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے۔ تم ابھی الف ثالث کی ابتداء میں ہیں کیونکہ الف ثانی کے چار سو

سال ابھی پورے نہیں ہوئے ہیں۔ ہم حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متبعین میں سے ہیں اور یہ بندگی تو ہم لوٹ رہے ہیں تو۔ یہ تحریک چلتی رہے گی بغیر تعلیم کے لوگ وہ امتیازی خصوصیات اپنا لو ورنہ پچھتانا ہوگا۔

(۱۶) بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کے ذریعہ قسم کھائی ہے اور حرف قسم مقدر ہے یعنی حروف مقطعات بہت شرف اور قدر والے حروف ہیں کیونکہ تمام زبانوں کا تعلق انہی حروف سے ہے:

ولها شرف وقدر فاقسم الله سبحانه وتعالى بها۔

تو اللہ تعالیٰ نے الٓمّٓ کی قسم کھائی کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

(۱۷) حروف مقطعات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل امی تھے لم يتعلم حروفا والامي فهو يتكلم باللغة الفصحى۔ امی بھی کیسی کہ انتہائی فصیح گفتگو کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ حروف ہجا کا بھی علم نہ تھا لیکن خوب فصیح گفتگو فرماتے تھے۔ قریش کو معلوم تھا کہ آپ امی ہیں لیکن جب حروف ہجا سنے گئے تو خوب لکھواتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ حروف منزل من اللہ ہیں اور سارا قرآن بھی منزل من اللہ ہے کیونکہ امی ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم حروف تہجی پڑھتے تھے۔

سورۃ بقرہ کا خلاصہ

(۱) اس سورۃ میں مناظرہ با یہود (۲) تہذیب الاخلاق (۳) تدبیر منزل (۴) سیاست مدنیہ چار موضوعات ہیں۔

اصل میں حکمت عملیہ کی تین قسمیں ہیں (۱) تہذیب الاخلاق (۲) انفرادی زندگی کے لیے تدبیر منزل (۳) اور سیاست مدنیہ۔ سورۃ بقرہ میں اجمالاً یہ تینوں قسمیں آگئی ہیں۔ شروع میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہدایت یافتہ لوگ کون ہیں اور ان کے مقابلہ میں بالکل برعکس لوگ کون ہیں؟ پھر حکمت عملیہ کی تینوں قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلے رکوع کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جو مغضوب علیہم و ضالین ہیں کو دعوت الی الکتاب دی گئی ہے۔ متقین اور ہدایت یافتہ لوگوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے مقابل منکرین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

فضائل سورۃ البقرہ

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں یہ روایت نقل فرمائی ہے

عن عبد الله بن مسعودؓ قال من حلف على سورة البقرة فعليه بكل آية منها يمين۔

(مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی قسم کھائے تو اس پر ہر آیت کے عوض ایک ایک قسم ہے۔

سورۂ بقرہ کی ۲۸۶ آیتیں ہیں تو گویا سورۂ بقرہ کے ذریعہ قسم کھانے والے نے ۲۸۶ ہی قسمیں کھائیں۔ میرے خیال میں حانث (قسم توڑنے والا) ہونے کی صورت میں کفارے ۲۸۶ دینا ہوں گے بلکہ ایک ہی کفارہ کافی ہوگا اور حضرت ابن مسعودؓ کے قول کا تعلق گناہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اس نے قسم کو توڑ کر ایسا ہے جیسا کہ ۲۸۶ قسمیں کسی نے توڑ دی ہوں۔

ھذا بمعنی الاثم و اما الکفارات ففیھا تداخل۔

یعنی ہر آیت کو ایک مستقل قسم شمار کیا گیا ہے۔ یہ بات گناہ سے متعلق ہے۔ باقی رہا کفاروں کا مسئلہ تو ان میں تداخل ہے یعنی ایک ہی کفارہ دینا ہوگا۔ کیونکہ قسم ایک ہی قسم ہوئی ہے اور ایک قسم کا ایک ہی کفارہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص تین بار کہے واللہ لا ادخل ھذہ الدار تو کہ قسم میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا اور پھر اس گھر میں داخل ہو کر حانث ہو جائے تو باوجود تین قسم کھانے کے ایک ہی کفارہ دینا پڑے گا۔ یہ تداخل فی الکفارات کا حکم اسی وقت ہے جبکہ تکرار فی القسم و الحنث قبل الحنث (قسم توڑنا) پایا جائے۔ اگر ایک بار قسم کھانے کے بعد قسم توڑ کر حانث ہوا خواہ کفارہ دیا ہو یا نہ دیا ہو اور پھر دوسری قسم دوبارہ اٹھائی تو اب حانث ہونے کی صورت میں دوسرا کفارہ بھی لازم ہوگا اور تداخل فی الکفارات نہ ہوگا۔ اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں فمن شاء صبر و من شاء فجر یعنی جو چاہے صبر کرے اپنی قسم پوری کرے اور جو چاہے گناہ کا مرتکب ہو یعنی قسم توڑ دے۔ ان الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں صرف سورۂ بقرہ کی قسم کا تعدد قسم پر جو محمول کیا گیا تو یہ گناہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ کفارات کے اعتبار سے۔

(۲) آپؐ کا ارشاد ہے کہ سورۂ بقرہ جو گھروں میں پڑھی جائے ان گھروں میں شیطان نہ آسکے گا۔

(۳) اور فرمایا لا یستطیعھا البطلة یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ ساحر لوگ اس سورۃ کو پڑھ نہیں سکتے یا یاد نہیں کر سکتے یا مراد یہ ہے کہ ساحر لوگ اس سورۃ کے مقابلہ میں نہیں آسکتے یعنی سورۂ بقرہ پڑھنے کے بعد ساحر کا سحر بے اثر ہو جاتا ہے۔

(۴) صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے تو پاس بندھا ہوا گھوڑا بدکنے لگا۔ حضرت اسیدؓ کو فکر ہوئی کہ کیا کیا جائے۔ جب گھوڑے کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ خاموش کھڑا ہو گیا پھر جب پڑھنا شروع کیا تو پھر بدکنے لگا۔ کئی بار ایسا ہوا تو حضرت اسید کا بیٹا یحییٰ پاس سویا ہوا تھا۔ حضرت اسیدؓ کو خطرہ ہوا کہ گھوڑا کہیں اسے روند نہ ڈالے۔ جب گھر سے باہر نکلے تو ایک چراغاں کی کیفیت تھی اور روشنی والی چیز کا سائبان تھا جس کی وجہ سے گھوڑا بدک رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسیدؓ سے فرمایا کہ یہ فرشتے تھے جو سورۂ بقرہ کی تلاوت کی وجہ سے نازل ہو رہے تھے۔ اگر تم صبح تک پڑھتے تو عجائبات کا مشاہدہ کرتے اور ان فرشتوں کو لوگ بھی دیکھ لیتے۔

(۵) حضرت فاروق اعظمؓ نے سورہ بقرہ ۱۲ سال میں سیکھی تھی۔ یہ حضرات طوطے کی طرح صرف رٹتے نہ تھے، بلکہ تمام احکام کے ساتھ سیکھتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے ۸ سال میں سیکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام قرآن سے احکام سیکھنے کے لیے کتنا وقت صرف کرتے تھے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ:

"ذٰلِكَ" اسم اشارہ بعید کے لیے ہے۔ قرآن کریم اگرچہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، لیکن اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہاں علو مرتبت کی وجہ سے اسم اشارہ بعید کا استعمال کیا گیا یعنی اس کتاب کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کتاب احکام شرعیہ کا ماخذ ہے۔ بنیادی طور پر احکام شرعیہ کے ماخذ چار چیزیں ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع (۴) قیاس۔ بعض احکام کتاب اللہ سے ثابت ہوتے ہیں جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حرمت خمر۔ بعض احکام سنت سے ثابت ہوتے ہیں جیسے نماز جنازہ۔ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، آپ ﷺ کے قول و فعل سے معلوم ہوا ہے۔ بعض احکام اجماع و قیاس سے معلوم ہوتے ہیں جیسے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور یہ حکم قرآن سے ثابت ہے۔ لیکن ملک یمین میں اگر دو بہنیں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو ان کو جمع رکھنا ملک یمین میں بھی حرام ہے۔ جب تک ایک کو الگ نہ کرے تو دوسری سے نکاح یا مجامعت جائز نہیں تو یہ ملک یمین کی حرمت کو قیاس کیا مجتہدین امت نے حرمت نکاح پر اور اس پر اجماع بھی ہو گیا۔ ملک یمین کے مقاصد بہت ہوتے ہیں اور ملک نکاح کا مقصد مجامعت ہی ہے جو کہ سبب ہے نسل انسانی کی بقاء کا تو دونوں میں فرق معلوم ہو گیا۔ ملک یمین ہو اور مجامعت نہ ہو یہ صورت ممکن ہے لیکن نکاح میں تو مجامعت ضروری ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ:

ہدایت ہے متقین کے لیے، متقین سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا کہ صرف متقین کے لیے ہدایت ہے اور غیر متقین کے لیے ہدایت نہیں ہے، حالانکہ متقین کو ہدایت مل چکی ہے؟ اصل میں اتقاء استغناء کے مقابل ہے۔ ایک شخص صحراؤں میں اور پہاڑوں میں چلتا ہے، اسے خطرہ ہے، ڈر ہے کہ ان تنگ و تاریک راستوں میں کہیں بھٹک نہ جاؤں تو نشانات وغیرہ کو دیکھ کر چلتا ہے اور وہ نکل جاتا ہے۔ ایک آدمی شتر بے مہار بن کر چلے جا رہا ہے۔ کسی سے پوچھے، علامات وغیرہ دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ اسے کون راستہ بتائے؟ وہ آپ کی آواز بھی نہ سنے گا تو اس کی ہدایت کے لیے سو قرآن کریم بھی ناکافی ہیں۔ کیونکہ وہ مستغنی ہے۔ اس کی مزید وضاحت سورۃ لیل میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝
وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (سورۃ لیل پ ۳۰)

تو جس نے دیا اور پرہیزگار رہا اور تصدیق کی نیک بات کی تو ہم آسانی کر دیں گے اس کے
لیے چلنا آسان راستہ پر۔ لیکن جس نے بخل کیا اور بے پروا رہا اور جھٹلایا نیک بات کو سو ہم
آسان کر دیں گے اس کے لیے چلنا تنگی کے راستہ پر۔

یہاں چار چیزیں چار چیزوں کے مقابل ہیں۔ (۱) اعطاء و انفاق بخل کے مقابلے میں (۲) اتقاء اور استغناء مقابل ہیں (۳) تصدیق بالحسنیٰ اور تکذیب بالحسنیٰ (۴) تیسیر یسریٰ اور تیسیر عسریٰ مقابل ہیں یہاں چونکہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو استغناء کے مقابل ذکر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ میں متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو ہدایت سے مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ تلاش میں رہ کر جگہ جگہ ہدایت کے متلاشی اور طالب ہوتے ہیں۔ اسی طرح سورہ عبس میں بھی ارشاد ہے۔

أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ﴿٥﴾ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾
تو جو بے پروائی کرتا ہے سو آپ اس کے لیے توجہ کرتے ہیں۔
یہاں بھی استغناء کو ذکر فرمایا جس سے مراد بے پروائی ہے۔ اس سے پچھلی آیات میں ارشاد ہے
لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ ﴿٣﴾ یعنی ہدایت حق کی طلب ہوتی ہے مستغنی کو نہیں ہوتی تو "ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ"
سے مراد وہ لوگ ہیں جو بے پروا اور مستغنی نہ ہوں۔

(۲) ... بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے متقین کے درجات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:
(۱) عوام کا تقویٰ کفر سے بچ کر اسلام کو اختیار کریں (۲) خواص کا تقویٰ اوامر کو پورا کرنا اور نواہی سے بچنا
(۳) اور اخص الخواص کا تقویٰ یہ ہے کہ مشتبہات سے بچیں۔ جیسے

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا
اور لازم کردی ان پر بات پرہیزگاری کی اور تھے وہ اسی لائق اور اس کے اہل۔ (سورۃ فتح ۲۶)
یہاں تقویٰ کی پہلی قسم مراد ہے۔

(۲) وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ
اور اگر وہ ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو البتہ ثواب اللہ کے ہاں کا بہت
بہتر تھا۔ (سورۃ بقرہ ۱۰۳)
یہاں تقویٰ کی دوسری قسم مراد ہے۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿﴾ (سورۃ آل عمران ۱۰۲)
اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا حق ہے اس سے ڈرنے کا اور نہ مرنا مگر اس حال میں
کہ تم سچے مسلمان ہو۔

اس آیت میں تقویٰ کی تیسری قسم مراد ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔

الحلال بین والحرام بین وبینهما امور مشتبهة فمن ترک ما شبه علیه من الاثم کان لما استبان له اترک ومن اجترأ علی ما یشک فیه من الاثم اوشک ان یواقع ما استبان والمعاصی حمی الله من یرتع حول الحمی یوشک ان یواقعه (بخاری ج ۱ ص ۲۷۵)

حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں (یعنی ان کے ارتکاب سے گناہگار بننے میں شبہ ہے) پس جو شخص ان امور سے بچے گا جس کے ارتکاب سے گناہگار ہونے کا شبہ ہے تو جو کام قطعاً اور واضح گناہ ہیں ان سے وہ بطریق اولیٰ بچے گا اور جو شخص ان کاموں پر جری ہوگا جن کے کرنے میں گناہ کا اندیشہ ہے تو ممکن ہے جو واضح طور پر گناہ کے کام ہیں۔ ان کا بھی ارتکاب کر بیٹھے اور گناہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہیں ہیں اور جو چراگاہ کے ارد گرد جانور چراتا ہے قریب ہے کہ وہ جانور چراگاہ کے اندر چلے جائے (یعنی گناہ کے قریب پھٹکنے سے انسان گناہ میں مبتلا ہو سکتا ہے) اس حدیث میں بھی تقویٰ کی تیسری قسم مراد ہے۔

<u>الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ:</u>

جو ایمان لاتے ہیں غیب پر۔

بعض ایسے امور ہوتے ہیں جو حواس سے ظاہر نہیں ہوتے جیسے ملائکہ اور قیامت کا دن اور صفات باری تعالیٰ۔ ایسے امور غیبیہ پر ایمان لانے کا ذکر ہے یعنی دل سے ان کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ بن دیکھے صرف وحی پر اعتماد کرتے ہوئے ان امور پر ایمان لایا جائے تو ایسے ایمان والا مسلمان ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ بہتر ایمان والا شخص کون ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ فرشتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں کے ایمان سے کوئی مانع اور رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہے۔ وہ غیب کی باتیں دیکھتے ہیں تو ان کے ایمان میں کیا رکاوٹ ہے؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ بہتر ایمان والے انبیاء علیہم السلام ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے ان کو ممتاز فرمایا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے عرض کی کہ بہتر ایمان والے صحابہ کرام ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان فرمایا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صحابہ کا ایمان کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ انہوں نے طرح طرح کے معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ حضرت فاروق اعظمؓ نے

صدقات جو یتیموں مسکینوں اور مہمانوں پر صدقہ کیے جاتے ہیں۔ (۴) الوقف للمساجد ولابناء السبیل وللمرضی والمدارس والخانقات یعنی وقف برائے مساجد مسافروں کے لیے سرائے بیماروں کے لیے ہسپتال، مدارس اور مسافر خانوں اور مہمان خانوں کے لیے جائیداد وقف کرنا۔ (۵) الانفاق فی مصارف الحج یعنی حج پر مال خرچ کرنا کیونکہ حج مرکب ہے عبادت بدنیہ و مالیہ سے۔ (۶) والجہاد یعنی جہاد میں مال خرچ کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے من جهز غازيا فله اجر مثله یعنی جس شخص نے کسی غازی کو سامان فراہم کیا اس کو غازی و مجاہد جتنا اجر ملے گا۔ (۷) الانفاقات الواجبة على الزوجة والاولاد الخ صدقات واجبہ جیسے بیوی بچوں پر خرچ کرنا۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ میں ارشاد ہے کہ من تبعیضیہ ہے یہ جو کام کی بات ہے، وہ نہ سارا مال دے جائے۔ حدیث میں ہے خير الصدقة عن ظهر الغناء یعنی غنی شخص کا صدقہ کرنا بہترین صدقہ ہے اور غنی آدمی اس وقت ہوتا ہے جب اس کے پاس مال ہو۔ معلوم ہوا کہ سارا مال خرچ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۔ (سورۃ بقرہ ۲۱۹)

اور پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا خرچ کریں (راہ خدا میں) کہہ دیجیے جو زائد ہو۔

معلوم ہوا سارا مال مراد نہیں ہے۔ یہی اچھا صدقہ ہے۔ ہاں دل مضبوط ہے ایمان قوی ہے تو اور بات ہے۔ جیسے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا غزوہ تبوک میں انفاق۔ اس غزوے میں حضرت فاروق اعظمؓ آدھا مال اور صدیق اکبرؓ سارا مال اٹھا لائے تھے۔

اس آیت میں تحریض علی الانفاق (خرچ کرنے پر برانگیختہ کرنا) ہے کہ یہ خرچ کرنا کون سی بڑی بات ہے۔ مال تو ہمارا ہے۔ ہم نے تمہیں دیا ہے۔ تم ہمارا دیا ہوا مال خرچ نہیں کر سکتے۔ اگر مال اپنا ہوتا تو بات کوئی اور ہوتی اور اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ من تبعیضیہ ہے اور جس مال کا خرچ کرنا مقصود ہے وہ مال حلال ہو، حرام نہ ہو۔ یعنی ہم نے جو رزق حلال اور مال حلال تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو۔ چنانچہ جامع ترمذی میں پہلی حدیث حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے:

لاتقبل صلوة بغير طهور ولا صدقة من غلول

یعنی بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں اور چوری کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں۔

اصطلاحی طور پر اگرچہ غلول خاص مال غنیمت میں سے چوری کو کہتے ہیں، لیکن یہاں حدیث میں مطلق حرام مال مراد ہے۔

کیا حرام رزق ہے؟

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں جو ضابطہ ہے کہ الحلال رزق والحرام رزق، حلال

مومن نہیں۔ پہلے جب اختیار تھا تو ایمان نہ لایا۔ ایمان فعل اختیاری ہے۔ انسان مکلف ہے فعل اختیاری پر۔ جب ایمان اضطراری بن جاتا ہے تو کچھ نہیں ہوتا۔

فرعون مومن نہیں تھا:

اس لیے کہ فرعون کا ایمان ایمان اضطراری ہے۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً

سو آج ہم نجات دیں گے تیرے بدن کو تا کہ تو ہو ان کے لیے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں عبرت۔ (سورۃ یونس ۹۲)

تو اگر مومن ہوتا تو اللہ پاک یہ نہ فرماتے۔ یہ بھی قرینہ ہے کہ اس کا ایمان عند اللہ قبول نہیں ہے۔ ایک اور مقام پر فرعون کے بارے میں آتا ہے۔

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ

وہ (فرعون) پیشرو ہوگا اپنی قوم کا قیامت کے دن پھر جا داخل کرے گا انہیں دوزخ میں اور وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ وارد ہوں گے۔ (سورۃ ھود ۹۸)

بھلا یہ باتیں مومن کے متعلق کہی جا سکتی ہیں۔ یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے۔

مسئلہ اختلافی یہ ہے کہ موت سے پہلے کافر کو کافر کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ شیخ ابوالحسن اشعری کے نزدیک کوئی کافر نہیں ہے یہ اللہ کا کام ہے۔

خواتیم کا مسئلہ

اس میں شیخ ماتریدی کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک کسی کے خاتمہ کا علم نہیں ہے تو کیا کسی کو کافر نہ کہنا چاہیے۔ جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ آپ کے مقابل تھے۔ آپ کے قتل کے درپے تھے۔ ایذا دیتے تھے۔ مکہ سے نکالنے والے تھے۔ آپ کے ساتھ دست بدست لڑنے والے تھے۔ قرآن نے ان کو بالجبر (علانیہ) کافر کہا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان بھی ہوئے۔ ابوسفیان غزوہ احد میں مشرکین مکہ کی فوج کا سالار تھا اور حضرت خالد بن الولید کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان بھی پہنچا۔ وہ پیچھے سے کفار کا دستہ لے کر حملہ آور ہوئے تھے لیکن مسلمان ہو کر سیف اللہ کا خطاب پایا۔ کسی کے خاتمہ کا علم نہیں ہے۔ وہ تو زندگی میں اسلام لے آئے۔

کریم میں اس لطیفہ کو قلب کے لفظ سے بیان فرمایا گیا ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (سورۃ ق: ۳۷)

بیشک اس (کتاب) میں نصیحت ہے اس کے لیے جسے حاصل ہے دل یا وہ لگاتا ہے کان حضور قلب سے۔

یعنی اگر لطیفہ قلب مراد ہو تو وہ کیا ادراک کرے گا؟ کیا ذکر حاصل کرے گا؟ اسی طرح ارشاد ہے فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا "پس اس کو بتا دی اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری" فجور اور تقویٰ کا الہام بھی نفس ہی کو ہوتا ہے۔

اشکالات مع جوابات

یہاں دو ترکیبیں ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ معطوف علیہ ہو اور وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ معطوف ہو یہ تمام مل کر جملہ معطوف علیہ ہو اور وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ایک جملہ ہو اس کا عطف پہلے جملے پر ہوگا۔ یہ از قبیل عطف جملہ علی الجملہ ہوگا، اس صورت میں قلب بھی مختوم ہے اور سمع بھی مختوم ہے جبکہ بصارت پر غشاوہ ہے۔ (۲) دوسری ترکیب یہ ہے کہ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ایک جملہ ہو اور وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ دوسرا جملہ ہو۔ غشاوۃ مبتدا مؤخر ہو اور وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ معطوف معطوف علیہ خبر مقدم ہو۔ اس صورت میں قلب مختوم ہوگا اور سمع و بصارت پر غشاوہ ہوگا۔ ترکیبیں تو دونوں جائز ہیں کیونکہ کوئی لفظی یا معنوی رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونوں میں سے افضل ترکیب کون سی ہے؟ "القرآن یفسر بعضه بعضا" قرآن کریم کے بعض حصے بعض دوسرے حصوں کی تفسیر کرتے ہیں کے اصول کے مطابق قرآن کریم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور جگہ ختم کی نسبت بغیر کسی دیگر حیلے کے سمع اور قلب دونوں کی طرف ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ہے

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (سورۃ جاثیہ: ۲۳)

پس کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے ٹھہرا لیا اپنا معبود اپنی خواہش نفس کو اور گمراہ کر دیا اسے اللہ نے جانتے ہوئے اور مہر کر دی اس کے کان اور اس کے دل پر اور ڈال دیا اس کی آنکھ پر پردہ، پس کون ہدایت کرے اس کو بعد اللہ کے۔ پس کیا تم غور نہیں کرتے؟

یہاں ترکیب اول ثابت ہوئی اور سمع کو قلب سے پہلے ذکر کیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ سمع پر مہر لگی ہوئی ہے اور غشاوہ نہیں ہے، بلکہ غشاوہ فقط ابصار پر۔ (۲) دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ یہ فرق کیوں رکھا گیا کہ سمع اور قلب پر تو ختم ہے اور بصر پر غشاوہ ہے، ایسا کیوں نہیں ہے کہ تینوں پر یا تو ختم ہو یا غشاوہ ہو؟

خلاف لازم آتا ہے سورہ جاثیہ والی آیت سے جس میں ارشاد ہے " وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً " اس آیت میں غشاوۃ کو بھی جملہ فعلیہ ہی میں ذکر کیا گیا تو دوام و استمرار والا فائدہ فوت ہو رہا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ افعال قلوب مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں لہذا افعال قلوب کے لیے مفعول اول مبتدا اور خبر مفعول ثانی ہوتی ہے جیسے علمت زیدا فاضلا تو زیدا بمنزلہ مبتدا اور فاضلا بمنزلہ خبر ہے۔ ثابت ہو گیا کہ افعال قلوب جملہ فعلیہ ہوتے ہوئے بھی ان میں حدوث نہیں ہوتا کیونکہ ان کے دونوں مفعول حقیقت میں مبتدا خبر ہوتے ہیں تو جملہ اسمیہ کی طرح دوام و استمرار ان میں ہوتا ہے نہ کہ حدوث۔ اسی طرح "جعل" بھی دو مفعول چاہتا ہے اور صورت جعل مرکب ہوتا ہے جعل بسیط نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جعل کے دو مفعول بمنزلہ مبتدا اور خبر کے ہیں اور جملہ اسمیہ والا دوام و استمرار برقرار رہے گا تو علی بصرہ بمنزلہ خبر مقدم ہے اور غشاوۃ مبتدا مؤخر ہے لہذا اشکال رفع ہوا۔

(۶) .. قلب اور سمع کو بصر پر مقدم کرنا:

چھٹا اشکال یہ ہے کہ قلب اور سمع کو بصر پر مقدم کیوں کیا گیا؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ قلب کا مقدم کرنا تو بالکل واضح ہے کیونکہ اصل میں قوت ادراک قلب ہی ہے بقیہ اس پر کوئی خاص اشکال نہیں ہے۔ رہی بات سمع کی تو وجہ یہ ہے کہ اصم اور بہرا ہونا بڑا عیب ہے بنسبت نابینا ہونے کے۔ سمع اور بصر میں جو زیادہ اہم ہوگا اسی کا مقدم ہونا زیادہ مناسب ہوگا۔ سمع اور بصر دونوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، لیکن بعض نعمتیں بعض کے مقابلے میں زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ عرب کا مشہور مقولہ ہے "لیس وراء العین البیان" یعنی آنکھ سے دیکھے بغیر کسی چیز کی حقیقت نہیں کھلتی۔ کائنات کے انکشافات میں بصر کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ نابینا دنیا سے الگ تھلگ ہوتا ہے، لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو اصم اور بہرا ہونا نابینا ہونے کے مقابلے میں بہت بڑا اور بڑا عیب ہے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نابینا تو گزرے ہیں لیکن بہرا کوئی نہیں ہوا کیونکہ نابینا ہونا منافی نبوت نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نابینا ہو گئے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ (سورہ یوسف/ ۸۴)

اور واپس پھرا ان کے پاس سے اور کہنے لگا ہائے یوسف اور سفید ہو گئیں اس کی آنکھیں غم سے پس وہ غم کو پی رہا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام بھی نابینا ہو گئے تھے۔ اس سے نابینا ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے لیکن بہرا ہونا نبوت کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ نابینا ہونا عیب نہیں ہے۔ جب نابینا مجلس میں آتا ہے تو مجلس بارونق ہو جاتی ہے اور کوئی دقت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی بہرا مجلس میں آجائے تو سب چلائیں گے۔ مجلس کو تباہ کرنے والا

نے یہ خواص تو عطا فرمائے ہیں، لیکن چونکہ اسے کسی کو معلوم نہیں کرائے۔ باقی تقدیر علم کیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ہم اس کے مکلف نہیں ہیں، البتہ خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک افعال العباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر کوئی شخص معاصی و گناہ کرتا ہے تو اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ معتزلہ کے نزدیک انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ لیکن

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۝

اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا فرمایا اور جو اعمال تم کرتے ہو ان کو بھی۔ (سورہ صٰفٰت: ۹۶)

یہ حکم خداوندی صراحۃً معتزلہ کے اس عقیدہ کی تردید کر رہا ہے اور معتزلہ کا عقیدہ اس آیت کے قطعی خلاف ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق اگر انسان اپنے افعال کا خود خالق ٹھہرا تو مشرکین کی طرح پھر خالق خیر و شر دو ماننے پڑیں گے۔ جب دو خالق تسلیم کرنے والے مشرکین ہیں تو کیا کروڑوں خالق تسلیم کرنے والے مشرک نہ ہوں گے؟ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک آدمی شراب کا پیالہ پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے پلواتا ہے، لیکن یہ نظریہ غلط ہے۔ انسان مجبور محض نہیں ہے کالحجر لا یتحرک الا بتحریک الغیر یعنی انسان پتھر کی طرح مجبور نہیں ہے کہ کسی کی حرکت دیئے بغیر حرکت نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۝

اور ہم عذاب نہیں دیا کرتے جب تک کہ نہ بھیجیں کوئی رسول۔ (سورۂ بنی اسرائیل: ۱۵)

اور فرمایا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے (بقرہ: ۲۵۶)۔ اتنا کچھ فرمانے کے بعد انسان کو مجبور محض اور بے اختیار کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اگر کسی کی ایسی جگہ ہو کہ اسے احکام خداوندی کی دعوت سے بھی نہ پہنچی ہو تو بھی ان مصنوعات و عجائبات قدرت کو دیکھ کر صانع کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ وحدانیت کا یقین اسے جنت میں لے جائے گا، کیونکہ عقل کی وجہ سے انسان احکام شرع کا مکلف ہوتا ہے۔ جب عقل نہ ہو تو پھر مکلف بھی نہیں رہتا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یبلغ و عن النائم حتی یستیقظ و عن المجنون حتی یفیق۝

تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (۱) نابالغ بچے سے، یہاں تک کہ بالغ ہو جائے (۲) سوئے ہوئے شخص سے، یہاں تک کہ جاگ جائے (۳) پاگل سے، یہاں تک کہ ٹھیک ہو جائے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۝ (سورہ بقرہ: ۸)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، حالانکہ وہ مومن نہیں۔

اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضرر پہنچانے اور کفر پھیلانے اور تفرقہ ڈالنے کے لیے مسلمانوں میں اور انتظار کرنے کے لیے اس شخص کا جو لڑ رہا تھا اللہ اور اس کے رسول سے اس سے پہلے۔ اور ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہے ہم نے کچھ سوائے بھلائی کے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں۔

یہ مسجد بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے بنائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو افتتاح کی دعوت دی گئی لیکن آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ مسجد نہیں، بلکہ کافروں کی کمین گاہ ہے۔ آپ اس کے قریب بھی نہ جائیں۔ یہ بھی اعتقادی نفاق ہے۔

<u>سوال:</u>

ایمان والوں کے حالات بیان کرنے کے لیے پانچ آیتیں لائی گئیں ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک۔ کفار جو کہ دل و زبان دونوں اعتبار سے کافر ہیں ان کے حالات بیان کرنے کے لیے صرف دو آیتیں لائی گئیں "اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا" سے عذاب عظیم تک۔ منافقین کے حالات بیان کرنے کے لیے تقریباً (۱۳) تیرہ آیات لائی گئی ہیں۔ "وَمِنَ النَّاسِ" سے لے کر رکوع کے آخر تک۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے کافر ہے اس کی مذمت زیادہ ہونی چاہیے اور جو صرف دل سے کافر ہے اور زبان سے مسلمان ہے تو اس کی مذمت کم ہونی چاہیے۔ "كفر المنافق من جهة واحدة و كفر المشرك من جهتين" یعنی منافق صرف ایک اعتبار سے کافر ہے اور مشرک و کافر دونوں حیثیتوں سے کافر ہے۔

الجواب:

اصل بات یہ ہے کہ منافق کی زبان بھی جھوٹ بولتی ہے اور دل بھی جھوٹا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ یعنی اللہ گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کیونکہ زبان سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ موافق قلب ہے، حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ کافر مجاہر چونکہ دل و زبان دونوں سے منکر ہوتا ہے لہٰذا وہ اگر کہتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں موافق قلب ہے تو وہ صادق ہے وہ سچ کہہ رہا ہے لہٰذا منافق سے زیادہ خطرہ ہے بنسبت کافر مجاہر کے تو منافق کا تذکرہ مفصل کیا گیا اور مثالوں سے وضاحت فرمائی گئی۔ جبکہ کافر مجاہر سے خطرہ کم ہے۔ وہ کھلا دشمن ہے تو اس کا تذکرہ مختصر کیا گیا۔ اس کی دشمنی زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح پاکستان میں اسلام کو خطرہ عیسائیت یا ہندومت سے نہیں، بلکہ منافقین سے زیادہ خطرہ ہے۔ یہ منافق آپ کو فریب دینا چاہتے ہیں۔

(ان سے) تو ہم صرف دل لگی کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے سامنے منافقین صرف لفظاً منا سے ایمان کا ظہار کرتے ہیں۔ یہ جملہ فعلیہ ہے جو کہ دال علی الحدوث ہے اور کسی قسم کی تاکید بھی ساتھ نہیں ہے، جبکہ اپنے بڑوں کے سامنے انہوں نے جن الفاظ سے ان کی معیت و رفاقت کا ذکر کیا تو تاکید ہی تاکید ہے۔ ایک حرف مشبہ بالفعل، دوسرا جملہ اسمیہ تو حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کے سامنے ظاہر داری اور تکلف سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، جبکہ اپنے کافروں کے سامنے دل کی گہرائیوں سے معیت کا اعلان کرتے ہیں۔ رہی وہ بات جو ہم نے مسلمانوں کے سامنے کی تھی تو ہم ان سے مذاق کرتے ہیں اور ان کی بے عقلیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم مسلمانوں سے استہزاء کرتے ہو، حالانکہ تم خود اس قابل ہو کہ تم سے استہزاء (مذاق) کیا جائے تو معلوم ہوا کہ یہ مذبذبین (منافقین) آدمی نہیں ہیں۔ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی میں مہلت دراز دیتا ہے "يَعْمَهُونَ" العمہ سے مشتق ہے۔ العمہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دل کا نور ختم ہو جائے اور عمی اس وقت کہا جاتا ہے جب آنکھ کی روشنی چلی جائے۔ گویا عمی ضد ہے بصارت کی اور العمہ ضد ہے بصیرت کی۔ اپنا استہزاء کرنا جہالت ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ" وہ بولے کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے؟ کہا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں (سورہ بقرہ آیت ۶۷)۔ معلوم ہوا کہ تمسخر کرنا جہالت ہے، لیکن جواب استہزاء حقیقت میں استہزاء نہیں ہے، بلکہ ایک امر واقعی ہے۔ البتہ صورۃً سے بھی استہزاء سے تعبیر فرمایا گیا ہے جو لفظی اشتراک کی وجہ سے حسن لفظی کی ایک قسم ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔

جب اسلام کا غلبہ ہوا تو ان منافقین کا ایمان والوں کے ساتھ ایک ربط پیدا ہو گیا۔ یہ خیال تھا کہ ہم ان سے بھی فائدہ اٹھائیں یعنی اس ایمان سے مالی نفع حاصل کرنا چاہتے تھے تو ہدایت قدرے قریب تھی، لیکن اس کے بدلے میں گمراہی لی یعنی ظاہری ایمان سرمایہ تھا۔ اس سرمایہ سے باطنی ایمان حاصل کر سکتے تھے، مگر بدبختی کی وجہ سے اس تھوڑی ہدایت کے عوض اندر کی گمراہی حاصل کی۔ اس لیے آگے ارشاد ہوا "فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ" ان کی تجارت نے ان کو نفع نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف زبانی جمع خرچ ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بری خصلت اور قبیح عادت ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ آگے مثال دے کر سمجھاتے ہیں:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿﴾

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی (اندھیرے میں) پھر جب روشن کر دیا

اَصَابِعَهُمْ سے مراد انگلیوں کے پورے ہیں اور سرے ہیں کیونکہ ساری انگلی کان میں ڈالی نہیں جا سکتی لیکن مبالغہ مقصود ہے کہ ان کی حالت ایسی ہے کہ اگر ساری انگلی کان میں داخل کی جا سکتی تو یہ داخل کر دیتے۔ موت کے ڈر سے یہ حالت ہوئی ہے کہ اوسان خطا ہو گئے ہیں۔ "اَوْ کَصَیِّبٍ" کا عطف "مَثَلُهُمْ" پر ہے اور یہاں "او" شک کے لیے نہیں، بلکہ تخییر کے لیے ہے یعنی مقصود منافقین کا حال بتانا ہے۔ خواہ پہلی مثال سے سمجھو یا دوسری سے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ

قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی بینائی کو اچک لے اور ختم کر دے۔

اس آیت میں کفار و منافقین کا دنیوی حال بیان کیا گیا ہے اور وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ ایک اور آیت میں ان کا اخروی حال بھی اسی طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا ۖ مَّأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا (سورۃ بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم اٹھائیں گے ان کو قیامت کے روز ان کے منہ کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے کہ جب وہ بجھنے لگے گی تو ہم ان پر اس کو اور بھڑکا دیں گے۔

گویا دنیا میں بھی ان پر حقائق پوشیدہ ہیں اور آخرت میں بھی ان پر حقائق پوشیدہ رہیں گے۔

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ:

یہ منافقین ہیں کہ یہ اسلام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ جہاں فائدہ ملنے کی امید ہو تو آ جاتے ہیں اور اگر فائدہ ملنے کی امید نہ ہو تو دور بھاگتے ہیں۔ جیسے غزوہ احد میں ہوا کہ راستے ہی سے تقریباً تین سو منافقین بھاگ گئے، لیکن مال غنیمت کی تقسیم کے وقت پھر آ گئے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ:

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم سب کے لیے ہدایت ہے لیکن منافقین نے اس ہدایت کے عوض گمراہی کو اپنایا تو وبال کے مستحق ہو گئے۔

یہاں کان میں انامل ڈالے جاتے ہیں تو یہ ذکر مجاز ہے یعنی راس الانامل ڈالتے ہیں یعنی ان کی حالت ایسی ہے کہ ساری انگلی جا سکتی تو وہ بھی ڈال دیتے۔ بہر حال یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی ہدایت ان کے لیے بھی تھی لیکن ان پر وبال ہے۔ اگلی آیت میں طریقہ ہدایت ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

سو جو لوگ مومن ہیں وہ اسے سچ رب کی طرف سے حق جانتے ہیں اور جو کافر ہیں

فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ

وہ کہتے ہیں اللہ کا اس مثال سے کیا مطلب ہے اللہ اس مثال سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے

كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن

ہدایت کرتا ہے اور اس سے گمراہ تو بدکاروں ہی کو کیا کرتا ہے ○ جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد

بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ

توڑتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے توڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ

یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ تم اللہ کا کیونکر انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر تمہیں زندہ کیا

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي

پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ○ اللہ وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب

الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ

تمہارے لئے پیدا کیا ہے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا اور وہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

ہر چیز جانتا ہے ○

افادات محمود:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا:

اس رکوع میں تمام کفار کو اللہ سے ہدایت کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس میں منافقین کی دوسری قسم جو قابل اصلاح ہے جن کا نور ایمان بالکل بجھا نہیں ہے۔ ان میں تھوڑی سی رمق باقی ہے۔ ان کی اصلاح کا طریقہ بھی اس رکوع میں مذکور ہے۔

"اے لوگو! اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي الخ عبادت کرو اپنے پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے (یعنی تمہارے آباؤ اجداد) تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ وہ تمہارا پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا الخ یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے شروع ہوئی باوجودیکہ سورۂ تحریم مکی ہے تو اس سے بھی وہ قاعدہ مجروح ہوجاتا ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرت علقمہ نے یہ نہیں کہا کہ جہاں يَا أَيُّهَا النَّاسُ ہو وہ آیت مکی ہوگی اور مدنیہ ہوگی، بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ کے مخاطب مشرکین مکہ ہوتے ہیں خواہ آیت مدنی ہو اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے مومنین مراد ہیں (مشرکین مکہ جب ایمان لائے تھے تو پہلے ان سے خطاب تھا) تو یہاں پر يَا أَيُّهَا النَّاسُ اس سے مخاطب وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان نہیں لائے ہیں، وہ مشرکین ہیں کہ لوٹ آؤ اور پروردگار کی نعمتوں کو دیکھو۔

لعل کا لفظ ترجی کے لیے ہوتا ہے۔ امید ہے مستقبل میں ایسا ہوگا تو ترجی بالنسبت الی اللہ کیسے جائز ہوئی۔ ہم تو اس لیے ترجی کرتے ہیں کہ ہمیں اصل واقعہ کا علم نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ تو مستقبل کا عالم ہے تو ترجی کیا بات ہے۔ گویا اللہ کے کلام میں لعل صیغہ ترجی کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے؟

چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ لعل جب بھی اللہ کے کلام میں آئے تو اس سے مراد یقین ہی ہوتا ہے۔

قدریہ چونکہ تقدیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے بھی منکر ہیں کہ کسی کام کے ہوچکنے سے قبل اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات نہیں ہوتی کہ یہ کام کیسے ہوگا؟ ہوگا یا نہیں ہوگا! تو ان کے ہاں لفظ "لعل" یہاں بھی حقیقی معنی پر محمول ہے یعنی ترجی اور شک کے معنی میں ہے۔

وجہ تسمیۃ القدریۃ بالقدریۃ:

لانہم یجنون القدر لانفسہم و ینفونہ من اللہ ۞

یعنی یہ لوگ صفت قدر کی نفی اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اور اپنے لیے اس کو ثابت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو قدریہ کہا جاتا ہے۔

یہاں سے ایک آدمی چوری کے لیے چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس نے چوری کرنا ٹھہرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مجبور نہیں کیا، وہ اپنے اختیار سے ٹھہرا۔ اللہ کی طرف سے اسے مجبور نہیں کیا۔ قدریہ علم کے منکر نہیں ہیں مگر اس کی قدرت کے منکر ہیں۔ ہمارے ہاں تقدیر صرف علم الٰہی کا نام ہی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کا نام تقدیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل کسی کو نہیں بتاتا۔ اسی تفصیلی علم کا نام تقدیر ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا الآیۃ

جس نے زمین کو بچھونا بنایا فرش کے کہ جس پر تم سکونت کرتے ہو۔

نہ تو ایسا سخت بنایا پتھر کی طرح کہ جس پر سکونت کرنا مشکل ہو اور نہ اتنا نرم بنایا کہ اس میں دھنس جائے۔ فِرَاشًا

حرج عظیم باقی ہو۔ پھر موسم کے مطابق زمین میوے نکالتی ہے۔ اسی طرح گرمی اور سردی کا اعتدال باقی رکھا گیا ہے تم لوگ روشنی حاصل کرتے ہو۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا الخ

پس نہ شریک بناؤ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو۔

یہ نتیجہ ہے سابق کلام کا کہ جب اللہ تعالیٰ کے تم لوگوں پر بے پناہ احسانات ہیں تو اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔ اس کو اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے ایک جانو۔ مشرکین مکہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو کہا گیا کہ پھر ربوبیت میں کیوں شرک کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس کے ساتھ اس کی ذات میں یا صفات میں کوئی شریک نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ
(العنکبوت ۶۱)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو؟ اور مسخر کیا سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ ہی نے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب عبادت خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو عبودیت بھی اس کے ساتھ خاص ہونی چاہیے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ یہ دو آیتیں ہیں ایک کو اللہ تعالیٰ نے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ پر ختم فرمایا اور دوسری کو وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ پر ختم فرمایا۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پانچ نعمتیں ذکر فرمائی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے لیس له شریک ولا نظیر ولا ند یعنی اللہ تعالیٰ کا نہ تو کوئی شریک ہے اور نہ اس جیسا ہے اور نہ اس کا کوئی ہم پلہ ہے۔ (۱) تمہارا خلق (۲) تمہارے آباؤ اجداد کا خلق (۳) زمین کی پیدائش (۴) آسمان کی پیدائش (۵) آسمان سے پانی برسانا اور زمین میں چیزیں اگانا اسی کا کام ہے۔ نعمت نمبر ۱، ۲ چونکہ دونوں ایک ہی جنس سے ہیں تو ان کو ایک آیت میں جمع کیا اور نعمت نمبر ۳، ۴، ۵ یعنی خلق سماء، خلق ارض اور انزال ماء من السماء و اخراج الثمرات من الارض یہ تینوں نعمتیں ایک جنس کی ہیں لہٰذا ان تینوں کو ایک آیت میں جمع فرمایا (۲) پہلی دو نعمتیں روحانی ہیں اور بعد کی تینوں نعمتیں جسمانی و حسی ہیں (۳) پہلی دونوں نعمتوں کا تعلق ہوتا ہے نفس و ذات کے ساتھ ہے جبکہ بعد کی تینوں نعمتیں صرف نفس سے متعلق ہیں۔ پھر آخری تینوں کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے زمین پھر آسمان پھر آسمان و زمین دونوں مرکب یعنی پہلے مفردات کے فوائد بیان ہوئے پھر مرکب کے۔ المفرد مقدم علی المرکب طبعا یعنی طبعی طور پر مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔ پھر زمین کو مقدم ذکر کیا کیونکہ زمین اقرب ہے بہ نسبت آسمان کے تو اقرب کو مقدم ذکر فرمایا۔

زمین گول ہے یا نہیں:

بعض لوگوں نے "فراشا" سے استدلال فرمایا ہے کہ زمین گول نہیں ہے کیونکہ فراش کا معنی ہے بچھونا جس کو بچھایا جاتا ہے اور جو چیز بچھائی جائے تو چپٹی ہوتی ہے گول نہیں ہوتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمین کا کروی شکل کا ہونا "فراش" ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کرہ جب بہت بڑا ہو تو اس کی سطح بچھونے بچھانے کی طرح ہوتی ہے اور زمین کی کروی ہونے پر شواہد کثیر ہیں اور قرآن کریم میں کہیں کروی ہونے کا انکار نہیں ہے۔ اب ہوائی جہاز پوری زمین میں جا سکتے ہیں۔ یعنی انگلستان سے جا کر امریکہ سے مل جاتے ہیں تو ایک جگہ سے روانہ ہو کر پھر اسی جگہ پہنچ جانا کرہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ غروب و طلوع کا اختلاف اور اوقات نماز سحر وغیرہ کا اختلاف یہ سب علامات ہیں زمین کے کرہ ہونے کی تو اختلاف مطالع اسی وجہ سے ہے۔

شبہ و جواب شبہ

اب سوال یہ ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے یا ابر سے۔ بظاہر قرآن کریم میں دونوں طرح کی آیات موجود ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں اور اس جیسی دیگر آیات میں تو یہ مذکور ہے کہ بارش آسمان سے برستی ہے اور ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ (سورہ حجر ۲۲)

اور بھیجا کرتے ہیں ہم ہوائیں بھری ہوئی (بخارات سے) پھر نازل کیا کرتے ہیں ہم آسمان سے پانی۔ پھر وہ پانی ہم تم کو پلاتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ

أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ

کیا تم نے اس کو اتارا بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے ہیں؟ (سورہ واقعہ ۶۹)

اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس آیت میں "من" ابتداء کے لیے ہے یعنی پانی کی ابتداء آسمان سے ہے یا مزن سے ہے۔ الجواب: مفسرین نے ان آیات میں تطبیق یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک نفس مطر کی ابتداء ہے کہ مطر کی ابتداء کہاں سے ہوتی؟ اور دوسرا مطر کی قضاء اور مطر کے حکم کا فیصلہ کہاں سے ہوا؟ چنانچہ یہ مطر من تحت العرش ہے۔ آسمان اور تحت العرش سے پانی نازل فرمایا یعنی اس کا حکم عرش سے آیا تو مطر باعتبار حکم و قضاء کے من السماء ہے اور نفس مطر من السحاب ہے۔ لہٰذا اشکال رفع ہو گیا اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ جیٹ طیارہ جو تقریباً ۳۵، ۴۰ ہزار فٹ بلندی پر ہوتا ہے یہ بادلوں کے اوپر ہوتا ہے۔ جب موسم صاف ہو تو آسمان نکل کر نظر آتا ہے تو اوپر بارش نہیں ہوتی اور پتا بھی نہیں چلتا۔ لہٰذا بارش مزن (بادل) سے ہوتی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے

کہ پہلے "وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً" والی آیت مقدم آئی ہے کہ ان سے بارش برسنے کے بعد جب زمین میں پانی ٹھہرا تو پھر نباتات نمو کر اوپر چڑھا یا اور بادلوں سے برسنا تو من المزن والی آیت کی درست ہے۔ گویا مختلف اعتبارات سے دونوں آیتیں درست ہیں زلزلہ الاعتبارات بعلت العبارات: اور پہلی آیت میں تمہارے خلق و تقدم کا ذکر ہے کیونکہ وہ جمعیت کے وقت تمہارے خلق کے اقرب ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

اور اگر تم ہو شک میں اس کلام کی بابت جو نازل کیا ہم نے اپنے بندے پر تو تم بھی لے آؤ

ایک سورت اس جیسی۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ کفار یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی ہم اللہ کی عبادت کریں گے لیکن جس نبی کی بنیاد پر ہمیں دعوت دی جا رہی ہے اس نبی کی صداقت و حقانیت میں ہمیں شک ہے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد بار ارشاد فرمایا کہ اگر اس کتاب کے کلام خداوندی ہونے میں تمہیں شک ہے تو پھر اس کی کوئی نظیر و مثال پیش کرو۔

شبہ اولیٰ:

کفار کو جو شک قرآن کریم کی حقانیت میں ہوا تھا تو ممکن ہے کہ اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ قرآن کریم تورات و انجیل کی طرح دفعۃً نازل نہیں ہوا۔ بلکہ موقع کی ضرورت کے پیش نظر تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ اسی وجہ سے کفار نے شک کیا ہو کہ اگر یہ کلام الٰہی ہوتا تو دفعۃً نازل ہو جاتا جیسا کہ تورات و انجیل سے اللہ تعالیٰ نے معلوم فرمایا۔

شبہ ثانیہ:

اور ان کے شک کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جیسے فصحاء، بلغاء و شعراء کلام کو تالیف کر کے دفعۃً پیش کرتے تھے اور تھوڑا تھوڑا تالیف کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم بھی حسب موقع تھوڑا تھوڑا اترتا گیا۔ انہوں نے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیاس کیا شعراء و بلغاء پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس سے کلام تھوڑا تھوڑا تالیف کر کے پیش کرتے ہیں؟

خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ اگر تمہیں شک ہو تو اس کی مثل پیش کرو۔ اس کے مقابلہ میں کوئی ایک چھوٹی سی سورت پیش کرو اور یہاں پر "اَنْزَلْنَا" نہیں فرمایا بلکہ "نَزَّلْنَا" باب تفعیل کا استعمال فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔

قرآن کریم کی اعجازی شان:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شعراء کا دور دورہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حکیموں اور طبیبوں کا دور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا راج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ نبی کے دور میں جس فن کے ماہر تھے ان پر حجت تمام ہو جائے تاکہ ان کو نبوت و رسالت پر دلائل کی دنیا میں قائل کیا جاسکے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا عصا نصیب فرمایا کہ میدان میں اژدھا بن گیا۔ تمام جادوگر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے اور ان کا جادو اس لاٹھی کے آگے ماند پڑ گیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادرزاد نابینا بچوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بینا کردیتے تھے اور مردوں کو زندہ کرکے اللہ کے حکم سے اٹھا لیتے تھے۔ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا لوگوں کو اللہ کے حکم سے اچھا کردیتے تھے جبکہ کوڑھ کے بیمار اور مادرزاد نابینا کو حکیم لاعلاج قرار دے چکے تھے۔ اسی طرح سرور دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑے بڑے شاعر بڑے بڑے بلغاء و فصحاء موجود تھے۔ اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن عظیم کا معجزہ نصیب فرمایا جس کے آنے کے بعد فصحاء کی فصاحت، بلغاء کی بلاغت اور شعراء کی شاعری کے بازار ٹھنڈے پڑ گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چیلنج کرنے پر بھی کوئی سورت پیش نہ کرسکے اور نہ آیت۔ اعجاز باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے عاجز کردینا۔ کفار کو چیلنج کیا گیا کہ تم اپنے معین و مددگار ساتھ لے کر قرآن کی کوئی مثل تیار کرو۔ شھداء، شھید کی جمع ہے۔ شھید ماخوذ ہے شہود سے۔ یہ لوگ اپنے معبودین کو یہ سمجھتے تھے کہ جب بھی پکارا جائے تو وہ پہنچ جاتے ہیں۔ علم اور قدرت دونوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ وہ لوگ مشکل میں یا عزیٰ و یالات کہتے تھے۔ آج بھی تکلیف میں کوئی کسی کا نام لیتا ہے تو کوئی کسی کا۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس علم محیط ہے۔ ہماری آواز کو سنتے ہیں۔ ان کا عقیدہ بھی مشرکانہ ہے۔ بعض آدمی جب غلطی پر ہوتے ہیں تو دلائل پیش کرنے کے لیے اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ واپس نہیں لوٹ سکتے۔

مشرکین کہتے تھے کہ یہ گواہ ہیں اللہ کے پاس، تو شہید معنی گواہ کے بھی ہوگا اور فرمایا کہ ایک سورت تم بنالو۔ اگر تم اس عقیدہ میں سچے ہو کہ تمہارے معبود قادر ہیں یا مشکل کشا ہیں یا استعانت ان سے جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر عبدنا کہا ہے رسولنا نہیں کہا ہے۔ باوجودیکہ یہاں رسولنا کہنا چاہیے۔ وہ مناسب تھا کہ نزول وحی رسول پر ہوتی ہے۔ ایک شخص جب صفت نبوت کے ساتھ موصوف ہو تو تنزیل و رسالت میں تو مناسبت ظاہر ہے لیکن عبدیت و رسالت میں بظاہر کوئی ربط نہیں ہے؟

یہاں عبدیت کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے عبدنا کہا ہے کہ عبد ہونا گھٹیا مقام نہیں ہے۔ چنانچہ متعدد مقامات میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان صفت عبدیت سے بیان فرمائی ہے۔ سورہ کہف کی پہلی آیت ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۔ الخ

اسی طرح سورہ فرقان کی پہلی آیت ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ

ان تمام جگہوں میں صفت عبدیت کو ملحوظ رکھا گیا۔

مسئلہ نقل کلام العباد، کلام اللہ ہے یا نہیں؟

قرآن کریم میں بسا اوقات عباد کے کلام کو نقل کیا گیا ہے۔ قال فرعون وغیرہ نقل کیا ہے تو وہ آیات جس میں اللہ نے کسی عبد کے کلام کو نقل کیا۔ کیا اس کی نظیر بھی پیش نہیں کر سکتے کہ وہ کلام اللہ ہے۔ اب فاتحہ میں الحمد للہ رب العالمین الخ جو کہ تو یہ بندہ کہتا ہے تو سورۃ الفاتحہ تو قول علی لسان العباد یعنی کلام العبد ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں جو قصص وارد ہیں تو اس کی نظیر کیوں پیش نہیں کی جا سکتی۔

اصل میں دوسرے کے کلام کو نقل کرنے کے دو طریق ہیں۔ ایک روایت باللفظ ہے ایک روایت بالمعنی ہے۔ جیسے احادیث میں ہوتا ہے۔ روایت باللفظ میں ہمیشہ وہی الفاظ رکھے جاتے ہیں اور روایت بالمعنی میں الفاظ اپنے اور مراد دوسرے کی ہوتی ہے۔ اللہ نے قرآن کریم میں جہاں عباد کے کلام کو نقل کیا ہے۔ وہ ان الفاظ کے اپنے ہیں تو یہ روایت بالمعنی ہے کیونکہ فرعون کی زبان عربی نہیں تھی لیکن سب عربی میں نقل کیا فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا وما رب العالمین اور پھر اس کے جوابات ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون تو یہ عربی میں نہیں کہا تھا۔ یہ روایت بالمعنی ہے اور اللہ کا کلام ہے۔ اس لیے اس کی مثل نہیں پیش کر سکتے۔ اس لیے یہ تحدی عام تحدی ہے۔ عام چیلنج ہے۔

یہاں سورہ بقرہ میں ایک سورت کا چیلنج کیا گیا ہے اور سورۃ یونس میں بھی سورۃ کا چیلنج کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (سورہ یونس ۳۸)

کہہ دیجیے کہ تم لے آؤ کوئی سورت ویسی ہی اور بلا لو جنہیں تم بلا سکو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے۔

اسی طرح سورہ ہود میں دس سورتوں کا چیلنج کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ الآیۃ (سورہ ہود ۱۳)

کہہ دیجیے تو لے آؤ تم بھی دس سورتیں ویسی گھڑی ہوئی۔

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں پوری کتاب کا چیلنج کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل ۸۸)

(اے نبی) آپ کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جنات اس قرآن کی مثل لانے پر متفق ہو جائیں تو اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ ان کے بعض بعض کے مددگار رہیں۔

اس آیت میں پورے قرآن کی مثل کا چیلنج کیا گیا ہے۔ یہ کل چار مقامات ہیں۔ ان چار مقامات کی تحدی اور چیلنج میں کوئی معارضہ یا تضاد نہیں ہے۔ شاید پہلے پورے قرآن کی مثل کا چیلنج کیا گیا ہو۔ جب یہ مثل پیش کرنے سے عاجز رہے تو پھر دس سورتوں کا چیلنج کیا گیا۔ پھر ایک سورۃ اور بعض سورت کا بھی چیلنج کیا گیا۔ گویا تنزل ہے من الاعلیٰ الی الاسفل اور یہ طریقہ کار خصم و دشمن کے لیے انتہائی ذلت و پسپائی کا ہے۔ یہ ادعاء عنان ہے کہ نہ پورے قرآن کی مثل پیش کر سکیں، نہ کوئی سورت، نہ کوئی آیت۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

پس اگر تم (سورت پیش) نہ کر سکو اور ہرگز (پیش) کر بھی نہیں سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

یہاں فاتقوا کا جملہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ تم متقین میں شامل ہو جاؤ گے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ جب شروع میں فرمایا کہ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا تو کوئی یہ سوچ سکتا تھا کہ اگر ہم کو مہلت مل گئی اور تیاری کا موقع مل گیا تو ہم مثل پیش کر دیں گے۔ پھر اس وہم کو بھی دور فرمایا کہ تم اس معاملہ میں جتنی کوشش کر لو گے لاحاصل ہوگی، خواہ کتنا ہی طویل زمانہ تم کو مل جائے، لیکن ہرگز اس کی مثل پیش نہیں کر سکو گے۔ "ان" جملہ شرطیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس میں امکان مقدم شرط نہیں ہے مقدم ہو یا نہ ہو۔ لیکن جملہ شرطیہ میں اصل میں تلازم بین الشرط والجزاء کو دیکھا جاتا ہے۔ جیسے ان کان زید حمارا کان ناھقا تو تلازم بین الشرط والجزاء درست ہے یہ جملہ صادق ہے اور مقدم کا امکان نہیں ہے۔ یہاں بھی فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا میں مقدم کا امکان نہیں ہے یعنی مثل پیش کرنے کا امکان نہیں ہے تو بیان کا فائدہ ہوا اور آگے "وَلَنْ تَفْعَلُوْا" فرما کر مایوس کر دیا کہ یہ کام تم سے ہرگز نہیں ہو سکے گا، البتہ تقویٰ کی فکر کرو۔ ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہونے کی فکر کرو اور اس آگ سے بچنے کی فکر کرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور یہ چیلنج عربی زبان میں ہے کہ عربی زبان میں اس کی مثل پیش کرو۔ کسی اور زبان کا چیلنج نہیں ہے۔ وَقُوْدُ وہ چیز جس سے آگ روشن ہوتی ہے اور وَالْحِجَارَةُ سے مراد یا تو وہ پتھر ہیں جن سے بت تراشے گئے تھے یا گندھک نما پتھر جن سے آگ خوب تیز ہوتی ہے اور شاید اس گم میں

جب بھی دیا جائے گا ان کو ان جنت میں سے کوئی پھل بطور رزق کے تو کہیں گے کہ یہ وہی ہے
جو اس سے قبل ہم کو دیا گیا تھا اور دیئے جائیں گے ملتا جلتا
یعنی پہلے رزق کے ہم رنگ وہم صورت پھل دیئے جائیں گے۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ لفظ "كُلَّمَا" دلالت کرتا ہے تمام افراد رزق پر اور تمام مرات رزق کو شامل ہے یعنی جو بھی چیز جس وقت بھی دی جائے گی تو وہ لوگ کہیں گے کہ یہ پہلے کی طرح ہے۔ جیسا کہ اطلاق میں لفظ "كُلَّمَا" میں تعمیم ہوتی ہے ہر صورت اور ہر ثمرہ اس لفظ میں شامل ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جنت میں جب پہلی بار بالکل ابتداء میں جنتیوں کو گوشت یا پھل وغیرہ ملیں گے تو اس وقت یہ کیسے کہیں گے هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کیونکہ اس سے پہلے تو ان کو کوئی چیز ملی نہیں ہوگی؟ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ مِنْ قَبْلُ سے مراد اس صورت میں دنیا کی نعمتیں ہوں گی۔ کیونکہ جیسے دنیا میں کھجوریں، انگور، انار، سیب وغیرہ پھل اور گوشت کے انواع ہیں تو جنت میں بھی کم و کیف کی تبدیلی کے ساتھ یہی چیزیں ہوں گی۔ مذکورہ جواب پر بھی یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب جنت کی نعمتوں کی مثالیں دنیا میں موجود ہیں اور شکل و صورت میں جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کی طرح ہوں گی تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا؟ ما لا عين رأت ولا اذن سمعت الحديث اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مفسرین نے تو من قبل کو عام کر دیا اور مطلب یہ ہوگا ای من قبل سواء كان في الجنة او في الدنيا یعنی تشبیہ جنت کے پہلے پھلوں کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے اور دنیا کی نعمتوں کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ من قبل سے مراد جنت ہی کے پہلے پھل مراد ہیں اور جب اہل جنت کو پھل اور دیگر نعمتیں ملیں گی تو وہ پہلے پھلوں اور نعمتوں سے جو ان کو مل چکی ہیں مشابہ ہوں گی۔ مشابہت کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

انہار اربعہ فی الجنۃ:

انہار جنت ... جنت میں جو نہریں ہیں وہ چار قسم کی ذکر کی گئی ہیں۔ پانی کی نہریں، شہد کی نہریں وانهار من عسل مصفى، دودھ کی نہریں اور شراب کی نہریں۔ واضح رہے جنت کی شراب میں نشہ نہیں ہوگا۔
شرابی اعتراض کریں گے کہ پھر محروم کیا ہوا، لیکن دنیا کے شرابی آخرت میں محروم ہوں گے من لبسه في الدنيا لم يلبسه في الآخرة (ترغیب) یعنی جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہن لیا تو آخرت میں اس کو نصیب نہ ہوگا۔ اگرچہ حقیقت میں وہ جنت میں چلا جائے، لیکن ولباسهم فيها حرير نہیں ہوں گے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ الآیۃ اور ہم ان کے سینوں سے کینہ نکال باہر کریں گے (سورہ حجر آیت ۴۷) تو شراب جس کو نہ ملے گی وہ بھی قانع ہوگا اور ایک غریب آدمی جس کو روٹی مل جائے تو وہ بڑے وڈیروں کی روٹی کی طرف نظر نہیں کرتا۔ باقی تشنگی کا احساس ہے تو اس کا نفس چاہت نہیں کرے گا۔

انسان کے لیے ضروری ہے۔ اس آیت میں تینوں چیزیں یاد دلائی ہیں۔ خلقکم تو مبداء معلوم ہے کہ عدم سے وجود میں لائے۔ معاش کا ذکر جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا اور رِزْقًا لَّكُمْ ہے۔ پھر معاد کا ذکر اولاً معاندین قرآن کا تُک الگ ہے فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي الخ معاد الکفار ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تا خَالِدُونَ معاد المومنین ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس شبہ کو رد کر دیا کہ یہ قرآن منزل من اللہ نہیں ہے تو ایک شبہ اور تھا مشرکین کا کہ قرآن کو کیسے اللہ کا کلام مانیں کہ اس میں بڑی حقیر چیزوں کو پیش کیا جاتا ہے اور کوئی بڑا آدمی ان چیزوں کا ذکر نہیں کرتا جیسے مچھر، مکھی وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ "اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس کو اس سے نہیں چھڑا سکتے۔ (سورہ حج ۷۳)

اور کوئی تو ان کا نام بھی نہیں لیتا مگر اللہ تعالیٰ بزرگوں کا بزرگ ہے وہ کیوں ذکر کرے گا۔ لہٰذا یہ منزل من اللہ نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا الآیہ اللہ تعالیٰ نہیں حیا کرتے، اللہ نہیں شرماتے کہ اللہ مچھر سے مثال بیان کرے یا جو مچھر سے اوپر ہے پس وہ لوگ جو مومن ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ رب کی طرف سے حق ہے اور کافر کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا۔ اللہ ایسی مثال دے کر بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور نہیں گمراہ کرتا مگر گمراہوں کو جو عہد کو توڑتے ہیں۔ یعنی توڑتے ہیں ان چیزوں کو جن کو جوڑنے کا حکم ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ زیاں کار ہیں۔ اور تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو کہ تم کو زندہ کیا پھر مار کر زندہ کرے گا وہ اللہ کہ جس نے تمام آسمان و زمین کو پیدا کیا۔

مچھر کی مثال دینے سے اللہ نہیں شرماتا فَمَا فَوْقَهَا مچھر سے اوپر کے کیا معنی ہیں۔ یعنی مچھر سے جسامت میں بڑا مراد ہے جیسے مکڑی اور مکھی تو عنکبوت اور ذباب بھی بعوضہ سے فوق ہیں اور اللہ مثال دیتے ہیں مکڑی یا جو فوقہا ہو یا اس سے اصغر ہو۔ یعنی مچھر سے بھی بڑھ کر چھوٹا ہو جو چھوٹے پن میں جیسے جناح بعوضہ یعنی مچھر کے پر جیسا ہے۔ جیسے حدیث میں ہے:

لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى الله كافرا منها شربة ماء (تفسیر ابن کثیر)

اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ نافرمان کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

لیکن لوگ دنیا کے کتنے دلدادہ ہیں؟ معلوم ہوا کہ کروڑ پتی ہونا بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ مچھر کے پر کے ساتھ مثال حقارت کے لیے دی ہے۔

عرب میں بعوضہ سے چھوٹے پن کی مثالیں عام دی جاتی ہیں۔

ما البق و ما الشحم ما رجل الجراد

فاسق جنت میں جائیگا یا جہنم میں؟

پہلا سوال تو یہ ہے کہ فاسق مسلمان رہتا ہے یا کافر ہو جاتا ہے؟ فاسق ایک تو وہ ہے جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہو یا صغائر پر اصرار و دوام کرتا ہو اور توبہ بھی نہ کی ہو لیکن اس کے دل میں ایمان ہو۔ یہ فاسق اہل سنت والجماعت کے نزدیک (مع المؤمنین) مومن ہے۔ معتزلہ کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن درمیان میں ہے۔ لیس بمؤمن ولا کافر یعنی نہ مومن ہے نہ کافر ہے۔ گویا معتزلہ کے ہاں تین درجے ہیں۔ (۱) مسلم (۲) کافر (۳) فاسق۔ خوارج کے نزدیک ایسا شخص داخل فی الکفر ہے اور معتزلہ کے ہاں اذا خرج من الاسلام یدخله فی النار ولا یصلی علیه ولا یدفن فی مقابر المسلمین یعنی جب وہ اسلام سے خارج ہو گیا تو پھر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے دلائل بہت زیادہ اور قوی ہیں۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ الآیہ

جب ایک شخص نے کلمہ پڑھا تو گویا اس نے عہد کر لیا۔ منافقین بھی اس عہد و پیمان میں شامل تھے اور کہتے تھے نشهد انک لرسول الله۔ پھر اس کو توڑتے تھے۔ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ یعنی اللہ نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ توڑتے ہیں۔ مومنین کو لڑائی پر اکساتے ہیں، غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہ خسران اور ٹوٹے میں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پھر انہیں آلاء اللہ تسلیم کراتے ہیں کہ تم کیسے کفر کرتے ہو جب تم اموات تھے، عدم میں تھے۔ تم میں حیات نہیں تھی۔ ہم نے تمہیں حیات دی۔ پھر موت کے بعد حیات دیں گے۔

عدم دراصل مستور (پوشیدگی) ہوتا ہے۔ اس جہان میں عدم اصلی سے وجود میں آگیا۔ لہٰذا موت کے بعد موت کا آنا ہے۔ التعقیب مع الوصل ہے۔ لیکن حیاۃ کے بعد بھی جو موت آتی ہے۔ اس میں فاصلہ ہوتا ہے۔

موت بھی نعمت ہے کہ یہ جو حیات دنیا ہے، وہ کچھ نہیں ہے۔ البتہ جنت کے مقامات اچھے ہیں اور حیات دنیوی قطع کیے بغیر وہاں نہیں جا سکتے۔ اس لیے بطور انعام ذکر کیا۔

حیات برزخی اور حاضر و ناظر کا مسئلہ

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ یہاں موت کے بعد بھی حیات ہے لیکن فاصلہ ہے۔ پھر کافی زمانے کے بعد تم زندہ کیے جاؤ گے۔ موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ اس حیات کو حیات برزخی پر محمول کرتے ہیں وہ اس حیات کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہاں حیات برزخی مراد ہے کیونکہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ حیات برزخی ہے کہ وہاں قبر میں منکر نکیر کا سوال ہوگا۔ پھر پوچھا جائے گا من ربک، فیقول ربی الله اور بعض روایات میں ہے

گمراہ ہے۔ سوم برزخ میں حیات ہوتی ہے۔ کسی کی ضعیف کسی کی، ضعف کسی کی قوی اور کسی کی اقوی الخ کہا کرتا
اور یہ حیات کیسے آتی ہے کیسے ہوتی؟ جزء بدن مراد ہے یا کل بدن مراد ہے۔ ردہ اللہ علی روحی مراد ہے یا جسد مثالی
ہے یا عنصری ہے۔ یہ سب تحقیقات علمیہ ہیں۔ یہ سب تحقیقات علیین و سجین سے قائم ہیں۔ اس میں تم بھی
آزاد ہو اور عوام بھی آزاد ہیں۔ جو لوگ سرے سے موت کو نہیں مانتے یہ بھی گمراہی ہے اور موت کو ماننے کے بعد
جو لوگ پتھر کی مثل کہتے ہیں۔ یہ پتھری لوگ ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

اللہ نے اتذکیر بآلاء اللہ کے ضمن میں فرمایا کہ ارشاد وہ ہے کہ جس نے پیدا کیا تمہارے لیے (" لکم "
کا لام انتفاع کے لیے ہے) وہ جو کچھ زمین میں ہے سارا کا سارا۔ پھر آپ متوجہ ہوئے آسمان کی طرف پھر بنایا
آسمانوں کو سات آسمان۔ یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش بلکہ ما فی الارض الجمادات و
النباتات و الحیوانات کو پہلے پیدا کیا تو ترتیب خلق یہ ہے آسمانوں کو بعد میں پیدا کیا ہے۔ چنانچہ دوسری
آیات میں دیکھتے ہیں تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خلق سماء مقدم ہے اور خلق ارض مؤخر ہے۔ آپ دیکھیں اس طرح بھی
صریح آئی ہیں۔ سورۃ نازعات میں ہے۔

ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا

تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمان کی تخلیق جس کو اللہ نے بنایا۔

وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ۝ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ۝ (نازعات: ۳۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو پہلے بنایا اس کے بعد ارض کو پیدا کیا اور پھیلایا۔ یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ
زمین کی پیدائش بعد میں ہوئی ہے۔ ان آیات کے درمیان مطابقت کیسے ہوگی؟

بعض لوگ تطبیق یوں دیتے ہیں کہ خلق الارض مقدم ہے علی خلق السماء۔ ایک دحو الارض ہے وہ
مؤخر ہے خلق آسمان سے یعنی زمین کو پہلے مختصر پیدا کیا۔ سوال یہ ہے کہ یہاں مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ہے کہ جبال
بھی ہیں، نباتات بھی ہیں کہ ثُمَّ اسْتَوَىٰ ہے۔ ساتھ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ ہے تو پھر دحو الارض کی تطبیق کیسے ہے کیونکہ
انسان وغیرہ دحو الارض کے بعد ہی تو ہوں گے۔ تو اگر نفس ارض ہوتا تو یہ توجیہ صحیح ہوتی لیکن یہاں مَّا فِي الْأَرْضِ ہے۔

قبل الدحو جبال یا انہار ○

پہلے ان کی اجمالی صورت تھی۔ اس کے جبال بھی مختصر تھے۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ تھا تو تمام اعضاء
چھوٹے چھوٹے تھے۔ کبھی کبھی کوئی چیز ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اجمالاً تمام اعضاء ہوتے ہیں۔ اسی طرح زمین کے
اندر جو چیزیں ہیں یعنی النباتات و الجبال و الانہار یہ ساری چیزیں اس میں اجمالاً تھیں۔ لیکن یہ سب تفصیل
کے ساتھ نہ تھے۔ پھر آسمان پیدا کیا گیا ہے۔ پھر انہار سمندر وغیرہ نکل گئے تو جیسے دحو الارض و خلق

مقصد بیان تخلیق سماء وارض نہیں، بلکہ تعارض دور کرنا ہے:

باقی چھ دن میں جو کچھ ہے وہ پیدا کیا گیا ہے لیکن ہم ان باتوں پر زور نہیں دیتے۔ آپ لوگ ان باتوں پر زیادہ زور نہیں دیتے جو عقیدے سے متعلق ہیں۔ آپ علمی تحقیقات پر زور دیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ سے آسمان وزمین کی پیدائش کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ یہاں تفصیل بیان کرنے سے مقصود قرآن کی دو آیت کے ظاہری تعارض کو دور کرنا ہے تو اس کو ہم نے دور کر دیا۔

ارضین و سموات سبعہ یعنی سات زمین اور سات آسمان:

آسمان کے طبقات سبعہ ہیں۔ سموات بصیغۂ جمع اور ارض بصیغۂ مفرد قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن زمینیں بھی سات ہیں۔ ومن الارض مثلهن جب اللہ نے فرما دیا تو سات زمینیں ہی ہیں۔ جیسے ایک حدیث بالکل مشابہ ہے کہ ہر زمین میں اپنی اپنی مخلوق ہے اور وہاں پیغمبر بھی آتے ہیں۔ وآدمهم كآدمكم ومحمد هم كمحمدكم ہیں تو وہ مختلف ہو سکتی ہے۔ ان کا آدم اور ہے ہمارا اور ہے۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے سلسلے میں بہت بڑی تفصیل بیان کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمینیں الگ الگ ہیں۔ یہ سوال تم پر محمول کر لیں اور سات اقالیم پیدا کی ہیں تو زمین کے جو اقلیم ہیں وہ مراد ہیں۔ کیونکہ فی الواقع زمین ایک ہے۔ اس کے حصے سات ہیں بخلاف آسمانوں کے کہ آسمان فی الواقع سات ہیں، سات طبقات ہیں اور جنہیں علم ہیئت اور ہیئت یونان نے اس پر استقامت ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ نو ہیں۔ ہر ایک میں ایک ایک سیارہ ہے۔ سات الدنیا قمر، عطارد، مریخ، شمس، زہرہ، زحل، مشتری ہے اور ایک فلک ثوابت ہے کہ باقی تمام تارے اس میں ہیں اور نواں فلک الافلاک اور فلک اطلس بھی کہتے ہیں۔ اس میں کواکب نہیں ہیں۔ پھر ان کی حرکات بھی الگ الگ ہیں۔ لیکن اسلام سے ان کو کوئی تائید حاصل نہیں ہوتی۔ پھر حرکت یومیہ فلک الافلاک سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ بڑی تفصیل علم ہیئت میں آئی ہے۔ یہاں کا ذکر مقصود ہے جس پر آپ کے نظام منحصر ہیں۔

تکلفاً اسلام میں بھی سات آسمان ہو سکتے ہیں:

اسلام میں سات آسمان کا تذکرہ تو ہے لیکن اسلام میں وسع کرسيه السموات بھی ہے کہ کرسی آسمان کے اوپر ہے اور عرش بھی ہے۔ اس لیے علمائے ہیئت یونان سے تحقیق کر کے کہتے ہیں کہ اس طرح بھی ۹ بنتے ہیں۔ یعنی کرسی کو آٹھواں آسمان اور عرش کو فلک الافلاک قرار دیتے ہیں لیکن یہ بھی تکلف ہے۔ تمام علماء نے بطلیموس کی ہیئت کو بڑھ کر مطابقت دینے کی کوشش کی ہے۔ ان کے بارہ آسمان ثابت ہیں۔ اور قرآن کے نزدیک "اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ" ہے اور اسلام کے مطابق آسمان سے آگے بھی ہو سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو پہلے آسمان پر ابراہیم، پانچویں

ادھر صبح صادق ہو گئی۔ عشاء کا وقت بھی نہیں ملتا۔ وہاں بھی تقدیر ایام ہے۔ یہ بات خط استواء سے ۶۶،۶۰ درجہ جانب شمال کو ہے۔ وہاں بھی انسان آباد ہے۔ آج کل ایسے ذرائع ہیں کہ بحر منجمد میں بھی رہائش ممکن ہے۔ جیسے یہاں شدید گرمی میں ایئر کنڈیشنڈ لگا کر رہتے ہیں۔ وہاں ہیٹر لگا کر رہ سکتے ہیں۔

اب وقت کے تقرر کا سبب صلوٰۃ ہے، لیکن ہمیشہ ایسے نہیں ہو سکتا کہ وہاں بھی پانچ اوقات ہوں، اس لیے وہاں پر فقہاء کے نزدیک تقدیر یا اوقات ہوگی۔

مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ

سے نکالا جس میں تھے اور ہم نے کہا تم سب اترو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں

مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ

ٹھکانا ہے اور سامان ایک وقت معین تک پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کئے پھر اس کی توبہ قبول فرمائی

إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ

بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ہم نے کہا تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس

مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ

میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت پر چلیں گے ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾

اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے

افادات محمود

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کہ میں بنانے والا ہوں ایک نائب۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ ایسا نائب بنانا چاہتے ہیں جو دنیا میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ حالانکہ ہم تسبیح پڑھتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ خدا نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں پر پیش کیا۔ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ فرشتوں نے کہا آپ تو پاک ہے۔ ہمیں کچھ علم نہیں ہمارے لیے مگر جو آپ نے ہم کو سکھایا ہے۔ بے شک آپ ہی جاننے والے حکمت والے ہیں۔ اور فرمایا اے آدم ان کو بتا دے ان چیزوں کے نام۔ جب انہوں نے بتائے ان چیزوں کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور جانتا ہوں وہ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔"

یہاں خطاب فرشتوں سے ہے کہ انسان پیدا نہیں ہوئے تھے تو ذوی العقول کی دو ہی قسمیں تھیں۔ ملک اور جن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ بناؤں گا اس رکوع کا خلاصہ یہ ہے کہ نظام عالم کے لیے خلیفہ کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا کنتم ثلاثا فلیؤمروا یعنی ایک امام کے بغیر کسی اجتماعی نظام کے لیے ایک امیر بنایا جائے ورنہ انتشار ہوگا۔ ہر آدمی اپنا اپنا فیصلہ کرے گا۔

قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا الآیہ فرشتوں نے یہ کہا کہ آپ ایسے آدمی کو خلیفہ بنائیں گے جو انتشار کرے گا اور

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ۝

اس (یوسف) نے کہا مجھے مقرر کیجیے ملک کے خزانوں پر بے شک میں بڑا حافظ صاحب علم

ہوں۔ (سورۂ یوسف/۵۵)

یہاں خزانہ صرف حساب سے الگ تحت ہو ایک امین نہیں بددیانت ہے۔ وہ بھی وزارت خزانہ کا اہل نہیں
ہے۔ تم بھی دنیا کے لوگوں سے تعلق رکھو۔ ان کے دکھوں کا علاج کرو اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرو۔ آپ خلیفہ
بن گئے۔ استحقاق ثابت ہو گیا۔ مقابلہ کے امتحان میں آپ کا جد امجد جیت گیا اور فرشتے شکست کھا گئے۔ اب
فرشتوں پر جب آپ کی برتری ثابت ہو گئی تو فرمایا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو۔

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۔ لیکن ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا تھا (اللہ کے علم میں)۔

سجدہ غیر اللہ کسی بھی ملت میں ثابت نہیں ہے:

غیر اللہ کو سجدہ کسی بھی دین اور ملت میں جائز نہیں ہے۔ یہ عبادت و توحید کا مسئلہ ہے۔ شرک فی العبادۃ سے
اجتناب ضروری ہے۔ ہر ملت میں سجدہ اور عبودیت صرف اللہ کے لیے رہا ہے۔ بغیر توحید کے کوئی دین نہیں رہا ہے۔
یہاں سجدہ سے مطلق تعظیم مراد ہے اور عبادت سے بھی انتہائی تعظیم مراد ہے اور انتہائی تعظیم معبود حقیقی کے ساتھ خاص
ہے۔ کما لا یخفی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو جب سجدہ مطلق تعظیم ہے تو یہاں بھی یہی مراد ہے۔

اب فرشتوں کا انسان کے بارے میں عیب جوئی کرنا تعجب نہیں ہے۔ یہ جبلت کا تذکرہ ہے۔ بعض کے
نزدیک سجدہ اور عبادت صرف خدا کی ہے اور آدم کو قبلہ کہا گیا ہے۔ ہم کعبہ کی نماز نہیں پڑھتے لیکن عبادت کا مرکز
ہو کر بھی شرف و کرامت کا مستحق ضرور ہے۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ہے۔ عبادت بیت کی نہیں بلکہ
رب البیت کی ہے۔ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ۝ تو یہاں سجدہ تو اللہ کا ہے۔ مرکز اور قبلہ آدم تھا۔ جیسے کعبہ معبود
نہیں اسی طرح آدم بھی معبود نہیں ہے۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ:

اب سوال یہ ہے کہ ابلیس فی الواقع فرشتوں میں سے نہیں تھا۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ

وہ تھا جنوں میں سے پس اس نے اپنے رب کے حکم کی سرتابی کی۔ (سورۂ کہف/۵۰)

جب یہ اللہ کے حکم سے نکل گیا تو شیطان ہی بن گیا۔ اللہ نے حکم دیا تھا فرشتوں کو مگر یہ تو جن تھا۔ اس کو سجدہ کا
حکم نہیں تھا۔ وہ تو مامور بالسجدہ بھی نہیں تھا۔ اس پر عذاب کیوں کر ہو؟ عام مفسرین یہ توجیہ کرتے ہیں کہ جن عام
ملائکہ سے نہیں تھا لیکن اختلاط بالملائکہ ضرور تھا۔ یہی فرشتوں کی جماعت سے خطاب تھا جیسا کہ اس

مجمع سے خطاب کر رہا ہوں۔ اس جلسے میں ایک ایسا شخص بھی تھا کہ یہاں پر اس کا وظیفہ نہیں ہے اور میں یہاں پر کسی وجہ سے کہوں کہ سب کھڑے ہو جاؤ۔ تو کل جلسہ میں ہے سب کھڑے ہو گئے۔ ایک آدمی نہ کھڑا ہوا۔ اس کا نام بھی رجسٹر میں نہیں ہے۔ داخلہ بھی نہیں یا کوئی غیر تھا۔ اس نے بات نہیں مانی تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس دن طالب علموں سے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ تو ایک کمبخت کھڑا نہ ہوا جو مجلس کے لوگوں سے خطاب تھا۔ لیکن حکایت میں صرف طالب علم سے تعبیر کیا کہ الحکم للاکثر یا اکثریت فرشتے تھے تو مجلس سے اصالۃً خطاب تھا۔ حکایت میں صرف فرشتوں کا تذکرہ ہے۔ خطاب میں ابلیس بھی مجلس میں شامل تھا کیونکہ اسجدوا لآدم ہے۔ لانہ شامل فی جلسۃ الملائکۃ: والخطاب یشملہ کما یشمل الملائکۃ جب قصہ بیان کر دیا تو اس میں فرشتوں کا ذکر کیا کہ خطاب مجلس کو تھا ملائکہ کو نہیں تھا۔ اس لیے وہ عصیان کا مرتکب ہوا۔ اس لیے لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ جو اس جہان میں ہوا وہ حسد کا گناہ ہے کہ آدم کو مقام خلافت کیوں دیا گیا۔ اس کو بھی تکبر بتایا گیا ہے۔

والحسد والکبر اولی المعاصی من عصیان اللہ

یعنی حسد اور تکبر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سے پہلی نافرمانیاں ہیں۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝

کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔ (سورۃ اعراف: ۱۲)

اب شیطان پیچھے ہے۔ شیاطین الانس غالب آ گئے شیاطین الجن پر۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ الآیہ

اور ہم نے کہا کہ آدم رہو تم اور تمہاری زوجہ جنت میں (وہاں کی پسلی سے پیدا ہوئی لیکن خلقت معہودہ کی طرح نہیں کہ حضرت حوا ماں سے پیدا ہوئیں) اور تم کھاؤ اس میں جنت سے وسعت کے ساتھ۔ کوئی پابندی نہیں ہے۔ جہاں سے چاہو کھاؤ۔ پابندی صرف ایک ہے کہ اس درخت کے قریب مت جاؤ۔ اگر تم قریب گئے تو فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

شجرہ سے کیا مراد ہے اس میں کئی اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ گندم مراد ہے۔

تعریف الشجر

الشجرۃ الحنطۃ

شجرہ کہتے ہیں کہ ینبت من الارض و یقوم علی الساق (جو زمین سے اگے اور تناور ہو)۔ جو زمین پر

پھیل جائے تو وہ شجرہ نہیں ہے۔ جیسے کدو اور خربوزہ وغیرہ۔ اگرچہ قرآن میں ہے۔ ۔ ۔

وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ (الصّٰفّٰت/۱۴۶)

ہم نے اگایا اس پر کدو کا درخت

یہاں کدو کو شجرہ کہا گیا۔ لیکن وہ یقطین حضرت یونس علیہ السلام پر ایک بیل ساق تھی۔ پھر اوپر بیل کو پھیلا دیا تا کہ آدمی اس کے نیچے آ جائے۔ اس بیل کا ساق بھی موجود تھا اس لیے اسے شجرہ کہا گیا ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ

"شیطان نے ان کو پھسلایا پھر ان دونوں کو نکال دیا جنت کی راحت و آرام سے اور ہم نے کہا کہ اتر جاؤ بعض تمہارے بعض کے لیے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور رہنا ہے۔ وہ دائم نہیں ہے۔ ایک وقت تک رہو گے۔ پھر آدم علیہ السلام نے کچھ کلمات اللہ سے حاصل کیے۔ اللہ نے القاء کیا اور انہوں نے وصول کیا۔ وہ کلمات پڑھ کر توبہ کر رہے بے شک وہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس اگر آ جائے میری طرف سے ہدایت الخ

جنت سے نکالنا یہ بھی ایک حیلہ اور نعمت ہے:

حضرت آدم علیہ السلام پہلے جنت میں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں فرمایا تھا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں) آدم کو جنت میں جانے اور جنت میں رہنے کے لیے پیدا تو نہیں کیا ہے ورنہ خلیفہ جنت میں ہوگا اور معاملہ دنیا میں ہوگی۔ آدم کی فضیلت پر یہ دلیل قائم کی۔ اس لیے وہاں لے جا کر پھر جنات و ملائکہ کو بتلایا کہ ان کی کیا عظمت ہے۔ اب یہاں جنت میں سے نکالنا بھی تھا۔ انہیں بے جا نکالنا کیسے ہوتا۔ نکلنے کا بہانہ ضروری تھا وہ طرفہ بہانہ بنایا گیا۔ ادھر آدم پر الزام لگایا گیا کہ تم نے خود ظلم کیا ہے۔ جب انسان اپنی غلطی میں خود ماخوذ ہو جاتا ہے تو وہ متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ کلمات سکھائے گئے کہ اقرار کرو کہ زیادتی آدم کی اپنی تھی۔ انہوں نے خوشی سے نکلنا قبول کیا کیونکہ وہ دلیل سے شکست کھا گئے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ شیطان کی شیطنت و اضلال اور آدم کے لیے مشکلات پیدا کرنا اور ایک مقام سے گرانا اور پہنچ حال میں ظاہر کرا دینا۔ یہ بھی تو بتا دیا تھا کہ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ بیشک وہ تمہارا دشمن ہے کھلا ہوا۔ گویا شیطان کی نفرت اور ان کے اضلال کا اقرار ابتداء میں آدم و حوا یعنی دونوں ماں باپ کے دل میں ڈال دی گئی تا کہ آدم کا ورثہ بھی یہی ہو۔ بہر حال ایک ہی بات سے دونوں فائدے حاصل ہو گئے۔ حضرت آدم بھی جنت سے باہر آ گئے اور شیطان کی عداوت کا تصور بھی ذہن نشین ہو گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء معصوم ہیں۔ قبل النبوۃ بھی اور بعد میں بھی معصوم ہوتے ہیں۔

یہ تو شیطانی حرکت ہے بلاشبہ وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح، بولا اے میرے رب بیشک
میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر پس معاف کر مجھ کو سو معاف کر دیا اللہ نے اس کو۔

یہ تمام باتیں خواہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یا کسی اور نبی سے
یہ معصیت ہے ہی نہیں۔ معصیت یہ ہے کہ بالارادہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے۔

(۲) یہ باتیں صورۃً معصیت تھیں، لیکن حقیقت میں یہاں کوئی معصیت نہیں تھی، بلکہ خلاف اولیٰ بات ہوئی ہوئی اور خلاف اولیٰ بات بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کے بلند و بالا مرتبے کے شایانِ شان نہ تھی۔ جیسا کہ مشہور ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ ہیں) جیسے ایک دیہاتی شخص آ جائے اور آداب سے واقف نہ ہو تو اس کی غلطی پر بھی اس کو انعام دیا جاتا ہے، لیکن کبھی کبھی سزا بھی ہو جاتی ہے۔ دوسری جانب آداب جاننے والوں اور مقرب لوگوں کو کسی غلطی کی اجازت نہیں ہوتی۔ بہرحال یہ خلاف اولیٰ باتیں ہیں جن پر بظاہر معصیت کا اطلاق کیا گیا۔ یہ باتیں حقیقت میں معصیت نہیں ہیں۔

(۳) اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی غلطی اجتہادی غلطی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ تو یا شارہ شخصی تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سمجھے کہ اشارہ اسی مخصوص شخصی ہے اور شجرہ ممنوعہ صرف اسی درخت کو خیال فرمایا جو مشار الیہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مراد تھی وَلَا تَقْرَبَا مِنْ نَوْعِ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ شخصی درخت کو چھوڑ کر دوسرے درختوں سے کھا لیا تو اپنے خیال میں حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کو پورا فرمایا کہ اس درخت کو چھوڑ کر دوسرے سے کھا لیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تخصیص نوعی کی اور حضرت آدم نے تخصیص شخصی مراد لی۔ لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام کا اصل مقام یہ ہے کہ وہ ایسے امور میں زیادہ احتیاط کریں۔ اگر اس حکم کو تخصیص نوعی پر محمول فرما دیتے تو اس صورت میں زیادہ احتیاط ہوتی۔ گویا خلاف احتیاط کو وعصیٰ آدم ربہ سے تعبیر فرمایا۔

(۴) اور چوتھا جواب یہ ہے کہ شیطان کا انداز گفتگو ایسا تھا کہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام جلدی دھوکا میں پڑ گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھا کر شیطان نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو ہمیشہ رہنے کا نسخہ بتلا رہا ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ

اور قسم کھائی ان کے سامنے کہ میں تو تمہارے لیے البتہ نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں
پس اس نے مائل کر دیا ان دونوں کو دھوکہ سے۔ (سورۃ اعراف ر ۲)

یعنی میاں بیوی دونوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھائیں اور شیطان سے قبل کسی نے اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھائی تھی اور نہ حضرت آدم علیہ السلام نے کسی سے جھوٹ سنا تھا۔ اس سادہ طرح آدمی سے

شیطان نے یہ دوسرا اقرار کیا۔ پھر بھی حضرت آدم علیہ السلام نے تخصیص نوعی کو تخصیص شخصی پر محمول فرمایا تو یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔

جنت سے نکلنا بھی ایک نعمت ہے:

اصل بات یہ ہے کہ یہ حضرت آدم کو جنت سے باہر نکالنے کے اسباب تھے۔ اگر ہمارے بابا وہاں رہتے تو توالد و تناسل کا سلسلہ جاری نہ ہوتا۔ جنت توالد و تناسل کی جگہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت حوا کی جنت میں معاً عمر بھر پیدا نہیں ہوئی تھیں اور جمعہ کا دن چونکہ مقدس دن ہے لہٰذا حضرت آدم کو جنت سے جمعہ کے دن نکالا گیا۔ حضرت آدم کے اس اخراج کو اللہ تعالیٰ نے بطور انعام ذکر فرمایا ہے اور انسانوں پر اس کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت آدمؑ کو شیطان نے وسوسہ کیسے ڈالا تھا؟ اس کے بھی متعدد جوابات ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان بنی آدم کی رگوں میں خون کی طرح چلتا پھرتا ہے اور وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ یہ وسوسہ جنت کے باہر سے ڈالا گیا یا اندر داخل ہو کر تو بظاہر دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ اس میں کوئی شرعی استبعاد نہیں ہے۔ بلکہ اس بحث میں پڑنا فضول ہے۔ اصل مقصد حضرت آدم کو زمین کا خلیفہ بنانا تھا اور اصول ہے کہ كل شيء يرجع الى اصله. اس وجہ سے حضرت آدم کو زمین پر اتارا گیا۔ جنت میں رہتے ہوئے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا تو وہ زمین پر اتر گئے۔ وہ اصلی فطرت سلیمہ پر قائم تھے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

ما من مولود الا يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه (بخاری)

یعنی ہر بچہ دین اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ گویا جن لوگوں کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ اولاد آدم نہیں ہیں۔

جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ ابن آدم نہیں:

نوحؑ نے دیکھا کہ میرا بیٹا مر رہا ہے۔ تو اسے فرمایا

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ (ھود ۴۲)

اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ۔

اس کے غرق ہونے کے وقت فرمایا:

رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

اے میرے رب بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔ (سورہ ھود ۴۵)

یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے اور ہر ایک بیٹے سے بہت بڑی نسل چلی اور یوں بارہ قبیلے ہو گئے۔ چنانچہ ان بارہ قبیلوں کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل سے خطاب کی وجہ

بنی اسرائیل کے لفظ میں ہی دعوت موجود ہے۔ لفظ بنی اسرائیل کا مفہوم یہ ہے کہ تم تو بہت بڑے پیغمبر کے بیٹے ہو۔ اپنے خاندان کا کچھ خیال رکھو۔ اپنے اجداد کے طریق پر چلو۔ جیسے کسی اچھے خاندان کا بیٹا جب گمراہ ہو جاتا ہے تو اسے خاندان کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ اس لیے انہیں اسرائیل کے بیٹوں کی حیثیت سے اللہ نے مخاطب کیا ہے کہ اس میں بھی دعوت ہے اور اگر انہیں خاندان کا پاس نہیں ہے تو پھر آگے دوسری دعوت دی ہے۔ اللہ نے انہیں اپنا احسان جتلایا۔ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ کہ میرا احسان تو دیکھو۔ اگر باپ کا خیال نہیں کرتے تو میرا تو کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایک تو عام ہیں جو ہر انسان کے ساتھ ہیں۔ جیسے اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ میں تھیں۔ یہ انعامات عام ہیں جو کسی فرد یا خاندان کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔ بعض انعامات خاص اور خاص بھی ہیں کہ جو عام لوگوں کے سوا کسی خاص خاندان اور کسی خاص طبقہ یا فرد کے ساتھ مختص ہوں اور انعامات خاصہ دعوت و تبلیغ کی طرف زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو دعوت دے رہے ہیں، اس لیے انعامات خاصہ کا ذکر کیا گیا۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وہ نعمت جو دوسرے انسانوں کو چھوڑ کر خاص تم پر نازل کی گئی ہے۔ اس لیے الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ کی قید لگائی ہے۔

یہاں لفظ نعمت مفرد ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی نعمت ہے لیکن اس سے مراد جنس نعمت ہے۔ شخصی نعمت نہیں ہے۔ اس نعمت میں بہت سے افراد شامل ہیں اس لیے فرمایا کہ اس نعمت کو بھی یاد کرو۔ قرآن نے جا بجا ان نعمتوں کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ جیسے فرعون سے نجات دلائی۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ

اور یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے تمہیں قوم فرعون سے نجات دی۔

کسی ظالم سے اگر کوئی نجات دلا دے تو یہ اس کا بڑا احسان ہوتا ہے۔ ظالموں نے آپ کو گھیر رکھا ہے۔ جو شخص ظالم سے آپ کو نجات دلائے سب سے بڑا محسن تو وہی ہے۔ الانسان عبد الاحسان یعنی انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے۔ وہ محسن کے احسانات کے سامنے مجبوراً جھک جاتا ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کے ساتھ بہت سے احسانات کیے۔ ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) یوں ہوا کہ دریا کو پھاڑ کر بنی اسرائیل کو بچایا جبکہ راستہ کوئی نہ تھا تو بارہ راستے بنائے۔ ہر قبیلہ کے لیے الگ راستہ بنایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان پر من و سلویٰ اتارا۔ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ

(۳) ایک پتھر سے اللہ نے بارہ چشمے جاری کیے۔ جب انہوں نے پانی مانگا تو حضرت موسیٰ کو پتھر پر عصا مارنے کا حکم صادر فرمایا۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ
پس جاری ہو گئے اس میں سے بارہ چشمے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پے در پے ہزاروں پیغمبر بھیجے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں جتنے پیغمبر آئے سب بنی اسرائیل سے آئے۔

(۵) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسماعیل میں بھیجا گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے اور اسحاقؑ و اسماعیلؑ دونوں بھائی تھے۔ یہ دونوں ابراہیمؑ کے بیٹے تھے۔ اسحاقؑ ان میں پیغمبر تھے اور اسماعیلؑ کے بھائی تھے۔ ہزاروں پیغمبر بنی اسرائیل کے تھے۔

(۶) تمام کتابیں تورات انجیل زبور اور چھوٹے بڑے صحیفے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے۔ بنی اسرائیل میں اتنی نعمتیں نازل ہوئیں۔ لاتعد و لا تحصی۔

<u>عہد اللہ و عہد یہود:</u>

فرمایا وَأَوْفُوا بِعَهْدِي تم میرا عہد پورا کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے جو عہد لیا تھا وہ عہد تمہیں پورا کرنا چاہیے۔ انسان کو اپنے عہد کی پاسداری کرنی چاہیے۔ جبکہ تم میرے احسانات کا کفران کرتے ہو۔ جیسے کہ ارشاد ہے "ان العهد كان مسئولا" یعنی وعدے کے متعلق جواب دہی ہوگی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿آل عمران ۱۸۷﴾

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے اقرار لیا جنہیں کتاب دی گئی تھی کہ تم ضرور بیان کرنا اسے لوگوں کے لیے اور اس کو نہ چھپاؤ تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور لی انہوں نے اس کے عوض تھوڑی قیمت۔ پس بہت برا ہے جو سودا وہ لیتے ہیں۔

میثاق اور عہد ہم معنی الفاظ ہیں یعنی یہود سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد و میثاق لیا تھا۔ ان کی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و علامات مذکور ہیں۔ پھر اہل کتاب کا ذکر اور یہود و نصاریٰ کا عمومی ذکر فرمایا ہے کہ یہود یہ سمجھیں کہ یہاں یہ تو ان کا ذکر ہے نہ ان سے کوئی مطالبہ۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے میثاق کا بھی تذکرہ واضح طور پر ہوا ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ

اور لے چکا ہے اللہ تعالیٰ عہد بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے تھے ان میں سے بارہ

مر جائے۔ (سورہ مائدہ/۱۲)

اسی طرح بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے میثاق کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول جو تصدیق کرے اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ (سورۂ آل عمران/۸۱)

یہ میثاق نبیین سے لیا گیا۔ اس میثاق کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء علیہم السلام حضور کی بعثت کے وقت موجود ہوں گے بلکہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے نمائندے تھے لہٰذا ان سے عہد لے کر ان آنے والی نسلوں کے لیے یہ عہد لازم قرار دے دیا گیا کہ جو لوگ انبیاء کی امتوں سے ہوں گے وہ اس عہد کی پاسداری کریں گے۔ اس آیت کے آخر میں ارشاد ہے کہ "قال ءاقررتم کیا تم نے (اس وعدے کا) اقرار کیا؟" تو ان سب نے یک زبان ہو کر کہا اقررنا یعنی ہم نے آپ سے وعدہ کا اقرار کر لیا ہے۔ قانون یہ ہے کہ المرء مؤاخذ باقرارہ یعنی انسان اپنے اقرار پر ماخوذ ہوتا ہے۔ بہرحال مندرجہ بالا آیات میں یہ عہد واضح ہے کہ جب ایسا رسول آجائے جو تمہاری کتاب کی تائید کرے اور اس کی تصدیق کرے تو تم اس کو تسلیم کرو گے۔ اب اس وعدہ کو پورا کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے بزرگوں اور بڑوں سے لیا تھا۔ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ میں نے جو وعدہ آپ لوگوں سے کیا ہے اسے پورا کروں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تحسین انداز ہے۔ جیسے دنیا کے حکمران کہتے ہیں کہ ہمارا ساتھ دو ہم تمہیں نوازیں گے لیکن لوگ تو وعدہ خلافی کر جاتے ہیں۔ وہ عہد پورا نہیں کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ یہ ہر طور سچا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا

"اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟" (سورہ نساء/۸۷)

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا

اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ (سورہ نساء/۱۲۲)

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ

بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ (آل عمران/۹)

یہود کے اسلام میں داخل نہ ہونے کی وجوہ:

مذکورہ بالا جملہ میں اللہ تعالیٰ کے عہد کا ذکر ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس عہد کو پورا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا عہد یہ تھا کہ اہل کتاب جب اسلام قبول کریں گے اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو ان کو دوہرا

اجر ملے گا۔ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

پھر اس وجہ سے مسلمان نہیں ہوتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو پکڑ لیا اور آپ سے وابستہ ہو گئے تو ہماری جو ریاست قائم ہے اور جو ہمارا مقام و رتبہ ہے یہ سب ختم ہو جائے گا۔ لوگ نئے دین کا تابع سمجھیں گے۔ یہ لوگ اہل علم مشہور تھے۔ ان کے لیے تحفے تحائف نذر و نیاز وغیرہ آتے تھے۔ ان تحفے تحائف اور نذر و نیاز کے بند ہونے کا قوی اندیشہ تھا۔ پھر اب اگر یہ لوگ تورات و انجیل کے نام پر فیصلے کرنا چھوڑ دیں تو یہ لوگ تورات کے حکم کے عوض جو بھاری رقمیں لوگوں سے وصول کرتے تھے اور تورات فروشی کا کام کرتے تھے وہ بھی بند ہو جائے گا۔ قرآن پر ایمان لانے کے بعد تورات و انجیل کے نام پر فیصلہ کرنا جائز نہ ہوگا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ان لوگوں کو یہ خطرات درپیش تھے۔ پھر بھی اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری عزت و آبرو کو قائم رکھوں گا۔ اسلام لانے کے بعد تمہارا رتبہ اور وجاہت اسی طرح قائم رہے گا چنانچہ ارشاد ہے

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿﴾ (سورہ اعراف ۱۵۶-۱۵۷)

اور میری رحمت گھیرے ہوئے ہے ہر چیز کو، پس میں اسے لکھ دوں گا ان کے لیے جو پرہیز گاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو لوگ کہ ہماری آیتوں پر یقین کرتے ہیں جو لوگ کہ پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جسے پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں وہ حکم کرتا ہے انہیں نیک کام کا اور منع کرتا ہے انہیں برے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کا بوجھ اور قیدیں جو ان پر تھیں سو جو لوگ ایمان لائے اس پر اور اس کی حمایت کی اور اس کی مدد کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب کو تسلی دی گئی کہ تمہاری عظمت بھی قائم رہے گی اور تمہیں اجر بھی دگنا ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں جو خطرات درپیش تھے ان کا بھی ازالہ کر دیا اور فرمایا وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ یعنی مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ سو یہاں جب مقدم ہوا تو آپ نے تمہیں کا سلسلہ دیا۔ دنیا میں تمہارے لیے جو عظمتیں ہیں ان

میں سب سے زیادہ نفع بخش اور فائدہ مند چیز مجھے خوش کرتا ہے۔ ورنہ دنیا کی کوئی منفعت کام نہیں آئے گی۔ ہر منفعت کا بدل ہو سکتا ہے لیکن جس کو اللہ چھوڑ دے اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے ... لکل شیء اذا فارقته عوض ..... ولیس للہ ان فارقته من عوض

یعنی دنیا کی کوئی بھی چیز اگر آپ کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی بدل ہو سکتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے تیرا رشتہ و تعلق ٹوٹ گیا تو اس کا پھر کوئی بدل نہیں ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ھُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ۝ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ۝ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا

(سورہ قصص ۵۲ تا ۵۴)

اور وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب اس سے پہلے وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب پڑھ کر سنایا جاتا ہے ان کو تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر بیشک وہ ٹھیک کتاب ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو تھے اس سے پہلے ہی حکم ماننے والے۔ انہی لوگوں کو دیا جائے گا ان کا اجر دوبار۔ اس کے عوض جو انہوں نے صبر کیا۔

اسی طرح صحیح مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک ان میں رجل امن بنبیه ثم امن بمحمد صلی الله علیه وسلم یعنی ایک وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ اہل کتاب کے لیے ایمان لانے سے مراد صرف اعتقادی ایمان نہیں ہے بلکہ اعتقادی ایمان کے ساتھ ساتھ عملاً ایمان لانا مقصود ہے۔ جیسے کہ ہمارا ایمان سابقہ انبیاء پر اعتقاداً ہے عملاً نہیں ہے اور عملاً ہے تفصیلاً نہیں ہے۔ کیونکہ ایک نبی پر ایمان لانے کے بعد دوسرے نبی پر ایمان لانا بڑا مشکل ہے۔ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس مشکل کے باعث ان کو دوگنا اجر ملے گا۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی ماننا کتنا مشکل ہے۔ اس کا اندازہ کیجیے کہ ایک پیر سے دوسرے پیر کی طرف منتقل ہونا مشکل ہے۔ اہل کتاب کا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اس سے کہیں مشکل تر ہے۔ سیاسی پارٹیوں سے بھی نکلنا اور دوسری پارٹی کی طرف منتقل ہونا پہلے مشکل ہوتا تھا۔ لیکن آج کل بہت آسان ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ الآیہ

اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو میں نے نازل کی تصدیق کرتی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے۔

یہاں پر وہ وعدہ یاد دلایا گیا ہے کہ ان سے وعدہ لیا گیا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی نئی کتاب اور نیا رسول آ جائے تو تم اس کی اتباع کرو گے۔

وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿٤١﴾

اور نہ ہو تم ہی سب سے اول منکر اس کے اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

اول کافر سے کیا مراد ہے؟

سورہ بقرہ مدنی سورۃ ہے اس میں مذکورہ احکام کے مخاطب مدینے والے اور بالخصوص اہل کتاب ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں نازل ہوتا رہا اور جیسا کہ معلوم ہے کہ کفار اہل مکہ قرآن کریم کا انکار کر چکے تھے تو اول کافر کا مصداق تو وہی ہیں۔ مدینہ کے اہل کتاب تو بظاہر اول کافر کا مصداق نہیں بن سکتے۔ گویا وہ تو اول کافر کے مصداق ہونے سے معذور ہیں۔ ان کو ایسے کام سے روکنا جو پہلے سے ان کے بس میں نہ ہو یہ تکلیف ما لا یطاق (طاقت سے بڑھ کر) ہے جو جائز نہیں ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کسی کو کہا جائے آسمان کی طرف نہ اڑنا اور چاند پر مکان نہ بنانا۔

(۱) اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ کفر سے مراد خاص اہل کتاب کا کفر ہے مطلق کفر مراد نہیں ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حقیقت میں اول کافر مشرکین مکہ تھے لیکن اہل کتاب نہ ہونے اور ان پڑھ یعنی علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے کفر کی وہ اہمیت نہ تھی۔ اس وجہ سے ان کے کفر کو نظر انداز کیا گیا اہل کتاب کا کفر باوجود علم اور سمجھ بوجھ کے تھا۔ یہ ایک خطرناک جسارت تھی۔ اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی لہٰذا فرمایا کہ تم اے اہل کتاب پہلے منکر نہ بنو۔

(۳) اور تیسرا جواب یہ ہے کہ مقابلہ کا کفر تو تمام کتابوں سے متعلق ہے۔ وہ کسی کتاب کو نہیں مانتے تھے اور اہل کتاب سابقہ کتابوں کو تو کسی حد تک مانتے تھے لیکن قرآن کا انکار کر بیٹھے تو ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کے پہلے منکر نہ بنو۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا الخ

یہاں پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بیع میں ثمن و قیمت ہمیشہ مشتری کی طرف سے ہوتی ہے اور مشتری کی طرف سے ادا کی جاتی ہے ثمن دینا ہے لینا نہیں اور اس آیت میں بائع کو مشتری بتایا گیا ہے اور ثمن قلیل کو معاوضہ قیمت کے بنایا گیا یعنی آیت دے رہے ہیں اور ثمن قلیل لے رہے ہیں اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ثمن لے کر تحریف کرتے تھے تو یہ عجب مشتری ہے کہ ثمن لیتے ہیں دیتا نہیں ہے۔ اگر یہاں لفظ بیع ہوتا تو بات صاف ہوتی۔

(۱) اس اشکال کا پہلا اور تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ بیع و شراء کا فرق ایک موخر اصطلاح ہے ورنہ بیع و شراء دونوں لفظ مترادف ہیں اور ایک دوسرے پر ان دونوں کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ امام راغب لکھتے ہیں و یستعمل للبیع الشراء و للشراء البیع یعنی بیع پر شراء کا اور شراء پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ

اور اس کو بیچ ڈالا تھوڑی قیمت جس کی گنتی کے درہموں کے عوض۔ (یوسف:۲۰)

کہ یہاں شروہ باعوض کے معنی میں ہے۔ اسی طرح ایک حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا یبیعن احدکم علی بیع اخیہ یعنی تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔ اسی لا یشتری یعنی جب ایک آدمی کوئی چیز خرید رہا ہو تو جب تک وہ خرید نہ لے یا چھوڑ نہ دے دوسرا آدمی اس کے خریدنے کے متعلق کوئی بات نہ کرے۔ یہاں بیع شراء کے معنی میں ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ثمن اور مبیع میں سے ہر ایک کی طرف ثمن اور مبیع کی نسبت ہو سکتی ہے اور یہ نسبت عرف کے مطابق ہوگی کہ وہ احد البدلین میں سے عرف میں کون سا ثمن ہے اور کون سا مبیع ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے جب بیع و شراء باب افتعال سے ہوں تو خریدنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں یعنی اشتراء و ابتیاع اور جب مجرد ہوں جیسے باع و شریٰ تو پھر بیچنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ سورہ یوسف کی آیت "شروہ" سے معلوم ہوا۔

دوسرا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ ثمن قلیل پر فروخت نہ کرو تو کہ مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جائے تو کیا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ اگر زیادہ ثمن ملے تو بیچ دو۔ اسی طرح اس نوعیت کا شبہ "وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ" پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ اول کافر نہ ہو تو کیا دوسرے تیسرے (نعوذ باللہ) کافر بن سکتے ہو۔

الجواب: ہمارے احناف کے ہاں تو مفہوم مخالف معتبر ہی نہیں ہے لہٰذا یہ دونوں سوال پیدا ہی نہیں ہوتے البتہ جن کے ہاں مفہوم مخالف معتبر ہے ان کی طرف سے ہم یہ جواب دیتے ہیں (۱) پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا اعتبار وہاں ہوتا ہے جہاں آیت منطوق اور عبارۃ النص نہ ہو جبکہ یہاں مفہوم مخالف دلالۃ النص سے پیدا ہوتا ہے اور عبارت النص کا مسئلہ یہ ہے کہ جب دلالۃ النص اور عبارۃ النص میں تعارض ہو تو ترجیح عبارۃ النص کو ہوتی ہے لہٰذا یہ حمل علی النقص ہے اور مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔ (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ خواہ قرآن کریم کا انداز خطاب کا ہو یا نہ ہو لوگوں کو کوئی دعوت دی جا رہی ہو تو بعض افراد اس حکم سے خارج ہوتے ہیں۔ منکر پر نکیر بعض کرنے والوں کا حکم سے خارج کرنے سے کیا مقصد ہے۔ وہ منکر کی قباحت و شناعت کو واضح کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح بعض صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ثمن کے ساتھ قلیل کی جو قید ہے وہ اسی قبیل سے ہے وہی جواب دوسرے شبہ کا بھی دیا جا سکتا ہے کہ اول کافر نہ بنو اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے ان احسانات و نعمتوں کے باوجود تم کافر ہو کر کفر میں پہل نہ کرو۔ اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت کا حال ہے کہ قرآن کریم نے سود در سود اضعافا مضاعفۃ کا ذکر کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کئی بار دگنا کر کے سود کھانا منع ہے اور ایک بار یا دو بار دگنا کر کے کھانا جائز ہے۔ بلکہ اس زمانے میں سود کا جو تصور اور شکل تھی قرآن کریم نے وہ نقشہ کھینچا ہے۔ ورنہ ایک روپیہ سود ہو تب بھی

حرام ہے، دودھ پیتا بچہ بھی حرام ہے۔ اسی طرح سورۃ لقمان میں ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا پیدا کئے ہیں نے آسمان بغیر ستونوں کے کہ تم دیکھتے ہو ان کو۔ (سورۃ لقمان ۱۰)

یہاں بھی مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ اگر ستون کے ساتھ آسمان ہوتے تو یہ بھی اس کا احسان ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ستون لگا بھی لیتے تو اتنی بڑی چھت کو ستونوں کے سہارے سے کھڑا کرنا بھی غیر معمولی بات ہے لیکن بغیر ستون کے ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مظہر اتم ہے۔

وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ:

بسا اوقات طلبہ کے ذہنوں میں اس نوعیت کے سوالات ابھرتے ہیں کہ پہلے فرمایا تھا فَارْهَبُونِ اور اب فرمایا جا رہا ہے فَاتَّقُونِ ترجمہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ مترادف الفاظ کا استعمال حسن لفظی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور اس میں ایک گونہ لذت ہے۔ (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اصطلاحی فرق ہے، کیونکہ یہود تقویٰ اور پرہیزگار کے لیے رہب استعمال کرتے تھے اور متقی کو راہب کہتے تھے لیکن مسلمان متقی کہتے ہیں۔ ایک جگہ یہودی اصطلاح کے مطابق فَارْهَبُونِ کہا اور دوسری جگہ مسلمانوں اور عربوں کی اصطلاح کے مطابق فَاتَّقُونِ استعمال کیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جس دین پر ہوتا ہے اسی دین کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ دوسروں کی اصطلاحات کو استعمال کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ بہرحال یہاں بنی اسرائیل کو دو طریقوں سے دعوت دی گئی ہے۔ ایک قرآن سے ایفائے عہد کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ دوسرا ان سے یہ کہا گیا کہ دلیل کا علی الاعلان اتباع کرو اور آباؤ اجداد کی رسوم کو چھوڑ دو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ الخ

یعنی غلط ملط نہ کرو اور تاویل باطل نہ کرو کیونکہ حق کو باطل سے خلط کرنے کا گناہ بہت زیادہ ہے۔ آج کل ملحدین اور زنادقہ یہی کچھ کر رہے ہیں اور فرق باطلہ بھی۔ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ یعنی تم جانتے بھی ہو۔ اگر کسی شخص کو اجتہاد میں خطا یا غلطی ہو جاتی ہے تو وہ درگزر کر دی جاتی ہے لیکن عمداً غلطی کرے تو معافی کے قابل نہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ

ويل لمن لا يعلم مرة وويل لمن يعلم ولا يعمل سبع مرات.

یعنی جو شخص نہ جانتا ہو تو اس کے لیے ایک بار ہلاکت ہے اور جو جاننے کے باوجود عمل نہ کرے تو اس کے لیے سات بار ہلاکت ہے۔

اس حدیث میں علماء کے لیے بڑی ترہیب ہے۔ یہودی جان بوجھ کر گناہ کرتے تھے اس لیے ان کو سات گنا زیادہ عذاب ہوگا۔ وہ اگر یہ تلبیس نہ کرتے تو انہیں لازماً اسلام قبول کرنا چاہیے تھا۔ وہ علماء بھی یہود کے راستے پر

کا حرج ہوں گے جو جانتے بوجھتے دینِ حق کو چھپاتے اور دین کے حقائق کا انکار کرتے یا دینِ حق پر عمل سے گریز کرتے ہیں۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یہاں صریح امر ہے یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا کرو۔ یہاں نماز کی فرضیت کو الگ بیان کیا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو الگ بیان کیا۔

اہلِ کتاب کی ضلالت کی دوسری وجہ:

اہلِ کتاب کی ضلالت کی پہلی وجہ تو تحریفِ کتاب تھی۔ دوسری وجہ دوسروں کو نیکی کی تلقین اور خود عمل نہ کرنا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ الخ

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو۔

یعنی یہ بہت بڑی قباحت ہے کہ تمہارا فعل کچھ ہے اور علم کچھ ہے۔ جیسا کہ سورہ صف پارہ ۲۸ میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝
(سورہ صف ۲،۳)

اے ایمان والو کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ سخت ناپسند ہے اللہ کے ہاں کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں ہو۔

قول اور عمل کے تضاد سے متعلق بہت حدیثیں آئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایسے لوگوں کے ہونٹ (مقراض النار) آگ کی قینچی سے کاٹے جائیں گے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو خطبے دیتے تھے وعظ کرتے تھے لیکن خود عمل نہ کرتے تھے بہرحال قول و عمل کا تضاد بذاتِ خود ایک بڑا گناہ ہے لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ اگر انسان خود عامل نہ ہو تو کسی اور کو بھی ترغیب نہ دے۔ یعنی یہ معنی نہیں کہ اگر خود عمل نہ کرے تو دوسروں کو بھی نہ کہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) سے محروم ہو جائے گا حالانکہ وہ امر بالمعروف کا شرعاً مکلف ہے اور امر بالمعروف پر عمل کرنا چاہیے باقی کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب اپنا عمل ہی درست نہیں تو دوسروں کو نیکی کا کیسے کہا جا سکتا ہے؟ کیونکہ یعنی واجبات ہیں وہ ان بارے میں ہیں کہ خود عمل بھی نہ کرے اور کسی کو ترغیب بھی نہ دے۔ یا خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی شامل کر لے۔ لیکن امر بالمعروف یعنی نیکی اور بھلائی کا حکم تو ہر حال کرتے رہنا چاہیے۔ اس آیت میں دعوت کی نفی نہیں ہے۔ ہاں دعویٰ کرنے کو شدت سے رد کیا گیا ہے۔ اگر اس امر و ترغیب میں کوئی مشکل اور رکاوٹ پیش آتی ہے تو آگے اس کا علاج بتلایا جا رہا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں درپیش مصائب کا علاج اور صبر کا پہلا مطلب:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ الخ

اور مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعہ۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہاں صبر سے مراد صوم (روزہ) ہے تو مطلب یہ ہوا کہ مدد حاصل کرو صوم وصلوٰۃ کے ذریعہ۔ یعنی یہ دونوں چیزیں اختیار کرلو تو تمام اعمال آسان ہو جائیں گے۔ ایک روزے رکھو اور دوسرے نماز پڑھو۔ روزہ بھی تمام گناہوں سے بچنے کا ایک سبب ہے کیونکہ روزہ کے ذریعہ اکل و شرب' شہوۃ البطن اور شہوۃ الفرج (کھانے پینے' پیٹ کی چاہت اور شرمگاہ کی چاہت) پر کنٹرول ہو جاتا ہے اور قوت غضبیہ پر بھی کنٹرول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

واذا کان صوم احد کم فلا یرفث ولا یصخب فان سابه احد او قاتله فلیقل انی امرأ صائم (بخاری)

جب تم میں سے کوئی شخص روزے سے ہو تو گالی گلوچ بھی نہ کرے اور سخت کلامی بھی نہ کرے۔

اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے جھگڑے تو کہے کہ میں روزے سے ہوں۔

لڑائی جھگڑے کے وقت "انی صائم" کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اجتنب من الاکل و الشرب و الجماع و الکفر و الفسق و العصیان یعنی میں روزہ کی حالت میں کھانے پینے اور ہم بستری سے بچتا ہوں۔ اسی طرح کفر وفسق اور نافرمانی کی باتوں سے بھی بچتا ہوں۔ لہٰذا اور کسی کو فحش اور سخت جواب نہیں دیتا۔ اسی طرح نماز بھی برائیوں سے بچاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت/۴۵)

بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری باتوں سے۔

لہٰذا بندہ اپنی بندگی کا اقرار کرتا رہے۔ وہ اپنا دل اللہ تعالیٰ سے جوڑے رکھے اور اگر انسانی کمزوری کی وجہ سے گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

صبر کا دوسرا مطلب:

اگر صبر سے مراد صوم نہ لیا جائے، بلکہ مطلق صبر لیا جائے تو بھی درست ہے۔ کیونکہ امر بالبر میں مختلف مشکلات پیش آتی ہیں اور صبر کے بغیر وہ کام سرانجام دینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ما الایمان؟ یعنی ایمان کیا ہے؟ تو فرمایا الصبر و السماحۃ یعنی ایمان صبر اور سخاوت کا نام ہے۔ سخی سے مراد وہ شخص ہے جو بخل فی الاحسان نہ کرے۔ امر بالبر ایک مشکل کام ہے اور یہ کام صبر کی مدد اور سہارے کے

بغیر سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ صبر سے پتا چلتا ہے کہ فلاں آدمی استقامت پر قائم ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ الایمان نصفان نصف فی الصبر و نصف فی الشکر، یعنی ایمان کے دو حصے ہیں ایک حصہ صبر یعنی مشکلات اور آزمائشوں پر صبر اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر۔

صلوٰۃ سے کیا مراد ہے:

صلوٰۃ سے مراد یہاں صرف فرض نماز ہی نہیں ہے، بلکہ نوافل بھی اسی میں شامل ہیں۔ نمازیں اخروی منافع کے ساتھ ساتھ دنیوی کاموں کے لیے بھی اکسیر ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ صلوٰۃ حاجت کا تعلیم فرمایا ہے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

عن عبداللہ ابن ابی اوفی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ الی اللہ حاجۃ او الی احد من بنی آدم فلیتوضاء فلیحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین ثم یثنی علی اللہ ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم لیقل لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العلمین، اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لا تدع لنا ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا حاجۃ ھی لک رضی الا قضیتھا یا ارحم الراحمین ○ (ترمذی)

حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ یا کسی شخص کی طرف کوئی حاجت ہو تو اسے چاہیے کہ وضو کرے اور اچھی طرح (پورے آداب کے ساتھ) وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر یہ دعا پڑھے (دعا کا ترجمہ) نہیں ہے کوئی معبود سوا چشم پوشی اور بخشش کرنے والے اللہ پاک کے۔ اللہ جو مالک ہے عرش عظیم کا اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں کو مانگتا ہوں جن پر رحمت ہوتی ہے اور جو تیری بخشش کا سبب ہوتی ہیں اور مانگتا ہوں اپنا حصہ ہر نیکی سے اور بچنا چاہتا ہوں ہر گناہ سے۔ اے اللہ میرے کسی گناہ کو بے بخشے ہوئے اور کسی غم کو بے دور کیے ہوئے اور کسی حاجت کو جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو بے پورا کیے ہوئے نہ چھوڑ۔ اے بہت رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے! (دعا ختم ہوئی)۔

تو جب کوئی مشکل پیش آ جائے تو نماز کی طرف جائے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ چنانچہ ابو داؤد نے سنن میں ایک روایت نقل کی ہے:

عن حذیفۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبہ امر فزع الی الصلوۃ

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل کام پیش آتا تو آپ نماز کی طرف جلدی فرماتے تھے۔

صرف یہی نہیں بلکہ میں آپ کو بتاؤں کہ نسائی وابن ماجہ میں صہیب رومیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کان الانبیاء یفزعون الی الصلوۃ

حضرات انبیاء مشکل کے وقت نماز کی طرف دوڑتے تھے۔

جیسے صلوۃ کسوف فرض کی تو ہے۔ خسوف قمر ہوا تو نماز ہے۔ قحط ہے تو صلوۃ استسقاء پڑھی گویا صلوۃ ہی تمام مشکلات کا مرجع ہے۔ اس لیے فرمایا کہ صلوۃ سے مدد طلب کرو۔ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلوٰةِ

یہ بھی بتایا کہ امر بالصبر میں مشکلات آئیں گی ان کو برداشت کرو۔

جو آدمی نماز نہیں پڑھتا اس کے لیے یہ بڑی مشکل ہے کہ کھینچ کر اس کو گھسیٹ کر لاؤ، مسجد کے دروازے پر لے آؤ تب بھی اس کے لیے نماز ناقابل برداشت ہے لیکن ایک شخص نمازی ہے اس کے لیے بڑی آسانی ہے کہ نماز کا وقت آئے تم زنجیروں سے باندھ دو لیکن اسے قرار نہیں آئے گا۔ یا تو زنجیریں توڑ دے گا یا اشارے سے پڑھے گا۔

یہاں فاقد الطہورین (جس کے پاس نہ پانی ہو نہ مٹی) کا مسئلہ بھی ہے یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ

حبس فی مکان نجس لم یتیمم ولم یتوضاء یعنی آدمی ایسی جگہ قید ہے کہ پانی بھی موجود نہیں ہے اور جگہ بھی ناپاک ہے تو نہ تیمم کرے گا اور نہ وضو۔

وہ کیا کرے اس مسئلے پر ائمہ کا اختلاف ہے:

عند ابی حنیفۃ یؤخر الصلوۃ و عند الصاحبین یتشبہ بالمصلین۔

امام اعظمؒ کے ہاں نماز کو مؤخر کرے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک نمازیوں کے ساتھ مشابہت رکھے گا یعنی ارکان ادا کرتا رہے گا۔

وہ بعد میں قضا کرے گا۔ اس کے لیے نظائر موجود ہیں۔ روزے اور حج میں اس کے نظائر ہیں۔ ایک آدمی مسافر تھا عصر میں پہنچا یا رمضان میں تو جو روزہ میں۔ وہ اس وقت باقی حصہ یعنی روزہ داروں کی طرح رہے گا۔ وہ یہ کہے گا کہ مجھے تو نہیں کہ روزہ بھی نہیں ہے کھانا پینا بھی نہیں۔ حج میں کسی آدمی کا حج فاسد ہو گیا۔ تب بھی وہ بھاگے گا نہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ یفعل کما یفعل الحاج وہ تمام افعال کرے جو حجاج کریں گے۔ اس کے لیے حج کے افعال چھوڑنا کیسے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ آدمی پانچ وقت کی نماز تو نہیں پڑھ سکتا مگر

خاشعین کی طرح رہے گا

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿﴾ یہاں ظن کے معنی یقین ہے کہ ہمیں اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ اور لوٹنے کا بھی یقین ہے۔

آج کے منافق

نماز اس وقت بڑے بڑے لوگ نہیں پڑھتے۔ علماء و مشائخ نہیں پڑھتے۔ لوگوں میں پڑھتے ہیں مگر اکیلے میں نہیں پڑھتے۔ بڑے بڑے مبلغین کو دیکھا کہ نماز نہیں پڑھتے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ منافقین جو یقینا کافر تھے فی الدرک الاسفل من النار کا ان کے لیے حکم ہے، وہ بھی نماز نہیں چھوڑتے تھے۔ کوئی بھی حدیث نہیں کر سکتا کہ کسی منافق نے نماز چھوڑی ہو۔ ان کو اقرار اسلام سے خارج ہونے کا ڈر تھا۔ باقی تمام کوتاہیاں کرتے تھے۔ نماز علامت اسلام تھی۔ اس وجہ سے اسے نہ چھوڑتے تھے۔

واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالٰی ○

طبیعت میں داعیہ جستی نہیں ہے سستی

یراؤن الناس ولا یذکرون اللّٰہ الا قلیلا ○ (سورۂ نساء)

وہ لوگوں کو (اپنی نمازیں) دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا۔

تو الا قلیلا یہ ہے کہ صورت بنا لیتا ہے، لیکن جس طرح بھی ممکن ہوتا وہ نماز پڑھتے تھے۔ باقی نماز چھوڑنے کے علاوہ تمام کوتاہیاں کرتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

لا یتخلف من الجماعۃ الا منافق ○

جماعت سے پیچھے نہیں رہتا مگر وہ جو منافق ہو۔ یعنی کھلا منافق۔

وہ ارکان میں اعتدال نہیں کرتے تھے۔ دیر سے پڑھتے تھے جیسے پہلے حدیث گزری ہے۔

تلک صلوٰۃ المنافق یجلس یرقب الشمس حتی اذا اصفرت وکانت بین قرنی الشیطان قام فنقر اربعا لا یذکر اللّٰہ فیھا الا قلیلا ○

حضور نے فرمایا یہ عصر کی نماز جو آخری وقت میں پڑھی جاتی ہے منافق کی نماز ہے وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہو کر شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچنے کے قریب ہوتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے۔ (مسلم)

اشارہ ہے نماز میں بے اعتدالی کا۔ وہ ترک الصلوٰۃ نہیں کرتے تھے۔ آج ہزاروں میں ایک مسلمان نماز

جاتا؟ بیٹا کیوں قتل کیا؟

اصل میں جو اپنے ہوتے ہیں ان کے ساتھ باپ کو بڑی محبت ہوتی ہے۔ ان پر والدین کا حق نہیں ہوتا۔ وہ تو معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے حدیث ہے کہ جس آدمی کے تین بچے مر جائیں:

الذین لم یبلغ الحلم هم حجاب من النار

وہ لڑکے جو بلوغ کو نہ پہنچے ہوں، وہ جہنم کی آگ سے پردہ بنیں گے۔

یہاں چھوٹے بچوں کا ذکر ہے کہ ان کے مرنے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ زیادہ ہے۔ بعض اوقات بڑے بچوں کے اعمال سیئہ کے سبب ان کے لیے ماں باپ خود کہتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اٹھا لے۔ تو اس آیت میں عذاب کی شدت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لیے اَبْنَآءَكُمْ کہا ہے کہ اس میں بڑی شناعت ہے۔ بڑوں کے قتل میں زیادہ شناعت نہیں ہے۔ جب یہ جھگڑا چلا تھا کہ بیٹے کی موجودگی میں مرے ہوئے بیٹوں کے پوتے ہیں جو شریعت میں وارث نہیں ہیں۔ ان کے لیے قانون بنایا گیا کہ پوتا اپنے مرے ہوئے باپ کا حصہ مانگ سکتا ہے۔ یہ پاکستان کا عائلی قانون ہے۔ کہتے ہیں کہ یتیم کو کیوں نہیں دیتے۔ ایک آدمی کا ایک بیٹا ہے دوسرا ایک پوتا ہے۔ کبھی پوتا بڑا ہوتا ہے بیٹے سے تو پھر یہ یتیم کیوں ہوا۔ یتیم کہہ کر کہا کہ دیکھو کہ مولویوں نے چھوٹے چھوٹے بچوں پر ظلم کر دیا۔

ادھر نساء کہ کہا کہ عورتوں کو قتل کرنا یا نقصان پہنچانا، زندہ رکھنا اچھا ہوتا ہے۔ بعض بڑی عمر تھیں زندہ رہیں تو یہ بھی عذاب ہے۔ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ میں بھی عذاب کا ذکر ہے۔ فرعون کے احسان کا تو ذکر نہیں ہے۔ عذاب نساء احیاء کے ساتھ ہے۔ یہاں نساء کو کہا ہے ابناء کو نہیں کہا۔ کیونکہ نساء کہنے میں قباحت زیادہ ہے بنسبت ابناء کے۔ پھر اللہ نے اس ظلم کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر فرعون نے انہیں بیٹا بنا لیا۔ پھر کئی طریقوں سے موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی۔ یہ سب احسانات بنی اسرائیل پر تھے۔ انہیں نجات دی گئی تو یہ بھی احسان عظیم تھا۔ تو فرمایا وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ کہ ہم نے تمہارے سبب سمندر کو پھاڑ دیا اور فرعون کو غرق کر دیا۔ جسے تم دیکھتے رہے۔ جب تم کنارے تک پہنچ گئے تو تم سوچتے تھے کہاں جائیں۔ اللہ نے ایک خاص الہام فرمایا کہ سمندر میں راستہ دے دیا تھا۔ جب تم گزر گئے تو سمندر کو ملا کر فرعون کے گروہ کو غرق کر دیا۔ پھر ہماری امت کا فرعون ان کے فرعون سے بڑا ہے۔ جتنا بڑا نبی ہوتا ہے اتنا بڑا اس کا دشمن ہوتا ہے۔ وہ فرعون جب غرق ہوا تو فوراً کلمہ پڑھ لیا:

حَتّٰىٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا میں نے یقین کر لیا کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس ذات کے جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں فرماں برداروں میں ہوں۔ (سورہ یونس ۹۰)

اس وقت اس کا ایمان لانا بے کار تھا۔ کیونکہ عذاب کی آمد کے بعد ایمان معتبر نہیں۔ جب ابوجہل کو مارا گیا

تمھیں قوم ہی ظالم ہو تو وہ کیا کریں۔ خدا کے سوا دوسروں کی طرف جھکنے والا ظالم ہے۔ یعنی حق کسی کا ہو مگر کسی اور کو دے دیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے تمھیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔ آگے ایک اور احسان جتایا۔

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ الخ

کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جو حق و باطل میں فارق ہے۔ تا کہ تم عقل مند ہو جاؤ۔ ہدایت والے ہو جاؤ۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ

تو ان لوگوں نے کفر بعد الاسلام کیا۔ وہ مرتد ہو گئے۔ مرتد کی سزا قتل ہے۔ چنانچہ حدیث بخاری ہے:

من بدل دینہ فاقتلوہ۔

جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے اس کو قتل کر دو۔

اگر چہ آج کل کے مرتدین نے اس میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر اس کا دل کا عقیدہ تبدیل ہو گیا تو تم اسے اسلام پر کیسے رکھ سکتے ہو۔

موجودہ آئین میں تبدیلی:

ہمارے موجودہ آئین میں اور اس سے پہلے آئین میں ارتداد کا حق دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک مسلمان کفر کر سکتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک ارتداد بنیادی حق تھا لیکن میں نے حکمت کے ساتھ اسے بدل دیا۔ میں نے کہا کہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ تم ہر مذہب کو آزادی دینا چاہتے ہو تو یوں نہ کرو کہ ہر شہری کو اختیار ہے کہ جو چاہے مذہب اختیار کرے، بلکہ ہر شہری کو حق ہے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کرے۔ بدلنے والی بات نہ کرو۔ پہلے سے Mayhia کا لفظ تھا۔ میں نے اسے بدل دیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس کے بعد حکم ہوا کہ تم میں سے جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اب بخشش کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ کے حضور توبہ کرو اور جو مجرم ہیں ان کو قتل کرو اس میں تمہارے لیے بھلائی اور بہتری ہے۔ تب انہوں نے ایسا ہی کیا۔

آگے ایک قباحت اور پھر نعمت کا ذکر ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نُؤْمِنَ الخ

کہ جب تم نے کہا کہ ہم ایمان تب تک نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم خدا کو دیکھ نہ لیں۔ تم نے ایمان بالغیب کا انکار کیا تو آسمانی بجلی گری اور تم سب مردہ ہو گئے پھر اللہ نے تمھیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ گویا تمام نعمتیں خصوصی بنی اسرائیل پر نازل ہو رہی ہیں۔

پھر جب تم میدان تیہ میں چالیس سال پڑے رہے تو اللہ نے بادل کا سایہ کر دیا حالانکہ تم اپنے جرم کی سزا کاٹ رہے تھے۔ تم نے موسیٰ کو کہا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑیں ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں اللہ نے عذاب دیا تو بچانے کے لیے من و سلویٰ بھی دیا۔

اسرائیل شہر میں جا کر بھی ناکام ہوئے۔ یعنی عزت وقریہ اور مصر تینوں جگہوں میں ناکام رہے تو یہاں تین سزائیں دی گئیں۔ لعنت ہے، ذلت ہے، وباؤ بغضب من اللہ اس لیے کہ جرم بھی تین کیے تھے۔

یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ الخ

اور نافرمانی کی کفر کے علاوہ بھی۔

عصیان وعدوان کا گرچہ بعد میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن وقوع سب سے پہلے ہے کہ نافرمانی پہلے کی ہے۔ پھر حد تجاوز کر کے ترقی کر گئے تو انبیاء کا انکار کیا اور جب یہ کر لیا تو پھر انبیاء کو قتل کیا۔ یعنی دلیل حسی کا انکار کر دیا۔ بلکہ حسی کی دلیل سے جان چھڑا لی۔ لیکن عقلی دلائل تو موجود تھے۔ آخر میں ہے یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ کہ اللہ کی عقلی نشانیاں بھی ختم کر دیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ذکر میں تو پہلے کفر کا ذکر ہے پھر قتل انبیاء کا پھر عصیان کا؛ جبکہ وقوع ان امور کے برعکس ہے۔ پہلے عصیان پھر کفر پھر قتل انبیاء، تو تذکرہ امر واقعہ کے مطابق کیوں نہیں ہے؟

یہاں برائی میں ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہے، لیکن جہاں سزا کی دلیل کا درجہ بیان کیا جائے تو بڑی دلیل کا درجہ پہلے ذکر کرتے ہیں۔ اس لیے برعکس ذکر کیا گیا ہے۔ آپ اگر کسی کو سزا دیں تو بڑی شرارت کا پہلے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ ترتیب رکھی گئی خلاف الواقع۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب ان پر ذلت کی مہر لگ گئی تو آج یہود کیوں دندناتے پھر رہے ہیں۔ طاقت ان کے پاس ہے۔ دس کروڑ عرب ہیں، لاکھ یہودیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ

اخرجوا الیہود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب ○

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔

اصل میں یہ زمین مدینہ ہے۔ یہ لوگ اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم میں آیت ہے:

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ الخ (سورۂ آل عمران: ۱۱۲)

ڈال دی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ پائے جائیں مگر یہ کہ عہد کر لیتے اللہ سے اور عہد کر لیتے لوگوں سے۔

کہ یہ لوگ یا تو اللہ کے ساتھ تعلق قائم کریں یا لوگوں کی رسی پکڑ لیں تو یہ مستثنیٰ ہے۔ ان کا اللہ سے تو کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن بڑی طاقتوں سے تعلق ضرور ہے۔ اسرائیل کی حکومت کو یورپ اور امریکہ نے زبردستی بٹھایا ہے۔ ان کا مقصد بھی سیاسی برتری ہے۔ جب سے تیل نکلنا شروع ہوا ہے، تب سے یہ اسرائیل بنا دیا ہے۔ تاکہ سیاسی ضرب لگا کر تیل حاصل کر سکیں۔ جب تک یہ لوگ عرب کے محتاج ہیں، تب تک یہ اسرائیل کو قائم رکھیں

گے۔ ورنہ عرب ایک دن میں ان کا مقابلہ کر لیں گے۔ یہ بخیل بغیر اتفاق نہیں ہے۔ اسرائیل اپنی طاقت نہیں ہے۔
دوسری وجہ ہے کہ مسلمان بھی یہودی ہو گئے ہیں۔ کون سی بات یہود میں ہے جو تم میں نہیں ہے۔ غلط فتویٰ دینا
آیات اللہ کے بدلے ثمن قلیل لینا کون سا وصف ہے جو آج مسلمانوں میں نہیں ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

لتتبعن سنن من كان قبلكم. (بخاری)

البتہ ضرور تم سابقہ امتوں کے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے۔

یہود کہتے تھے:

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً

ہم کو ہرگز آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دن گنتی کے۔ (بقرہ/۸۰)

اور اسی طرح کہتے تھے:

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

اور وہ کہتے ہیں ہرگز داخل نہ ہوگا جنت میں کوئی بھی سوائے یہود یا نصاریٰ کے۔ یہ تو ان کے
ڈھکوسلے ہیں۔ کہہ دیجیے لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔ (بقرہ/۱۱۱)

اسی طرح یہود و نصاریٰ کہتے تھے نحن ابناء الله و احباءه یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور پسندیدہ بندے
ہیں۔ (مائدہ/۱۸)

آج مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔

کو اس طرح امتحان میں مبتلا کیا کہ عام دنوں میں مچھلیاں پانی کی تہہ میں ہوتی تھیں اور ہفتہ کے روز بالکل پانی کی سطح پر اچھل پھر رہی ہوتی تھیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

(سورہ اعراف/۱۶۳)

اور پوچھیے ان سے اس بستی کی بابت جو واقع تھی سامنے سمندر کے جبکہ وہ حد سے بڑھ رہے تھے سبت کے بارے میں جب آتی تھیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ہفتہ کے روز پانی کے اوپر اور جس دن ہفتہ کا نہ ہوتا تو نہ آتی تھیں ان کے پاس۔ اسی طرح ہم آزماتے تھے انہیں بسبب ان کی نافرمانیوں کے۔

گویا مچھلیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے شعور نصیب فرمایا ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ حرم میں کتنے کبوتر آتے رہتے ہیں۔ ڈرتے نہیں ہیں۔ ان کو بھی یہ شعور ہے کہ لوگ ہمیں یہاں شکار نہیں کرتے۔ لیکن آج کل ان کو بھی لوگ معاف نہیں کرتے، پکڑ لیتے ہیں۔ بہرحال خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں بہت زیادہ اوپر پانی کی سطح پر ہوتی تھیں۔ انہوں نے حیلہ کر دیا کہ سمندر کے کنارے ایک حوض بنا دیا اور سمندر سے ایک نالی بنا دیا۔ ہفتے کے روز وہ نالی کھول دیتے تھے۔ وہ مچھلیوں کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ پھر وہ نالی بند کر لیتے تھے اور اگلے روز مچھلیاں پکڑ لیتے تھے۔ یہ حیلہ انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹالنے کے لیے کیا تھا، حالانکہ شکار کا معنی ہی یہ ہے کہ آپ نے کسی جانور یا پرندے کی آزادی سلب کر کے اس کو پابند کر لیا۔ پرندوں اور جانوروں کو چڑیا گھر میں رکھنا بھی شکار ہے۔ یہود نے جب مچھلیوں کو حوض میں بند کر دیا تو یہ بھی شکار کے حکم میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہفتے کے روز کی جس تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا انہوں نے وہ تعظیم نہیں کی۔

كُوْنُوْا قِرَدَةً الخ

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ وہ حقیقت میں بندر نہیں بنائے گئے تھے، بلکہ یہ تشبیہی الفاظ ہیں۔ یہ ان کی خواہ مخواہ ایک فرسودہ رائے کو برداشت کرنا ہے۔ ہماری رائے وہی ہے جو جمہور مفسرین کی ہے کہ وہ حقیقت میں بندر بنا دیئے گئے تھے اور بندروں والی تمام صفات ان میں موجود تھیں۔ البتہ وہ اپنے عزیز و اقارب کو پہچان لیتے تھے اور ان کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کو انسان سے بندر بنایا گیا ہے۔ یہ سزا دو قسم کے لوگوں کو دی گئی تھی۔ (۱) وہ لوگ جو ظالم تھے اور جرم کرنے والے تھے۔ (۲) اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے ان کو اس جرم و ظلم سے روکا نہیں تھا۔ لہٰذا ایسے بزرگان دین و مشائخ جو لوگوں کو برائیوں سے اور گناہوں سے منع نہیں کرتے ان کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ بھی مجرموں میں شمار ہوں گے۔ دین میں جو تحریف کی جا رہی ہے، رد و بدل کیا جا رہا ہے ان کا

مقابلہ مشائخ اور بزرگوں کو کرنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ سزا ہوئی تھی، وہ تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے تھے اور ان کی نسل کا کوئی بندہ باقی نہیں رہا۔ یہ جو موجود ہ بندر ہیں، یہ جانور ہیں۔ ان کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ الخ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بہت چون و چرا کرتی تھی اور تعمق (ہر بات کی گہرائی تک جانا) کی خوگر تھی۔ چنانچہ ایک شخص قتل کیا گیا اور قاتل کا پتا نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمیں قاتل کا پتا کسی طریقے سے چل جائے تو ہم کاروائی کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بیل ذبح کرنے کا حکم صادر فرمایا کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ قاتل کو ظاہر فرمائیں گے لیکن ان لوگوں نے ایک آسان حکم کو سوالات کر کے مشکل بنا دیا۔ آگے اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا ضابطہ اور قانون فطرت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک حکم کو مطلق چھوڑ دیں اور اس کے ظاہر پر عمل کرنا ممکن ہو تو پھر خواہ مخواہ تعمق میں پڑ کر طرح طرح کے سوالات کرنا بے ادبی بھی ہے اور اپنے لیے دائرے کو تنگ کرنے والی بات بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (مائدہ:۱۰۱)

اے ایمان والو مت سوال کیا کرو ایسی باتوں کی نسبت کہ اگر ظاہر کر دی جائیں تم پر تو تمہیں تکلیف ہو اور اگر تم پوچھو ان کی بابت جبکہ نازل ہو رہا ہو قرآن تو وہ ظاہر کر دی جائیں تم پر، درگزر کیا اللہ نے ان سے اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

لَا فَارِضٌ بوڑھی، بِكْرٌ بالکل جوان، فَاقِعٌ گہرا رنگ، لَمُهْتَدُوْنَ ہم اس بقرہ کی کیفیت کی حقیقت کا پتا پالیں گے۔ لَا ذَلُوْلٌ [illegible] نہ ہو۔

آگے بقرہ کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ جیسے جیسے سوالات پوچھے گئے ویسے ویسے صفات کا ذکر ہوتا گیا۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ

اور جب مار ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ

مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ

کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے پھر ہم نے کہا مارو اس مردے پر اس گائے کا ایک ٹکڑا اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ

اور دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اس سب کے بعد

ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا

سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی ہیں

يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ

جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں اور بعضے ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور بعضے

مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٧٤﴾

ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ

کیا تم اے مسلمانو توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام

ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ

پھر بدل ڈالتا تھا اس کو سمجھ بوجھ کر اور ان کو معلوم ہے اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے

آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا

تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو

فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ

ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے کیا اتنا بھی نہیں جانتے

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ

کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور بعضے ان میں بے پڑھے ہیں

الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۝ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

کتاب کو نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور محض اٹکل سے باتیں بناتے ہیں ۔ سو افسوس ہے ان لوگوں پر جو لکھتے

بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا

ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ روپیہ کمائیں

فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَنْ

پھر افسوس ہے ان کے ہاتھوں کے لکھے پر اور افسوس ہے ان کی کمائی پر ۔ اور کہتے ہیں کہ

تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ

ہمیں ہرگز نہ لگے گی آگ مگر چند گنتی کے دنوں، تو کہہ کیا لے چکے ہو اللہ سے کوئی عہد، تو

یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ

ہرگز اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا، یا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ۔ کیوں نہیں جس نے

كَسَبَ سَیِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓــئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

کمایا کوئی گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے وہ اس میں

فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ

ہمیشہ رہیں گے ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے

هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

افاداتِ محمود:

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا الخ

اب یہاں سے یہودیوں کی کمزوریوں کو بیان کیا جا رہا ہے اور اس ضمن میں گذشتہ واقعہ کا بقیہ حصہ بیان کیا جاتا ہے۔ وقوع کے اعتبار سے اگرچہ قتل کا واقعہ مقدم اور ذبح بقرہ کا واقعہ مؤخر ہے، لیکن قرآن کریم قصوں اور کہانیوں کی کتاب نہیں۔ نہ قصہ برائے قصہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، بلکہ اس میں جو ہدایات ہوتی ہیں، ضابطے ہوتے ہیں وہ مقصود ہوتے ہیں لہٰذا ترتیب کا کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا۔ عامیل نامی شخص کو اس کے چچازاد بھائیوں نے قتل کیا تھا تاکہ لاولد ہونے کی وجہ سے اس کا سارا مال وہ ہڑپ کر جائیں۔ اب یہ لوگ قتل کی ذمہ داری ایک دوسرے پر

کہ ما ورث قاتل بعد صاحب البقرۃ یعنی جب سے وہ شخص میراث سے محروم کیا گیا، جس نے بچا زاد بھائی کو قتل کیا تھا اور وہ بقرہ کے ذریعہ زندہ ہو کر اس نے اپنے قاتل کا نام بتلایا تھا۔ اس کے بعد کسی قاتل کو میراث نہیں ملی۔ اسی طرح جو عورت قاتل ہو وہ اس کا وارث نہیں۔ یہ حکم اسلام میں باقی رکھا گیا ہے۔ قتل مانع ارث ہے۔

کیا قصاص کے لیے؟ مقتول کا قول حجت ہے:

اب یہاں پر یہ مسئلہ حل طلب ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہو جاتا ہے۔ اور اس میں زندگی کی تھوڑی سی رمق باقی ہو۔ جب اس سے پوچھا جائے وہ کسی کو اپنا قاتل ظاہر کر دے تو کیا قصاص کے لیے یہ قول کافی ثبوت ہے جبکہ قاتل کی طرف سے کوئی اقرار جرم بھی نہ ہو۔ اسی طرح یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ اگر کوئی مردہ زندہ ہو کر کسی بات کی شہادت دیتا ہے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

الجواب: اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مقتول کا قول اگرچہ حجت نہیں ہے لیکن اس سے تہمت متعلق ہو جاتی ہے۔ مقتول کے اس کہنے پر اس کو گرفتار کیا جا سکتا ہے اور اس سے تفتیش کی جا سکتی ہے لہٰذا ایسا ممکن ہے کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گرفتار کر کے پوچھ گچھ کی اور اس نے اعتراف جرم کر لیا۔ قاتل کا اقرار حجت شرعیہ ہے اور اس کو قصاص میں قتل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت زیورات سے آراستہ باہر نکلی تو کسی شخص نے اس کو مار کر اس کا زیور چھین لیا۔ اس عورت میں ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ بول نہیں سکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محلے والوں کے نام اس کے سامنے لیتے جاؤ اور اس سے پوچھتے جاؤ کہ مارنے والا کون ہے۔ اس کے سامنے نام لیے جانے لگے۔ جب مارنے والے کا نام آیا تو اس عورت نے سر ہلایا۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو گرفتار فرمایا اور قبول جرم کرنے کے بعد اسے قصاصاً مار دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱) ممکن ہے کہ یہاں بھی اسی طرح کی بات ہوئی ہو۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ جب یہ شخص معجزانہ طور پر زندہ کیا گیا تو اس کا قول حجت ہے۔ اس کے کہنے کی وجہ سے اس شخص کو قصاصاً قتل کرنا جائز تھا۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم الکلام کی کتابوں میں متکلمین اسلام نے لکھا ہے کہ اگر کسی پیغمبر کی دعا سے کوئی شخص معجزانہ طور پر زندہ ہو جائے اور زندہ ہونے کے بعد پیغمبر کے حق میں گواہی دے کہ یہ پیغمبر ہیں یا خدانخواستہ پیغمبر کی تکذیب کرے تو اس کا قول حجت نہیں ہے۔ پیغمبر کا معجزہ صرف اس کو زندہ کرنا ہے۔ باقی اس کا قول حجت نہیں ہے۔ اگر یہ ضابطہ درست ہے تو پھر صاحب البقرہ کی شہادت پر کارروائی کیونکر جائز ہوئی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ (واللہ اعلم) کوئی شخص معجزانہ طور پر زندہ ہو کر گواہی دیتا ہے۔ پھر اس کے اس قول اور فعل کو نبی کی تائید بھی حاصل ہو تو یہ قول و فعل حجت ہوگا اور اگر نبی کی تائید حاصل نہ ہو تو پھر میت کا قول بعد الحیات حجت نہیں۔

کیونکہ انسان جب موت کے بعد زندہ ہوتا ہے تو اس کے تمام حواس عقل، وہم، خیال وغیرہ بھی ساتھ ہی زندہ ہو جاتے ہیں اور قبل الممات ان حواس میں خطا و غلطی کا امکان موجود ہے تو اسی طرح دوبارہ زندہ ہونے کے بعد بھی خطا اور غلطی کا احتمال بدستور موجود ہے۔ البتہ اگر کوئی بے جان چیز کسی کے معجزہ کے طور پر کلام کرے جیسے شجر و حجر وغیرہ تو اس کا قول علی الاطلاق حجت ہوگا۔ کیونکہ وہاں پر قوت حس، خیال، وہم وغیرہ کا امکان نہیں ہے۔ غیر جاندار کا بولنا حقیقت میں نبی کی نبوت کا بولنا ہے۔ لہٰذا ان کا قول حجت ہوگا۔ جبکہ انسان کا بعد الممات زندہ ہو کر بولنا حسب العادۃ ہے کما کان فی الممات جیسا کہ وہ مرنے سے پہلے بولتا رہا۔

قاتل نہ معلوم ہونے کی صورت میں قسامہ کا حکم:

اسلام میں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص مقتول پایا جائے اور قاتل معلوم نہ ہو تو قسامہ کا ضابطہ و قانون موجود ہے البتہ مردہ کو زندہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ جس آبادی میں مقتول پایا گیا ہے۔ وہاں کے پچاس آدمیوں کو منتخب کر کے ان سے یہ حلف لیا جائے گا۔

واللہ ما قتلته و ما علمت له قاتلاً۔

اللہ کی قسم نہ تو میں نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اس کے قاتل کی بابت کچھ علم رکھتا ہوں۔ اگر پچاس کے پچاس لوگوں نے قسم اٹھائی تو دیت لازم آئے گی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ذریعہ اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دوبارہ زندہ ہونا حق ہے اور یہ ہونا ممکن ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝

یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسی طرح مردوں کو بھی زندہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کے جزوی واقعات بھی رونما فرماتے ہیں تاکہ تم لوگ احیاء بعد الممات کو سمجھو۔ اس لیے تاکید واقعہ پیش فرما دیا اور یقین و حجت قائم فرما دی۔ لیکن یہود تھے کہ پھر بھی دین کی طرف نہ لوٹے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ الخ یعنی تمام معجزات کے بعد بھی تمہارے دل پتھر کے پتھر رہے۔ بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھر تو کچھ نہ کچھ متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے۔ لیکن تمہارے دلوں پر نہ معجزات کا اثر ہوتا ہے، نہ وحی الٰہی کا، نہ کلام رسول الٰہی کا۔

اقسام الحجر فی القرآن: نافع عام، نافع خاص، ساکت:

پتھر کی تین اقسام ہیں۔ پتھر سے نہریں نکلتی ہیں۔ اکثر دریا پہاڑوں سے نکلتے ہیں کہ پتھروں سے پانی رستا ہے تو ان کا منبع پہاڑ ہی میں ہوتا ہے۔ جس پتھر سے نہر نکلتی ہے وہ پتھر نافع ہے۔ یعنی نافع ہے اور اس کا نفع عام ہے۔

دنیا اس سے متمتع ہوتی ہے۔ یہ دریا کے سلسلے پہاڑوں سے نکل کر سمندر میں جاتا ہے۔ ان پتھروں کا نفع عام ہے۔ بعض پتھروں سے صرف محدود لوگ متمتع ہوتے ہیں اور ان سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ یہ نفع خاص ہے۔

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

ان پتھروں سے ضرر نہیں پہنچتا یعنی ضرر نہ پہنچنا بھی ایک قسم کا نفع ہے۔ انسان کو پتھر سے کم تو نہ ہونا چاہیے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ اس لیے بعض ایسے علماء ہیں کہ دنیا کو نفع پہنچاتے ہیں۔ بعض صرف گاؤں کو نفع پہنچاتے ہیں اور بعض ایسے ہی پڑے رہتے ہیں جیسے پتھر ہوں لیکن بیہودہ کے علاوہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ان میں حق کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی قسمیں بتلائیں۔

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

اس میں بھی تسبیح ہوتی ہے تو خشیۃ اللہ کیا ہے۔ یہی تسبیح خشیت ہے۔

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا (۴۴)

اور کوئی چیز نہیں مگر پڑھتی ہے خوبیاں اس کی، لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا بیشک وہ ہے تحمل والا بخشنے والا۔ (بنی اسرائیل/۴۴)

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ

ہر ایک نے جان لی اپنی خاص طرح کی بندگی اور تسبیح۔ (النور/۴۱)

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور احد کو دیکھا تو فرمایا

هذا جبل يحبنا ونحبه.

یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

اہل کتاب، ان سے کسی خیر کی امید نہیں ہے۔ ان سے مایوس ہو جاؤ۔ یہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ یہ اللہ کا کلام سنتے ہیں، مگر اس سے نفع حاصل نہیں کرتے تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صفات مذکور تھیں، مگر انہوں نے آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت گندم گوں رنگ کی جگہ سفید رنگ لکھ دیا۔

كان ربعة مائلا الى الطول (آپ میانہ قد ہوں گے) اور انہوں نے بدل دیا اور كان طويلا لکھ دیا۔ اس طرح انہوں نے سمجھ بوجھ کر لفظی و معنوی تحریف کی۔

وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور وہ جانتے تھے کہ ہم تحریف کر رہے ہیں تو یہ لوگ تحریفات کرنے کی وجہ سے کیسے ایمان لے آئیں گے۔ جان بوجھ کر بددیانتی کرنے والوں اور بات بدل دینے والوں سے نفع کی اور ہدایت کی امید نہیں ہو سکتی۔ آپ ان سے کیوں امیدیں وابستہ کرتے ہو؟

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَاءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت

إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ

نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں سے اچھا سلوک کرنا

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا

اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا پھر سوائے چند آدمیوں کے

قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ

تم میں سے سب منہ موڑ کر پھر گئے ○ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا

وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٤﴾

اور نہ اپنے لوگوں کو جلاوطن کرنا پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود گواہ ہو

ثُمَّ أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ

پھر تم وہی ہو کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور ایک جماعت کو اپنے میں سے ان کے گھروں سے نکالتے ہو

تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ

ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے ہو اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو

مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ

حالانکہ تم پر ان کا نکالنا بھی حرام تھا کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ

پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی کیا سزا ہے کہ دنیا میں ذلیل ہو اور قیامت کے دن بھی

يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٨٥﴾ أُولَٰئِكَ

سخت عذاب میں دھکیلے جائیں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں یہی وہ

الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا

لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا سو ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ

هُمْ يُنصَرُونَ ۞

انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔

الفاظ و ابحاث محمود:

المیثاق۔ مضبوط عہد، در عہد و میثاق مشتمل علی الامرین ایک اللہ کی عبادت کرو اور ایک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یعنی یہ حکم مثبت بھی ہے اور منفی بھی۔ یہاں دو امور تکلیفیہ کا ذکر ہے مثبت و منفی ملا کر۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس کو جاننا یعنی اس کی صفات کا جاننا ذات الٰہی کو ہم نہیں جان سکتے ہیں اور دوسری بات میں شرک خفی اور ریاء بھی ہے۔ یعنی ان گناہوں سے بھی بچنا چاہیے۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

اقسام احسان بالوالدین:

احسان کی تین اقسام ہیں یعنی ان کو ایذا نہ پہنچاؤ ولا تقل لهما اف ولا تنهرهما یعنی نہ تو زبانی تکلیف دو، نہ بدنی تکلیف دو۔ دوسرے یہ کہ ان کی مدد کرو مالی بھی اور بدنی بھی۔ تیسرا یہ کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔ وہ جب بھی بلائیں حاضر ہو جائے اور یہ احسان فرض مطلق فی ای حال (یعنی ہر حال میں) ہے۔ اس کو ترک کرنا یقینا عقوق ہے۔ والعقوق من الکبائر (یعنی والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے) اور مالی و بدنی مدد کرنا مشروط ہے۔ بشرط الحاجت یعنی بھوکا ہے تو انفاق کرو۔ اگر محتاج نہیں تو پھر واجب نہیں۔ بیمار ہے تو خدمت کرو، تندرستی میں واجب نہیں ہے اور تیسری یہ شرط ہے اس شرط کے ساتھ کہ کسی فساد شرعی کا موجب نہ ہو مثلاً ماں باپ کہتے ہیں نماز مت پڑھو میرے پاس بیٹھو رہو تو ان کی یہ بات نہیں مانی جائے گی۔ اگر یہ کہے کہ جماعت کی نماز میں نہ جاؤ اگر حاجت ہوتا ہے تو پھر جائز ہے اور اگر محض ویسے ہے تو جائز نہیں ہے۔

یہاں پر اللہ نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے احسان کا بھی ذکر کیا ہے اور عام طور پر ایسا کیا ہے تو کیا مناسبت ہے احسان والدین اور عبادت رب میں؟

عبادت اور احسان کا تعلق کیا ہے؟

اس سوال کے متعدد جوابات ہیں۔ ایک تو اس لیے کہ اللہ کی عبادت بھی اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ ہمارا رب ہے۔ اعبدوا ربکم الذی خلقکم تو سبب کبیر ہے رب ہونا اور یہ وجہ پائی جاتی ہے والدین میں کہ انہوں نے بھی تمہاری پرورش کی۔

والدین سبب وجود ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ وجود اولاد کا سبب ہے علت وجود اللہ ہے۔ جیسے گویا کہ تمہاری پیدائش میں والدین کو بہت بڑا دخل ہے۔ اللہ نہ ہوتے تو بھی پیدا نہ ہوتے اور والدین نہ ہوتے تو تب بھی نہ پیدا ہوتے۔

ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں ہوتا۔ یتیم کے ساتھ حسن سلوک کے لیے قرابت شرط نہیں کیونکہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ احسان کرو۔ حسن سلوک کرو تاکہ وہ احسن طریقہ سے زندگی بسر کرے اور احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو۔ والمساکین مساکین بھی یتیموں کی طرح ہیں۔ ان کے پاس بھی مال نہیں ہے بے سہارا ہیں۔ مسکین وہ ہے جس کی آمدنی خرچ سے کم ہو۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا یعنی تمام لوگوں سے اچھی بات کہو، سخت بات نہ کرو تاکہ کسی کے دل کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہاں اللہ نے قُوْلُوْا لِلنَّاسِ فرمایا اور قولوا للمؤمنین نہیں فرمایا اس لیے کہ اس قول کا تعلق مومن اور کافر دونوں کے ساتھ ہے۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ وزنی عمل حسن خلق ہوگا اور اسی لیے جب حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى ۝ (سورہ طٰہٰ)

یعنی تم دونوں فرعون سے نرم لہجہ میں بات کرو تاکہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے۔ فرعون بہت بڑا کافر تھا لیکن اس کے ساتھ بھی نرمی برتنے کا حکم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و بردباری کا کمال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

(سورہ آل عمران ۱۵۹)

پس اللہ کی رحمت سے آپ نے نرمی کا برتاؤ کیا ان سے اور اگر آپ ہوتے درشت خو اور سخت دل تو وہ سب منتشر ہو جاتے آپ کے پاس سے۔

گویا سنگ دلی اور بدخوئی کا نتیجہ ہے کہ لوگ پاس سے ہٹ جائیں گے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ الخ ۝ (سورہ نحل ۱۲۵)

دعوت دیجیے (لوگوں کو) اپنے رب کے راستہ (اسلام) کی طرف دانائی اور ایسی نصیحت سے جو اچھی ہو۔

حدیث میں ہے آپ نے فرمایا:

مادخل الرفق في شيئ الازانه و ما دخل الخرق في شيئ الاشانه ۝ (الترغيب والترهيب)

یعنی جس چیز میں بھی نرمی داخل ہوتی ہے (یعنی نرمی کا برتاؤ کیا جاتا ہے) تو یہ نرمی اس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز میں اکھڑ پن کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ اس چیز کو عیب دار بنا دیتا ہے (الشین المعیب) شین عیب کے معنی میں ہے امام محمد باقرؒ بڑے عالم ہیں ان سے منقول ہے کہ

قولوا للناس ما تحبون ان يقال لكم.

یعنی لوگوں سے وہی بات کہا کرو کہ تمہیں پسند ہو کہ وہی بات تم سے بھی کہی جائے۔ وہ کلام نہیں ہونے

چاہئیں، بلکہ ایک بات ہونی چاہیے یعنی جو اپنے لیے پسند کرو وہ دوسروں کے لیے پسند کرو۔ یہ تمام حقوق العباد کا بیان تھا۔

المسکین من له ادنی شیئ و الفقیر من لیس له ادنی شیئ ○

یعنی مسکین وہ ہے جس کے پاس تھوڑا کچھ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یا عکس بھی ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو لیکن دونوں مستحق زکوٰۃ ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

انما الصدقات للفقراء و المساکین ○

یعنی صدقات کے مستحق فقراء و مساکین سب ہیں۔ مذہب ہے کہ ایسی رکھنے والے فقیر و مسکین دونوں کو لینا جائز ہے اور ان کا حقیقی معنی پتہ اسی جاتا ہے۔ لیکن سورہ بلد میں ہے:

او مسکینا ذا متربة ○

یعنی مسکین مٹی میں لت پت ہوتا ہے۔ کمزور ہوتا ہے۔

<u>یہود سے عہد لیا:</u>

اللہ تعالیٰ نے پہلے توحید و عدم شرک و حقوق اللہ کا عہد لیا پھر حقوق العباد کا۔ پہلے عہد کے حقوق کو بیان کیا اور مقام میں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کا تذکرہ کیا۔ وہ عقائد سے متعلق تھے۔ اب جن احکام کا بیان ہے یہ عمل سے متعلق ہیں۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ ۔

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَكُمْ

ایک پہلا میثاق تھا اب دوسرا میثاق ہے کہ اللہ نے جو میثاق لیا تھا وہ اس کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَكُمْ یہ اس لیے کہا کہ عبداللہ بن سلام یہود جب سے اسلام لے آئے تھے وہ یہود کی قباحت بیان کرنے کے لیے آگے بڑھے انہوں نے صدق مقال کا حق ادا کر دیا۔ اب یہود کی ایک اور قباحت کا ذکر ہے۔

لَا تَسْفِكُونَ اپنے ہم مذہبوں کا خون نہیں بہاؤ گے۔ یہ حکم تھا کہ اپنے ہم مذہبوں کے خون کی حرمت کا احساس کرو گے۔

ثُمَّ أَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُونَ الخ یہاں دوسری عہد شکنی کا ذکر ہے۔ یہود نے ہم مذہبوں کے خون کی حرمت کا پاس نہیں کیا۔

قتال انفسکم و خروج من الدیار کیا تھا

"تَقْتُلُوْنَ" یہ متعلق بالعقب ہے کہ مدینہ میں یہود کے دو قبیلے تھے بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ اسی طرح انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا آپس میں عہد تھا۔ بنو قریظہ نے اوس کے ساتھ عہد کیا اور بنو نضیر نے خزرج کے ساتھ اور دونوں حلیف بن گئے۔ اوس و خزرج کی لڑائی ۴۰ سال تک جاری رہی۔ اس میں یہود حلیفوں کا ساتھ دیتے تھے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد اوس اور خزرج اسلام لے آئے۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا
(سورۃ آل عمران ۱۰۳)

اور یاد کرو احسان اللہ کا جو اس نے تم پر کیا جبکہ تم تھے دشمن (آپس میں) پھر اس نے الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں پھر ہو گئے تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی۔

لیکن بنو نضیر و قریظہ اسلام نہیں لائے۔ چنانچہ اوس و خزرج کی لڑائی کے وقت یہود کے دونوں فریق آپس میں قتل کرتے تھے اور یہ آپس میں ایک دوسرے کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کرتے تھے۔ اللہ نے ان سے دو وعدے لیے تھے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ

یہود نے دونوں عہدوں کی خلاف ورزی کی تو یہاں ان کے نقض عہد کا ذکر ہے۔

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى کہ اگر یہودیوں کی جماعت قید ہو جاتی تو وہ فدیہ دے کر چھڑا لیتے تھے لیکن پھر قتل اور اخراج کا جرم بھی کرتے ہو۔ یہ عجیب تماشہ ہے کہ پہلے ان ہی میں سے بعض کو قتل کیا اور بعض کو گھروں سے نکالا اور جب وہ قیدی ہو کر آئے تو انہیں آزاد بھی کرایا۔ سامراج نے یہودیوں کا یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ امریکی سامراج نے پہلے تو جاپان پر ایٹم بم گرایا۔ پھر ان کی نسلوں کو بڑھایا۔ پہلے بم باری کرتے ہیں پھر یتیموں کی امداد کا کام کرتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے۔ ہمدردی بھی ہے، عداوت بھی ہے۔ ایک جگہ اللہ کا حکم مانتے ہو، دوسری جگہ نہیں مانتے ہو۔ جو دل کے مطابق ہو مان لیتے ہو ورنہ کفر کرتے ہو۔ ایمان تو بالکلیہ مراد ہے۔ اگر بالبعض ایمان ہے تو پھر وہ جزوی ایمان معتبر نہیں ہے۔ یہ دوغلی پالیسی سامراج نے یہود سے لی ہے۔

خندق کی لڑائی میں بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا گیا اور آپ کو فتح ہوئی۔ مشرکین جب آئے تو بنو قریظہ نے قریش کی حمایت کی۔ جب آپ بیٹھے تو جبریل آئے اور کہا جبریل نے

اوضعتم السلاح؟ قال نعم قال لكنا لم نضع اسلحتنا انهض الى هؤلاء قال صلعم اين؟ قال بنى قريظة فان الله امرنى ان ازلزل عليهم (تفسیر ابن کثیر ج ۳)

کیا آپ لوگوں نے اسلحہ رکھ دیا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں تو۔ حضرت جبرئیل نے کہا، لیکن ہم نے تو ہتھیار کمر میں رکھا ہے چلیے ان لوگوں کی طرف۔ حضورؐ نے پوچھا کن کی طرف؟ جبرئیلؑ نے کہا بنی قریظہ کی طرف، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ ان پر عذاب نازل کر دو۔

لا یصلین احد منکم صلوٰۃ العصر الا فی بنی قریظۃ ○

یعنی تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے سوا کسی اور جگہ نہ پڑھے۔

تو کسی نے عصر کی نماز راستہ میں پڑھ لی اور کسی نے راستہ میں نہیں پڑھی، کیونکہ ان کے نزدیک وہاں پہنچنا لازم تھا۔ وہاں جا کر محاصرہ کیا۔ جب بنو قریظہ تنگ آ گئے تو کہا کہ سعد بن معاذ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کریں گے ہم وہ مان لیں گے۔ یہ بنو اوس کے سردار تھے جو بنو قریظہ کے حلیف تھے۔ اس لیے ان کے خیال میں یہ نرم فیصلہ دیں گے۔ غزوہ خندق میں سعد کے شانہ میں ایک تیر لگا تھا۔ مسجد نبوی کے قریب خیمہ میں ان کا خون بہہ رہا تھا۔ آپؐ نے بلایا تو وہ آ گئے۔ جب وہ تشریف لائے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قوموا الی سیدکم،

یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر انہوں نے فیصلہ دیا کہ جو ان کے بالغ مرد ہیں، سب قتل کر دو۔

ان تقتل مقاتلۃ وتسبی نساءھم وصبیانھم ○

لڑائی کے قابل مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔

فقال علیہ السلام ان ھؤلاء واشار الیھم قد نزلوا علی حکمک فاحکم فیھم بما شئت، و بحکم اللہ

یعنی ان لوگوں نے تیرا فیصلہ قبول کر لیا ہے۔ آپ ان کے درمیان جیسے چاہیں فیصلہ کریں۔

ان کے حکم کے مطابق بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا۔ دوسرے قبیلے بنو نضیر نے ایک عجیب شرارت یہ کی کہ آپ کے خلاف ایک سازش تیار کی۔ ایک مکان کی دیوار کے ساتھ بٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر پتھر گرانا چاہا۔ انہوں نے آپ کو بلایا جیسے ہی آپ بیٹھے، اللہ نے آپؐ کو اس سازش کی اطلاع دے دی۔ پھر بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا، تو یہ خیبر کی طرف چلے گئے۔ ان کی بغاوت پر عذاب (جنگ) ڈال دی گئی۔ پھر فتح خیبر ہوا۔ یہ پھر ذلیل ہو گئے تو بنو قریظہ اور بنو نضیر کا یہ حشر ہوا تھا۔

اے اللہ ہم آپ کی جناب سے آنے والے نبی کے وسیلے سے بارش کے لیے
دعا مانگ لیتے تھے تو آپ ہمیں سیراب کر دیتے تھے اب آپ سے اپنے نبی کے چچا کے
وسیلے سے دعا مانگتے ہیں لہٰذا ہمیں سیراب فرمائیں تو بارش ہو جاتی تھی۔

معترض کہتے ہیں کہ دیکھو اموات کے ساتھ توسل جائز نہیں ہے۔ یہ سب بھول بھلیاں ہیں۔ نبی سے توسل یا کسی بھی صالح ہستی سے توسل کرنا جائز ہے۔ (ہم توسل بالذات حقیقۃً و بالاعمال مجازاً یوں توجیہ کرتے ہیں) انسان کی ذات من حیث الانسان سمجھ لو۔ پھر ان دونوں کو جدا کرتے ہیں اعمال کی وجہ سے۔ اس لیے یہ توسل بالذات نہ ہوا بلکہ بالاعمال ہوا۔ ورنہ فساق سے کیوں نہیں کرتے۔

من حیث عمل الصالح اصل ہے۔ ذات کا لفظ بھی بدعت کہا ہے۔ حالانکہ ہم تو توسل ان کے اعمال صالحہ سے کرتے ہیں۔ الباقیات الصالحات کا قانون جاری ہے اور مرے ہوئے آدمی سے بھی توسل جائز ہے۔ زندگی میں تو اعمال صالحہ محفوظ نہیں ہیں۔ جب ان سے توسل جائز ہے تو میت کے اعمال صالحہ تو محفوظ ہیں۔ مرتد کا خطرہ نہیں ہے۔ پھر ان کا توسل کیوں اختیار نہیں کرتے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ گزشتہ امتوں کا تذکرہ فرمایا کہ تین آدمی سفر پر جا رہے تھے بارش ہو گئی تو انہوں نے ایک غار میں پناہ لے لی۔ ایک چٹان اوپر سے گری اور غار کا منہ مکمل طور پر بند ہو گیا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ ان کا جو عمل بہت زیادہ امید کا ہو اسے سامنے رکھ کر دعا کریں۔ ایک نے اطاعت والدین کا ذکر کیا، دوسرے نے کف عن الزنا کا عمل پیش کیا، تیسرے نے مالی معاملہ کے بعد امانت و دیانت واپس کرنے کا ذکر کیا تو تینوں کے عمل سے یکے بعد دیگرے چٹان ہٹ گئی۔ معلوم ہوا کہ ہر ایک کے عمل کے توسل سے تینوں کو فائدہ پہنچا۔ معلوم ہوا کہ توسل بالاعمال جائز ہے اور اپنا عمل بھی اور دوسروں کا عمل بھی اثر کرتا ہے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے کہ اس مردہ کے اعمال ختم ہو گئے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے الا بالعباس نہیں کہا بلکہ بعم نبینا کہا تو یہ توسل بالنبی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں تو توسل میں لم معرف ہے نبی کی طرف اس لیے اب بھی نبی کا توسل مع العم ہے اگر وفات کے بعد نبی کا توسل ناجائز ہوتا تو عم نبیک نہ کہتے۔

اب ہمارے قادریہ نقشبندیہ چشتیہ سہروردیہ کے یہ شجرات ہیں۔ اب جو کوئی شجرہ اٹھا کر دیکھے اس میں بھی بحرمت لکھا ہوتا ہے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے خود یہ شجرہ لکھوایا۔ وہ مرید کو شجرہ دیتے تھے کہ روزانہ پڑھا کرو۔ الٰہی بحرمت فلاں کا ذکر کرتے ہیں اور وہ علماء دیوبند جو اہل سنت المشرب ہیں انہوں نے توسل بالمشائخ کیوں کہا۔ تم لوگ اکابر کا نام کیوں لیتے ہو۔ حضرت گنگوہی سے زیادہ شرک سے مجتنب کون تھا۔ اس لیے کہ صراط الذین انعمت پہ چلو کہ ان کے راستہ پر چلو۔

جنت سے دور ہو گیا۔

حضرت انس ابن نضر بھاگے بھاگے احد کے قریب آئے اور کہا:

انی لاجد ریح الجنۃ فی الاحد مجھے احد سے جنت کی خوشبو آرہی ہے اور وہ شہید ہو گئے ان کے جسم پر ۸۰ زخم تھے صرف ایک انگلی کا سرا محفوظ تھا جس کو ان کی بہن نے دیکھ کر پہچانا۔ الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

یہود کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ جبرئیل فرشتہ ہمارا دشمن ہے تو اللہ نے اس پر رد فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ

کہہ دو جو کوئی

عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

جبرائیل کا دشمن ہو سو اس نے اتارا ہے یہ قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر ان کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

پہلے ہیں اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے ○ جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل

وَمِيْكٰىلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ

اور میکائیل کا دشمن ہو تو بیشک اللہ بھی ان کافروں کا دشمن ہے ○ اور ہم نے آپ کی طرف روشن آیتیں اتاری ہیں

وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ إِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ أَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۚ

اور ان سے انکار نہیں کرتے مگر فاسق ہی ○ کیا جب کبھی انہوں نے کوئی عہد باندھا تو ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

بلکہ ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے ○ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ رسول آیا جو ان کی تصدیق کرتا ہے

لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ

جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا

كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

گویا وہ جانتے ہی نہیں ○ اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت پڑھتے تھے

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ

اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطانوں نے ہی کفر کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس کی بھی

أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هٰرُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى

جو شہر بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا اور وہ دونوں کسی کو نہ سکھاتے تھے جب تک

يَقُوْلَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ

یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش کے لئے ہیں تو کافر نہ بن پھر وہ ان سے وہ بات سیکھتے تھے جس سے خاوند

الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ

بیوی میں جدائی ڈالیں حالانکہ وہ اس سے کسی کو بدوں حکم خدا کے ذرا بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے اور سیکھتے تھے

مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ

ایسی چیز جو ان کو نقصان رساں تھی اور نافع نہ تھی اور یہ بھی جانتے تھے کہ جو شخص اس کو اختیار کرے اس کے لئے آخرت میں

خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ

کوئی حصہ نہیں اور وہ چیز بہت ہی بری ہے جس کے بدلے میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کاش وہ جانتے ہوتے اور اگر وہ

آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾ يَا أَيُّهَا

ع

ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کا اجر ان کے لئے بہتر تھا کاش وہ سمجھتے اے

الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ

ایمان والو تم راعنا مت کہو اور انظرنا کہو اور سن لیا کرو اور کافروں کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ مَّا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ

سزائے دردناک ہے ذرا پسند نہیں کرتے کافر اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے

أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم مِّنْ خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن

کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھی بات بہتر نازل ہو اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے

يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٥﴾ مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ

جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں

بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ

تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لے آتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے کیا تم نہیں جانتے

أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن

کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی

وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠٧﴾ أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن

دوست ہے نہ مددگار کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے

فقال تنام عینای ولا ینام قلبی فقال صدقت

یعنی میری آنکھ سوتی ہے اور میرا دل نہیں سوتا۔ اس نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(۲) بچہ کبھی ماں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے کبھی باپ کے ساتھ؟

فقال یعنی حضورؐ نے جواب دیا رحم میں پانی اگر مرد کا غالب ہو تو مرد سے مشابہ ورنہ ماں سے مشابہ ہوتا ہے۔

(۳) پھر پوچھا بچے کے کون سے اعضا باپ کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں اور کون سے ماں کے پانی سے۔ جواب دیا عظام و اعصاب من نطفۃ الاب اور گوشت بال ناخن ماں کے پانی سے۔ کہا صدقت وایضا فی الکتاب پھر پوچھا۔

(۴) کہ جنت میں اللہ سب سے پہلے کیا کھلائیں گے فرمایا کبد الحوت (مچھلی کا جگر) پھر ان سے بھی عہد تھا کہ ایمان لاتا ہے اب راستہ بند ہوگیا آخر میں پوچھا۔

(۵) کون سا فرشتہ آپ پر وحی لاتا ہے فرمایا جبرئیل لاتا ہے۔ تو انہوں کہا ذالک عدونا من الملائکۃ اور کہا کہ میکائیل وحی لاتے تو ہم ضرور ایمان لاتے کہ میکائیل بڑا اچھا فرشتہ ہے۔ انھوں نے اپنے عہد سے انحراف کیا قرآن کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ الخ (ابن کثیر) تو اللہ نے بڑی سختی سے رد فرمایا کہ جو دشمنی کرتا ہے جبرئیل سے وہ اللہ سے دشمنی کرتا ہے کہ اللہ کے مقرب کی دشمنی اللہ کی دشمنی ہے۔ فرشتے مکرم ہیں، ان کا احترام لازم ہے۔ مسلمان ان پر ایمان لاتا ہے۔ وہ فرشتوں کی دشمنی یا اہانت کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

"كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ" میں کتاب اللہ سے مراد تورات ہے۔

یہود نے فی الحقیقت شیاطین کی پیروی کی ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین جادو اور سحر سکھاتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کی حکومت جن و انس اور شیاطین سب پر تھی۔ جنات ان کے سامنے نئی صورت کے کارنامے دکھاتے تو لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ ان شیاطین نے انسان کو کچھ کلمات سحر بتلائے۔ سلیمانؑ نے یہ خرابی دیکھی تو فرمایا کہ الگ الگ ہو جاؤ۔ انسانوں کو سحر سے منع کر دیا۔ یہود بھی منکر کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی وراثت تھی، حالانکہ وہ اس سے منع کرتے تھے اور یہ جادو تو شیاطین کی وراثت تھی۔ یہود اسے سلیمانؑ کے دین کی پیروی بتلاتے تھے اس لیے فرمایا:

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ الخ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اگر ساحر ملے تو اس کو قتل میں ڈال دو ہاں اگر وہ توبہ کر لے تو پھر چھوڑ دو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین دن مہلت دی جائے اور اس کے بعد قتل کر دیا جائے چونکہ یہ لوگ لوگوں کو کفریہ کلمات بتلاتے ہیں، لہٰذا یہ کافر ہیں۔ دین کی بنیاد طہارت اور توحید پر ہے جبکہ جادو سراسر نجاست اور غلاظت ہے۔ اس میں ظاہری نجاست بھی ہے اور باطنی نجاست یعنی شرک بھی ہے۔

وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ

دو فرشتے تھے اللہ نے ان کو لوگوں کا امتحان لینے کے لیے بھیجا۔ یہ تکوینیات ہیں کہ فرشتے اللہ کے احکام میں قتل بھی کرتے ہیں۔ (حضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا) اللہ نے یہ دو فرشتے بھیجے تھے۔ لوگ ان سے عملیات سیکھتے تھے اور غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے لیکن یہ اتمام حجت کرتے ہوئے منع کرتے تھے اور بتلانے سے گریز کرتے تھے، البتہ اصرار کرنے پر بتلا بھی دیتے تھے۔ یہ فرشتے واضح کر دیتے کہ اسے غلط مقاصد کے لیے استعمال نہ کریں۔ اب اگر وہ ان کا بتایا ہوا عمل کرتے ہیں تو یہ ان کی اپنی ذمہ داری تھی۔ بابل شہر کا عرق زیادہ مشہور ہے۔ بعض تفاسیر میں بڑے لمبے قصے مذکور ہیں کہ اللہ نے فرشتوں کو قوت شہوانی دی۔ پھر ان سے غلط کام سرزد ہوئے تو یہ کنویں میں لٹکا دیے گئے۔ یہ اسرائیلیات ہیں۔ قرآن میں مذکورہ باتوں کے علاوہ ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ لا حاصل ہیں۔ جب ان کے پاس لوگ آتے تھے تو یہ کہتے:

اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ الخ

کہ مت سیکھو۔ ہم تو امتحان لینے آئے ہیں۔ اگلے رکوع میں اہل کتاب سے مقاطعہ کا ذکر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا

اس رکوع میں یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ انہوں نے آیت نسخ کا انکار کر دیا تھا اور اعتراض کیا تھا کہ آیات کیوں منسوخ ہوتی ہیں۔ آج ایک حکم آتا ہے، چند دنوں کے بعد یہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ من عند اللہ ہوتا تو یہ تبدیلیاں نہ ہوتیں۔ اس کا جواب اس رکوع میں ہے اور اس کے علاوہ بعض مقامات پر یہودیوں سے مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کا حکم دیا جاتا ہے۔

خطاب يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

یہ بھی قرآن کریم کی خصوصیت ہے کہ قرآن کریم میں مومنین کو براہ راست مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے کتابوں میں انبیاء کو مخاطب کیا جاتا تھا اور مومنین کو انبیاء کی وساطت سے حکم سنایا جاتا تھا۔ تورات وانجیل میں کہیں براہ راست مومنین سے خطاب نہیں تھا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ مومنین کے لیے بہت بڑا شرف ہے اور ان کا اکرام ہے کہ اللہ نے براہ راست انہیں خطاب فرمایا۔

مسئلہ رَاعِنَا

لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا تم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے وقت راعنا مت کہو۔ وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا یعنی راعنا کا مترادف لفظ انظرنا موجود ہے وہ استعمال کرو۔

جو توجیہ ہو اس و حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد فرمایا ہے انہی اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوگا۔ کسی اور نام سے پکارنے کی اجازت نہیں ہے۔

علامہ تفتازانی کا موہم الفاظ کا استعمال کرنا:

آپ لوگوں نے مختصر المعانی میں پڑھا ہوگا جہاں یہ بحث ہے کہ مسند الیہ کبھی معرفہ ہوتا ہے بالعلمیۃ کالمدح والذم یعنی اس کا علم مدح پر دال ہوتا ہے یا ذم پر دال ہوتا ہے تو اس پر علامہ تفتازانی نے دونوں کی مثال یہ دی ہے۔

ركب علي وهرب معاوية ○ (علی سوار ہوگئے معاویہ بھاگ گئے)

لغوی معنی کے اعتبار سے "علی" علو مرتبہ پر دال ہے اس لیے مدح ہے اور معاویہ عواء الكلب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کتے کا بھونکنا، لہذا یہ لفظ ذم پر دال ہے۔ یعنی حضرت معاویہؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں عواء الكلب تک پہنچا دیا۔ اسی وجہ سے ہمارے محققین علماء کہتے ہیں کہ (فيه شائبة من الرفض) تفتازانی میں رافضیت کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کا نام لے کر ان کو عواء الكلب سے تعبیر کرنا کس قدر غلط رویہ تھا۔ پتہ نہیں اب یہ شخص جنت میں جائے گا یا نہیں! کتاب کے حاشیہ پر اگرچہ یہ تاویل کی گئی ہے کہ معاویہ سے مراد صحابی رسول نہیں ہیں کوئی اور معاویہ ہے، لیکن یہ تاویل عجیب بھی ہے اور بعید بھی۔ یہاں حضرت علیؓ کے ساتھ تقابل ہے اور ایسے نام جو معنے فاسد کے موہم ہیں، ان کا استعمال ہی کیوں کیا گیا۔ کیا اور نام نہ تھے؟ وہاں (مختصر المعانی میں) اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ اسی طرح شرح العقائد النسفی میں یزید پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے اور اس پر لعنت بھی بھیجی گئی ہے اور آگے لکھا ہے۔ لعنة الله عليه وعلى انصاره واعوانه۔ حالانکہ ان کے انصار و اعوان صحابہ کرامؓ و تابعین تھے۔ پھر صحابہ کرامؓ کے تقابل میں خلفاء اربعہ کی تفضیل ذکر کی گئی ہے۔ آگے لکھا ہے کہ افضلیت سے کیا مراد ہے اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے تو یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہے اور اگر افضلیت سے مراد کثرت مناقب ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں کذا فی شرح العقائد اور توضیح میں بھی بہت ساری باتیں موجود ہیں۔ بہرحال میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ وہ الفاظ یا نام جن میں فاسد معنی کا وہم پایا جاتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے یا نبی یا کسی بزرگ کے لیے اسے استعمال کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ اور یہ تہ جملہ مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہو گیا کہ "راعنا" اس وجہ سے منع ہوا کہ اس میں فاسد معنی کا احتمال ہے اور "انظرنا" میں چونکہ معنی فاسد کا احتمال نہیں ہے، لہذا اسے استعمال کیا کرو۔

اگرچہ دونوں الفاظ مترادف ہیں، لیکن ایک موہم فساد ہے اور دوسرا موہم فساد نہیں ہے۔ اگر کسی قوم کی اصطلاح میں بزرگ کے معنی بیوقوف کے ہوں تو یہ بھی موہم فساد ہے۔ اس لیے ایک اصطلاح میں ایک لفظ کا

جاتا ہے تو اس کو انساء سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی بھلا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ "ہم آپ کو قرآن پڑھا دیں گے تو آپ بالکل نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ چاہے یعنی وہ آپ کو یاد تک بھی نہ ہوگا۔ اس سے مراد نسخ کی انساء والی صورت ہے۔ جیسا کہ مقدمہ میں عرض کر دیا تھا۔ نیز یہ ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ

(سورہ بقرہ، ۲۴۰)

اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں، وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے بے خرچ ایک سال تک بغیر (گھر سے) نکالے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت ایک سال ہے۔ پھر یہ احوال بدل گئے اور ارشاد ہوا:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

(سورہ بقرہ، ۲۳۴)

اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی بیویاں (وہ بیویاں) انتظار کریں اپنے اور چار مہینے دس دن۔

اب اس آیت سے معلوم ہوا کہ متوفی عنہا زوجہا (اگر حاملہ نہ ہو) کی عدت چار ماہ دس دن ہے تو پہلا حکم منسوخ ہے مگر اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہے۔ یعنی یہ نسخ بے انساء کے ہے۔

انساء کی مثال:

(۱) کبھی تلاوت کو دل سے محو کر دیتے ہیں لیکن حکم باقی رہتا ہے جیسا کہ آیت رجم الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما نكالا من الله والله عزيز حكيم (تفسیر ابن کثیر)

یعنی شادی شدہ مرد و عورت جب زنا کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو رجم کر دیا (ان کی) سزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

یہ الفاظ روایت میں تھے لیکن قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ البتہ ان کا حکم باقی ہے کہ شادی شدہ مرد و عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو انہیں سنگسار کیا جائے گا۔ البتہ یہ یقیناً عبرت ہے دوسروں کے لیے کہ حکم برقرار ہے اور تلاوت منسوخ ہے دلیل ذکر نہیں ہے۔

(۲) دوسری مثال صحیح بخاری کی کتاب المغازی میں یہ روایت موجود ہے کہ عرب کے بعض قبائل رعل، ذکوان وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں دین سکھانے کے لیے کچھ قراء کی ضرورت ہے۔

آپ ہمیں ہدایت فرمائیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر قاری روانہ فرما دیے۔ ان لوگوں نے غدر اور دھوکے سے ان صحابہ کرامؓ کو بئر معونہ کے مقام پر شہید کرنا شروع کر دیا۔ جماعت کے امیر حضرت حرام ابن ملحان ان کو احکام سمجھا رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے ان کو نیزہ مار کر زخمی کر دیا تو انہوں نے فرمایا فزت ورب الکعبۃ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

جب ان سب کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا گیا تو ان لوگوں نے دعا مانگی کہ اے اللہ ہمارے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما اور جو الفاظ ان لوگوں نے کہے تھے وہ وحی بن کر قرآن کریم میں نازل کیے گئے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

فانزل اللہ علینا ثم کان من المنسوخ۔ "انا قد لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا"۔

(بخاری کتاب المغازی)

یعنی درج ذیل الفاظ اللہ تعالیٰ نے ہم پر نازل فرمائے تھے اور پھر منسوخ ہو گئے۔ (ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے) بیشک ہم اپنے رب سے مل گئے وہ بھی ہم سے راضی ہوا اور ہمیں بھی راضی کیا۔

یہ الفاظ بعد میں منسوخ ہو گئے تو یہ منسوخ التلاوت ہے۔ مگر تو یہاں تعارض نہیں، اس لیے حکم کے منسوخ ہونے کا یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انشاء میں نسخ ہوتا ہے اور یہ خبر ہے (والاخبار لا تنسخ) خبریں منسوخ نہیں ہوتیں۔

(۳) تیسری مثال درج ذیل الفاظ حدیث میں موجود ہیں جو قرآن کریم میں اس وقت موجود نہیں ہیں لیکن پہلے ان الفاظ کی تلاوت ہوتی تھی وہ الفاظ یہ ہیں:

لو کان لابن آدم وادی من ذھب لابتغی الیہ ثانیا ولو کان لہ وادیان من ذھب لابتغی الیھما ثالثا ولا یملاء جوف ابن آدم الا التراب۔

ابن آدم کے پاس اگر ایک وادی سونے کی (بھری ہوئی) ہو تو ضرور دوسری کو تلاش کرے گا اور اگر دو ہوں تو لازما تیسری کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کا پیٹ سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

یہ الفاظ بھی بعد میں منسوخ ہو گئے۔ اب یہ الفاظ صرف حدیث میں ہیں۔ پہلے یہ وحی متلو تھی۔

(۴) چوتھی مثال اسی طرح ایک حدیث میں درج ذیل الفاظ منقول ہیں۔ پہلے متلو تھے اور اب تلاوت منسوخ ہو گئی۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

ان اللہ لیؤید ھذا الدین برجال ما لھم فی الآخرۃ من خلاق او لا خلاق لھم فی الآخرۃ

اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں سے کرواتا ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

(۵) پانچویں مثال صحیح بخاری کی کتاب الجہاد اور کتاب المغازی میں یہ روایت موجود ہے کہ قزمان نامی شخص ایک غزوہ میں خوب بہادری سے لڑا اور جنگجوئی کے خوب جوہر دکھائے تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی تعریف کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ھو فی النار، یعنی وہ جہنمی ہے۔ قریب تھا کہ لوگ آپ کے اس ارشاد سے شک میں پڑ جاتے کہ صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص نے اس کا پیچھا کیا۔ جب وہ شخص کفار کے ہاتھ سے زخمی ہوا تو رات کے وقت زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے تلوار کا دستہ زمین پر ٹیک دیا اور اس کی نوک پر اپنا سینہ رکھ کر دبایا یہاں تک کہ تلوار پار ہوگئی۔ گویا خودکشی کی موت مرا۔ وہ صحابیؓ بھاگتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اشھد انک رسول اللہ پھر سارا قصہ بیان کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

بہرحال منسوخ التلاوت آیات کی مثالیں احادیث میں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کس حکم کو یا کن الفاظ کو برقرار رکھتا ہے اور کن لفظوں کو نہیں۔

انساء الآیۃ انساء الحکم نہیں ہے:

اب سوال یہ ہے کہ جن آیات کے الفاظ بھلا دیے گئے تو پھر ان کا حکم امت میں کیسے باقی رہا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ الفاظ تو بھلا دیے گئے مگر مفہوم تو ذہن میں رہ جاتا ہے چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

عن ابن عباس ان عمر قام فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال اما بعد ایھا الناس فان اللہ تعالیٰ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالحق و انزل علیہ الکتاب فکان فیما انزل علیہ آیۃ الرجم فقرأناھا ووعیناھا ورجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ فاخشی ان یطول بالناس زمان ان یقول قائل لا نجد آیۃ الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ قد انزلھا اللہ فالرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنی اذا احصن من الرجال و من النساء اذا قامت البینۃ او الحبل او الاعتراف (تفسیر ابن کثیر ج ۳ [illegible])

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور پھر امابعد کہہ کر فرمایا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا تھا اور ان پر کتاب بھی نازل فرمائی اور من جملہ ان میں سے رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے وہ آیت پڑھی اور اس کو محفوظ کیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی (محصن زانیوں کو) رجم کیا۔ اب مجھ کو اندیشہ ہے کہ جب لوگوں پر ایک طویل زمانہ گزر جائے گا تو ایسا نہ ہو کہ کوئی یہ کہنا شروع کر دے کہ رجم کی آیت چونکہ قرآن کریم میں نہیں

ہے، ہم اسے نہیں مانتے۔ وہ ایک فرض کو چھوڑ دینے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو رجم (کا حکم) اللہ کی کتاب میں حق ہے ان شادی شدہ مرد و عورت کے لیے جو زنا کا ارتکاب کریں اور ان کا جرم شرعی شہادت، حمل یا اپنے اقرار و اعتراف سے ثابت ہو جائے۔

تو یہ سب کچھ تواتر بالعمل سے ثابت ہیں۔ جیسے قرآن کریم اور نماز کی ہیئت کذائیہ۔ یہ قرآن کریم میں تو نہیں ہے، لیکن تواتر بالعمل سے ثابت ہے۔ حدیث بھی کوئی ایسی متواتر نہیں ہے جو کہ لفظاً ہیئت کذائیہ کو نقل کر دے۔ اگر ہے بھی تو خبر واحد ہے۔ لہٰذا جو روایتیں متواتر ہیں وہ لفظاً نہیں بلکہ معنًی دیکھو آتی ہیں۔

آج اگر مسلمانوں سے رجم کی کیفیت کے متعلق بات کی جائے تو کہیں گے کہ پتھروں سے مارنا تو پہلے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ اب پتھروں کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔

رجم میں پتھروں کی جگہ گولیوں کی بوچھاڑ:

بعض علماء کی مجلس میں یہ بات ہوئی کہ موجودہ زمانے میں رجم کیسے کرنا چاہیے؟ یہ بحث آئی کہ اگر پتھروں کی جگہ گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جائے تو یہ رجم ہوگا یا نہیں؟ میں نے اس بات کی مخالفت کی اور کہا کہ پتھر ہی مارنے چاہییں اور دلیل یہ دی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ رجم حدود میں سے ہے اور حدود کے لیے قانون یہ ہے کہ "الحدود تندری بالشبھات" یعنی ثبوت جرم میں شبہ ہو جانے کی وجہ سے حدود ختم ہو جاتے ہیں اور ان کا حکم نافذ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کوئی زنا کا اعتراف کرے اور اس کو سنگسار کرنا شروع کر دیا جائے اور وہ شخص اپنے اعتراف و اقرار سے پھر جائے تو پھر اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور مزید سزا نہ دی جائے گی۔ جیسے ماعز بن مالک اسلمی بھاگ گئے تھے۔ ایک شخص نے اونٹ کی ہڈی اٹھائی اور مار دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھاگ گیا تو اس کا بھاگنا رجوع کے حکم میں ہے۔ اسی طرح جس کے خلاف چار گواہ ہوں تو ان کے سامنے رجم کیا جائے تاکہ گواہ اس کی سختی دیکھ کر خدانخواستہ اگر انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہو تو رجوع کر جائیں۔ البتہ شہادت سے رجوع کے بعد ان پر حد قذف اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اور گولیوں کی بوچھاڑ کے بعد مندرجہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت ممکن نہیں، نہ گواہ کے لیے اور نہ مقر کے لیے۔ لہٰذا اس صورت میں گولیوں کی بوچھاڑ کی سزا قطعاً درست نہیں ہے۔ آج سعودی عرب والے پتھر نہیں مارتے وہ چھرے مارتے ہیں۔ اس میں پھر بھی تھوڑی سی گنجائش ہے، لیکن گولی والی صورت تو بالکل جائز نہیں ہے۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ الخ

بعض دفعہ دیہاتی لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور سوالات کرتے تھے۔ صحابہ کرام اس پر بہت خوش ہوتے

بات ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نفس کے تقاضوں کو علی الدوام کنٹرول کرنا یہ بہت مشکل کام ہے۔ کوئی شخص اس کو پابندی سے سرانجام نہیں دے سکتا لیکن جہاد میں کود جانا آسان ہے۔ بسا اوقات انسان جذبات میں آ کر قتل ناحق کا مرتکب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول کا ارشاد ہے القاتل و المقتول کلاهما فی النار یعنی مارنے والا اور مارا جانے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔ جان دینا آسان ہے لیکن ہر وقت نفس پر کنٹرول کرنا بڑا مشکل ہے۔ آپ لوگوں نے دیکھا نہیں کہ معمولی پریشانی کی وجہ سے لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ بچہ امتحان میں فیل ہوا تو طعنے کے خوف سے خودکشی کر لی۔ یہ بچہ دراصل اپنے نفس پر کنٹرول نہ کر سکا لیکن یہ اپنی جان دینے کو تیار ہو گیا۔ لوگ اس مشکل کو جان دینے پر فوقیت دیتے ہیں۔ مشکلات پہ مسلسل قابو رکھنا مشکل ہے۔ کئی دفعہ آدمی صرف بھوک سے عاجز آ کر بیوی بچوں کو قتل کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ جان دینا آسان ہے۔ بہت سے لوگ روزے صرف اس لیے نہیں رکھتے کہ ان میں برداشت نہیں ہے۔ مسلسل مشکلات کو اپنانا یہ جہاد اکبر ہے۔ اسی لیے یہ فرمایا کہ جہاد اکبر تو سر کر لو جہاد اصغر پھر کر لینا۔

اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ

اس کے معنی یہ ہیں کہ یہود کہتے ہیں کہ لا یدخل الجنۃ الا الیھود اور نصاریٰ کے نزدیک الا النصاریٰ ہے یعنی یہ جنت میں اکٹھے نہیں ہونا چاہتے۔ دو محسن۔ یہ منافق کے مقابلہ میں ہے۔ محسن وہ ہے جو کار خیر اور احکام دائمہ کو خوبصورتی سے کرتا ہے۔ اس کے برعکس منافق کے عمل میں حسن نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی خرابی ہوتی ہے۔ اس کی نماز میں سستی ہوتی ہے۔ مومن کی نماز میں پیروی ہوتی ہے۔ مومن کے ہر عمل میں حسن ہوتا ہے۔ وہ احکام خداوندی کو پوری خوبصورتی سے بجا لاتا ہے جبکہ منافق احکام خداوندی کو نالائق اور دل میں نفرت سے ادا کرتا ہے۔ اس کے عمل میں خوبصورتی نہیں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کو محسن کہا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مومن کی شخصیت منافق کے مقابلے میں بالکل متضاد صفات کی حامل ہوتی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ ٹھیک راہ پر نہیں

وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ

اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی راہ حق پر نہیں ہیں حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

اسی طرح باتیں وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو بے علم ہیں پھر خدا قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ

ان باتوں کا کہ جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں فیصلہ کرے گا ۝ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے خدا کی مسجدوں میں

اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ

اس کا نام لینے کی ممانعت کر دی اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کی ایسے لوگوں کا حق نہیں ہے

يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا

عَظِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

عذاب ہے ۝ اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے سو تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ رخ ہے بیشک

اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا

اللہ وسعت والا جاننے والا ہے ۝ اور کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ

فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے سب اسی کے فرمانبردار ہیں ۝ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا

اور جب کوئی چیز کرنا چاہتا ہے تو صرف یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے ۝ اور بے علم کہتے ہیں کہ

يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ

اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ان سے پہلے لوگ بھی ایسی ہی باتیں

قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿١١٨﴾

کہہ چکے ہیں ان کے دل ایک جیسے ہیں یقین کرنے والوں کے لئے تو ہم نشانیاں بیان کر چکے ہیں ○

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿١١٩﴾

بیشک ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے کیلئے اور ڈرانے کے لئے اور تم سے دوزخیوں کے متعلق باز پرس نہ ہوگی

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى

اور تم سے یہود اور نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے دین کی پیروی نہیں کرو گے تم کہہ دو بیشک ہدایت

اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ

اللہ ہی کی ہدایت ہے اور اگر تم نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی اس کے بعد جو تمہارے پاس

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ

علم آچکا ہے تو تمہارے لئے اللہ کے ہاں کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں ہوگا ○ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے

يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ

وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں

هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٢١﴾

وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ○

افاداتِ محمود:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ الخ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتے تو فرماتے واللہ صدقا کہ دونوں نے سچ کہا ہے۔ یہ نصاریٰ ایک فرقہ ہے نصاریٰ عیسیٰ انجیل کے احکام کو اپناتے اور نصاریٰ موسیٰ تورات کے احکام کو اپناتے تھے۔

وجہ تسمیہ یہود و نصاریٰ:

یہودی کو یہودی کیوں کہتے ہیں۔ یاد یہود کا جوف واوی ہے۔ مثل

قال یقول بمعنی تاب یتوب - ای رجع انا ھدنا الیک ای تبنا الیک بمعنی تاب یتوب

یعنی ہاد یہود رجوع کرنے کے معنی میں ہے۔ نصاریٰ جمع ہے نصران کی، دونوں فعلان کے وزن پر فعالیٰ جمع فعلان ہے۔

والنصران، الناصر واحد۔

سورہ صف میں آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ

اس لئے مشہور نصاریٰ ہیں اور انصار جمع ناصر ہے۔ یہ عجیب لوگ ہیں، یہود کہتے ہیں۔

لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ

جبکہ کتاب ان کے پاس ہے تو عداوت میں نہ بڑھ جاؤ کہ ہر اچھی بات کا انکار کر دو۔ باوجودیکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ یہ بڑا ستم ہے۔

یہود کی قباحت ثانیہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ الخ (سورۃ بقرہ)

یہاں یہود کی دوسری قباحت کا ذکر ہے کہ یہ لوگ مساجد اللہ کی تخریب بھی کرتے ہیں اور ان میں اللہ کا نام لینے سے منع بھی کرتے ہیں تو یہ ظالم ہیں۔ ان کو ظالم اس وجہ سے کہا گیا کہ ان کا جرم اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ایک ہے کسی کے گھر کو غصب کر لینا۔ یہ غصب عین ہے اور ایک ہے کسی کے گھر پر قبضہ کر کے منافع غصب کر لیے، اگرچہ ملکیت کا غصب نہیں کیا ہے۔ یہ لوگ نصاریٰ اور یہود اہل کتاب کہلاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ نماز صرف بیت المقدس میں ہوتی ہے۔ دوسری مساجد میں نماز نہیں ہے۔ یہ اصل میں تحویل قبلہ کے مخالف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جا کر ۱۶، ۱۷ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی اور پھر آپ کی خواہش کے مطابق قبلہ بدل دیا گیا اور پھر قبلہ شمال سے جنوب کی طرف ہو گیا کہ مدینے سے مکہ جانب جنوب ہے۔ انہوں نے کہا کہ نماز تو صرف بیت المقدس میں ہوتی ہے۔ انہوں نے بہت شور مچایا اور بڑے جز بز ہوئے۔ کیونکہ ان کی ریاست خراب ہونے لگی تھی۔ یہ بھی تخریب کاری تھی۔

انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر الخ

یہ عمارت مسجد ہے تو کیا اس میں عبادت نہ کرنا تخریب مسجد ہے اور اس آیت میں تخریب مساجد اور مسجدوں کو ویران کرنے کو سب سے بڑا ظلم کہا گیا جبکہ سورہ لقمان میں ہے کہ حضرت لقمان نے جب بیٹے کو نصیحت فرمائی تو فرمایا کہ ان الشرک لظلم عظیم یعنی شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے تو اصل میں ایک ایک کی حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک حیثیت سے شرک بڑا ظلم ہے کیونکہ بہت بڑی بغاوت ہے اور تحویل قبلہ کا انکار قول اور فعل سے یہ شعائر اللہ کی توہین ہے۔ اس حیثیت سے یہ بھی کفر اور بڑا ظلم ہے۔

"مَن مثنیٰ" مفرد ہے اور اولٰئک، کان لھم تمام صیغے جمع کے ہیں۔ یہ لفظ مَن موصول ہے جو باعتبار معنی کے جمع ہے اور لفظاً مفرد ہے۔ حدیث میں ہے

احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا (الترغیب والترہیب)

اللہ تعالیٰ کے ہاں شہروں میں سے بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں۔

خدا کو بیٹے کی کیوں ضرورت نہیں؟

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

یعنی جب بیٹا مملوک نہیں ہوتا تو جو خدا تمام مخلوق کا مالک ہے۔ اس کو بیٹا بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے لیے وارث کی ضرورت نہیں۔ جبکہ وہ ابدی ذات ہے۔ اسے بیٹے کی کیا ضرورت۔ اسے نہ مددگار درکار ہے، نہ وارث، نہ قائم مقام۔

قٰنِتُوْنَ... قنوت کا لفظ قرآن میں ہر جگہ عبادت کے معنی میں ہے۔

کُنْ فَیَکُوْنُ... جب چیز موجود نہیں تو خطاب کس کو ہے؟

اللہ اور بندے کے خطاب میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھروں، پہاڑوں وغیرہ سے بھی خطاب فرمایا ہے۔ ہمارا اللہ کے لیے عدم اور وجود کا فرق بھی کیا حقیقت رکھتا ہے۔

لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰهُ الخ

یہ بات مشرکین نے کہی تھی، لیکن اس کو یہود نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔

بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بشیر لمن آمن ہے اور نذیر لمن کفر ہے۔ یعنی ایمان والوں کے لیے بشارت دینے والے اور کفار کو ڈرانے والے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ الخ بشیر لمن آمن بہ ونذیر لمن کفر بہ

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْیَهُوْدُ الخ

یعنی امت یہود قبلہ کے بنیادی مسئلہ کو لے کر چلی تھی، لوگوں کو بہکانے کے لیے یہود نے قبلے کا مسئلہ خوب خوب اچھالا۔ گویا ان کا مسلمانوں سے بس یہی اختلاف تھا۔ گمراہ لوگ دوسروں کو بہکانے کے لیے ایسے ہی مسائل اچھالا کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں جاننا چاہیے کہ اصل تو اللہ کا حکم ہے۔ اسے کسی سمت کا پابند نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ سمتیں تو اسی کی ملک ہیں۔ اس لیے یہ بحث ہی بیکار تھی۔ بس بہکانے کو یہ مسئلہ اچھالا گیا۔ بعض لوگ آج کل نوع بنوع کے مسئلوں سے عوام کو بہکاتے ہیں۔ کیا اسی مسئلے پر نجات کا مدار ہے؟ یا ان سے بھی زیادہ اہم مسائل ہیں۔

بیت المقدس کی تعمیر سلیمان علیہ السلام نے کی اور بیت اللہ کی تعمیر ابراہیم علیہ السلام نے کی ہے۔

حضرت ہاجرہ نے پوچھا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ تو کہا کہ بحکم اللہ تو فرمایا کہ چھوڑ۔ یہ بی بی بھی کمال کی تھیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دادی تھیں۔

(۳) حضرت ابراہیم نے خواب دیکھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رؤیا الانبیاء وحی جب آپ نے یہ دیا اپنے بیٹے کو سنایا تو بیٹے نے کہا یا ابت افعل ما تؤمر الخ پھر اس امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔ فاتمھن جتنی سب میں کامیاب رہے۔

لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۞

کہ یہاں نبی کی ایسی اولاد کو بھی عہد کا نہیں ملے گا اگر وہ ظالم ہوگی۔

امامت اور نبوت میں فرق:

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا الخ

امتحان میں کامیابی کے بعد ان کے اوصاف کا ذکر ہے۔

"اِمَامًا" اب یہاں امامت و نبوت تک چیزیں ہیں۔ پہلے ایک نعمت آئی پھر دوسری ملی۔ نبوت کے بعد اللہ کے نعمات ہوتے رہتے ہیں جو نبوت سے بڑے نہیں ہوتے لیکن متعدد نعمتیں ہوتی ہیں۔ یہ نعمتیں نبوت کے مساوی نہیں ہوتیں۔ امامت لوازم نبوت میں سے نہیں ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک امامت کا الگ عقیدہ ہے۔ (شاہ ولی اللہ کے نزدیک روافض کے فساد کی جڑ عقیدہ امامت ہے) المعصوم یوحی الیہ و تنزل الیہ الملائکۃ (وہ معصوم ہوتا ہے جس طرف وحی کی جاتی ہے اور اس کی طرف فرشتے آتے ہیں) لیکن امام کو معصوم کہنا غلط ہے۔ اس لیے انہوں نے بارہ امام بیان کر انہیں نبوت دی ہے۔ لیکن ختم نبوت کے انکار سے ڈرتے ہوئے لفظ امام بڑھا دیا۔ کیونکہ لفظ امامت تعریف نبوت پر صادق آتی ہے۔ البتہ یہ مرزائیوں سے کم بیوقوف تھے۔ امامت شیعہ یہاں مراد نہیں ہے بلکہ اس سے قیادت و سیادت مراد ہے۔ شیعہ کے ہاں امام ایک خاص مفہوم رکھتا ہے اور یہ ان کا خود تراشیدہ مفہوم اور عقیدہ ہے۔ لہٰذا جب ابراہیم علیہ السلام کو امامت ملی تو مرکز کے قیام کا بیان فرمایا۔ ہمیشہ مرکز ہر ایک میں مسلم ہوتا ہے۔ مثابۃ مرکز کے معنی میں ہے۔

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ الخ

مقام ابراہیم:

اب حرم سمت مشرق کی طرف مطاف کے کنارے پر وہ پتھر رکھا ہوا ہے جس میں نشان پائے ابراہیم ہے۔ پہلے اس کے مٹانے کا پروگرام بنایا گیا، لیکن پھر لگانے لگانے کا پروگرام بنا۔ پھر وہاں جالی لگی تھی تو اس میں ہمارے پاکستانی رقعے پھینکتے تھے۔ اب وہاں شیشے کا خول بنا دیا گیا ہے۔

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ

وہاں تو صرف بیت اللہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس کے جمال کو دیکھو۔ جتنا دیکھتے جاؤ اتنا ہی مزید دیدار کا شوق ہوگا۔ دوسروں کو لذت نصیب ہوگی۔

کعبہ سے نسبت قائم ہونے میں تاخیر ہوتی ہے بنسبت مدینہ سے نسبت قائم ہونے میں:

کعبہ میں نسبت مشکل سے قائم ہوتی ہے اور مدینہ میں بہت جلد نسبت قائم ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ وہاں نسبت الی الانسان ہے اور مکہ میں نسبت الرحمٰن الی اللہ ہے۔ وہاں تو وقت لگتا ہے۔ مجھے ایک دوست نے کہا کہ میں مکہ میں کافی دن رہا۔ مطاف کے پتھروں سے نوری شعاعیں نکلتی تھیں۔ پھر اس کے بعد شعاعیں بند ہوگئیں۔ کیا پتھر بدل گئے؟ میں نے پوچھا کہ وجہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ کافی زمانہ میں نسبت قائم ہوئی تھی۔ اب ایسی نسبت قائم کرنے میں کافی وقت لگے گا۔

بنو اسرائیل کے دادا ابراہیم علیہ السلام تو تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اسمٰعیل و ابراہیم دونوں تھے۔ یہ آیات دلیل ہیں کہ یہود کے اصول کے مطابق بھی نبی کو قبول ہونا چاہیے۔ اگر حضرت ابراہیم کا دادا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہودی نبی ہی کو مانا جائے۔ اگر ابراہیم ان کے دادا تھے تو وہ حضور کے بھی دادا تھے۔ پھر ان کی بات بھی ماننی اور سننی چاہیے۔

هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا اس لیے کہ یہاں مختلف قسم کے لوگ آئیں گے تو جھگڑا اور فساد کا خطرہ ہوگا۔ اس لیے امان طلب کی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ الخ

ان تمام دعاؤں کے ذکر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ان تمام دعاؤں کی قبولیت کی وجہ یہ ہے کہ عمل اللہ کو قبول ہے۔

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾

نہیں پوچھا جائے گا۔

افاداتِ محمود:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ یہاں سے یہود کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ یہ تمہارے مسلم بزرگوں کا مانا ہوا دین ہے۔ حق اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا کہ میری طاعت اختیار کرو تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میں نے رب العالمین کی اطاعت اختیار کی۔ پھر اسی بات کی وصیت اپنے بیٹوں کو بھی فرمائی کہ اے بیٹو اللہ تعالیٰ نے اس دین کو تمہارے لیے منتخب کر دیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک اس پر قائم رہنا۔ پھر یہی وصیت حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو فرمائی۔

الحکمۃ علم و حکمت الگ الگ ہیں۔ بہت سے علماء اس سے عاری ہوتے ہیں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى یہاں سے ایک اور قباحت کا ذکر ہے کہ وہ غلط پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ یہاں سے یہود کو یہ تعلیم دی گئی کہ ہم جب تمہارے مسلم بزرگوں کو مانتے ہیں ان کا احترام کرتے ہیں تو تم کیوں ہمارے شعائر اور بزرگوں کی مخالفت بے حرمتی اور توہین کرتے ہو۔ اگر تم واقعی مسلمان ہونا چاہتے ہو تو تمام فضول سوالات شکوک و شبہات شروط و قیودات سے بالاتر ہو کر سیدھے الفاظ میں ایمانا باللہ و بالانبیاء کلھم و بالکتب کلھا و بالاخرۃ وغیرہ پر ایمان لے آؤ۔

پس اے مسلمانو! اگر یہ لوگ (اہل کتاب) تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو تم جیسے ہو جائیں گے اور اگر تمہاری طرح ایمان نہیں لاتے تو پھر ان کی باتوں پر کان نہ دھرو اور اپنا کام جاری رکھو۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ

عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے

قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

کہہ دو مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے ○

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ

اور اسی طرح ہم نے تمہیں برگزیدہ امت بنایا تاکہ تم ہو گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر

عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ

گواہ اور ہم نے وہ قبلہ نہیں بنایا تھا جس پر آپ پہلے تھے مگر اس لئے کہ ہم معلوم کر لیں کہ کون رسول کی

مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى

پیروی کرتا ہے اس سے جو الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بیشک یہ بات بھاری ہے سوائے ان کے جنہیں اللہ نے

اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ قَدْ

ہدایت دی اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا بیشک اللہ لوگوں پر بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○ بیشک

نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف پھر پھر جانا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ

پس آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے اور جہاں کہیں تم ہوا کرو اپنے منہوں کو اسی کی طرف پھیر لیا کرو اور بیشک

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ نہیں ہے بے خبر

يَعْمَلُونَ ۝ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ

جو وہ کرتے ہیں ○ اور اگر آپ ان کے سامنے تمام دلیلیں لے آئیں جنہیں کتاب دی گئی تو بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہ کریں گے

وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

اور نہ آپ ان کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور نہ ان میں کوئی دوسرے قبلہ کو ماننے والا ہے اور اگر آپ ان کی

أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٥﴾ الَّذِينَ

خواہشوں کی پیروی کریں گے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا تو بیشک آپ بھی تب ظالموں میں سے ہوں گے۔ وہ لوگ

آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ

جنہیں ہم نے کتاب دی تھی وہ اسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بیشک ایک گروہ ان میں سے

الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤٦﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾

حق کو چھپاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔ آپ کے رب کی طرف سے حق وہی ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

افادات محمود:

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ: اب یہاں سے تحویل قبلہ کے متعلق جوابات ہیں۔

تحویل قبلہ کا تفصیلی واقعہ

بیت اللہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اول حضرت آدمؑ کے ذریعہ تعمیر شدہ پہلا گھر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے حضرت نوح علیہ السلام کے دور تک یہی بیت اللہ نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ رہا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا اور ساری زمین غرقِ آب ہو گئی تو بیت اللہ کی چھت اور دیواروں کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور خالی جگہ پر پانی کھڑا ہو گیا۔ پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ نے بحکم خداوندی بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر فرمایا۔ اور یہی بیت اللہ قبلہ رہا۔ پھر جب حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس تعمیر فرمایا تو بیت المقدس ہی نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ ٹھہرا اور یہ برابر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک قبلہ رہا۔ مکہ میں نماز پڑھنے والے بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو بحکم خداوندی آپؐ نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا شروع فرما دیا۔ شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ مدینہ منورہ میں اور آس پاس قبائل یہود آباد تھے جو بیت المقدس کو قبلہ مانتے اور تسلیم کرتے تھے تو وہ اسلام کی طرف راغب ہوں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ مسلمان ہمارے مذہب اور دین کے مخالف ہیں۔ یہ سلسلہ تقریباً ۱۶ ماہ تک جاری رہا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی فطری اور طبعی چاہت یہی تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ وہی قبلہ ہو جو حضرت آدمؑ اور ابراہیمؑ کا قبلہ تھا۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت انتظار میں رہتے تھے کہ کب خداوند کریم کا حکم مجھ کو پہنچے اور میں بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنا شروع کر دوں جیسا کہ "قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ" سے صاف ظاہر ہے۔ لہٰذا آپ کی چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی جو حکمت تھی اس واقعہ میں وہ بھی پوری ہو گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت بھی پوری ہو گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کی خوشنودیوں

اَيْنَ مَا تَكُونُوا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا

اس ضمن میں امام رازی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ ایک آدمی فوت ہونے لگا۔ اس نے بیٹوں کو وصیت کی کہ میری موت کے بعد ہڈیوں کو جلا کر راکھ کر دو، پھر اس کو آدھی جنگل میں اڑا دو اور آدھی دریا میں بہا دو۔ خدا نے اکٹھا کر کے پوچھا کہ یہ کیوں کیا؟ عرض کیا کہ تیرے خوف سے ایسا کیا۔ میری کوئی خیر بھی نہیں تھی۔ اس لیے میرے پکڑے جانے کا خطرہ تھا تو میں نے اس سے فرار حاصل کرنا چاہا تھا۔ اللہ نے یہ کہہ کر بخش دیا کہ تو تو سب پر ایمان رکھتا تھا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنو سلمہ میں تعزیت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اتفاق سے وہاں ظہر کی نماز کا وقت ہوا۔ آپ بیت المقدس کی طرف ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ دوران نماز تحویل قبلہ کا حکم آیا۔ آپ نے دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف پڑھائی تھیں اور بقیہ دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھائیں۔ جس مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا وہ "مسجد ذو قبلتین" کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد نبوی میں حضورؐ نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھائی تھی وہ اسی دن کی عصر کی نماز تھی۔ لیکن قبا والوں کو ابھی تک معلوم نہ ہوا تھا۔ وہ اگلے دن فجر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے کہ ایک صحابی کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نے اللہ کے رسول کے پیچھے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے، چنانچہ وہ لوگ نماز کے دوران ہی کعبہ کی طرف پھر گئے۔ چونکہ لوگوں کو بھی حکم خداوندی کا انتظار تھا، اس لیے لوگ وسط صلوٰۃ میں پھر گئے۔ اس تفصیل سے تینوں روایتوں میں تطبیق بھی ہو گئی کہ تحویل کعبہ کا حکم ایک روایت میں ظہر، دوسری میں عصر اور تیسری میں فجر کی نماز میں منقول ہے۔

ایک شخص کے کہنے پر لوگوں نے اپنا رخ کعبہ کی طرف کیونکر پھیرا؟ کیا خبر واحد حجت ہے؟

الجواب: یہاں قرائن موجود تھے۔ پہلے ہی سے صحابہ کرام تحویل قبلہ سے متعلق تذکرے کرتے رہتے تھے، اس لیے صحابہ انتظار میں تھے۔ ایسی صورت میں ایک شخص کا قول بھی حجت ہے اور خبر، حدیث اور قرآن قطعی ہے۔ جیسے روزہ قطعی فرض ہے اور ایک شخص کی اذان پر آپ افطار کر لیتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بیشک

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۞ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہا کرو

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۞ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ

بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے ۞ اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں

وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ اِذَاۤ

اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو ۞ وہ لوگ کہ

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۞ یہ لوگ ہیں

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۞ اِنَّ الصَّفَا

جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت اور یہی ہدایت پانے والے ہیں ۞ بیشک صفا

وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پھر جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کے درمیان

اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ

طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو بیشک اللہ قدردان جاننے والا ہے ۞ بیشک جو لوگ ہماری

يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي

کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو کہ جسے ہم نے نازل کیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لئے کتاب میں

الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۞ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

بیان کر دیا یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ۞ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور

وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞

اصلاح کر لی اور ظاہر کر دیا تو یہی لوگ ہیں کہ میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہوں ۞

مقرب ہوجاتا ہے۔ اس لیے روزہ دار عموماً شکر میں اور ذکر میں کثرت کرتا ہے۔ روزہ کا یہ امتیاز آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

الصَّلٰوۃِ ایک آدمی پانچ وقت کھڑے ہو کر الحمد للہ رب العالمین الخ پڑھتا ہے تو حمد شکر ہی تو ہے۔ اس نے رب العالمین کا اقرار کیا اور اس کی حمد کی۔ صلوٰۃ عبادت بھی ہے شکر بھی ہے اور کفر سے اجتناب بھی ہے۔

الصّٰبِرِیْنَ استقامت کیا تھا دین کے احکام پر عمل کرے۔ یہود کے تمام پروپیگنڈے چھوڑ کر دین کے احکام کی پابندی کرے تو ایسے کرنے والے یہ سب صابرین ہیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ الخ

اللہ تعالیٰ یہاں صبر کے اعلیٰ درجہ کی مثال دینا چاہتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے صابرین کی اعلیٰ شان ہیں۔ پہلے صبر کا حکم دیا۔ یہاں صابرین کی مثال ہے۔

اَمْوَاتٌ ای ھُمْ اَمْوَاتٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

یعنی آپ اس کی حیات کا شعور نہیں رکھتے۔ یعنی برزخی حیات کو حواس خمسہ سے نہیں جان سکتے۔ وہ حیات عالم برزخ سے متعلق ہے اور تم اس عالم میں ہو۔ تم پر یہ حالات منکشف نہیں ہوتے۔ ورنہ آپ عذاب قبر کا انکار نہ کرتے۔ آپ کا اس عالم سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ عالم رؤیا ایک اور عالم ہے کہ ایک آدمی آپ کے ساتھ سویا ہوا ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو اڑتا ہوا دیکھتا ہے۔ مشاعر (جمع شعور) کا تعلق اس عالم تک محدود ہے۔ عدم شعور کو عدم حیات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جو لوگ عدم شعور سے عدم حیات پر استدلال کرتے ہیں اللہ نے ان کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ اس میں بحث نہ کرو کہ حیات شہداء کیسی ہے اور کیسی نہیں ہے۔ جب صریح نص ہے کہ انہیں اموات نہ کہو تو ہم اموات نہیں کہیں گے اور بس۔ دوسری آیت میں ہے:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ ○

یہاں گمان سے بھی منع فرما دیا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہمیں فلا نقول باللسان ولا نجعلھم امواتا۔ اس لیے آپ سے کوئی بحث کرے کہ یہ حیات کیسی ہے، کیسی نہیں تو کہہ دو کہ ہمیں اتنا ہی علم ہے۔ لیکن اموات کا قائل ہونا یہ صراحتہً حرام ہے۔ اب لوگ کہتے ہیں انبیاء مر گئے، مر گئے، مر گئے۔ (نعوذ باللہ) یہ تعبیر کا فرق ہے۔ جواب میں کہو کہ تمہارا باپ مر گیا، مر گیا، مر گیا۔ لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے یوں کہا جائے تمہارے باپ کا وصال، انتقال ہوا ہے۔ میں ایک دن مدینہ میں روضہ قدس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی اشارہ کر کے کہہ رہا تھا:

انک میت وانھم میتون ○

اقبضتم ثمرة فؤاده فيقولون نعم فيقول الله ماذا قال عبدي فيقولون حمدك و استرجع الاسترجاع ان يقول انا لله وانا اليه راجعون فيقول الله ابنوا لعبدي بيتا في الجنة وسموه بيت الحمد ○ (الترغیب والترہیب)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ثمرات کی تفسیر بیٹے کے ساتھ صحیح ہے کیونکہ اس میں اختصار تھا۔ لیکن امام شافعی نے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی یا تابعی سے کوئی روایت پیش نہیں کی۔ یہ تفسیر خود ان کی ہے۔ بہرحال اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

وَالْخَوْفِ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ یعنی مستقبل میں یہ آزمائش آئے گی اور اللہ کے خوف کے تو ہم پہلے ہی مکلف ہیں کہ ہر مومن کے دل میں خوف ہے۔ جبکہ خطاب يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے ہے اور قلب مومن تو پہلے ہی اللہ کے خوف سے معمور ہے۔ پھر مستقبل میں کیا خوف ہے۔ یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی؟

یہاں خوف سے مراد خوف الکفار اور خوف الاعداء ہے۔ آپ اس خوف میں مبتلا ہو جائیں گے، جیسے مشرکین مکہ نے محاصرہ کیا تھا، پھر خندق کھودا گیا۔ اس لیے کہ خوف تھا۔ یہاں خوف الاعداء مراد ہے۔ خوف الکفار یعنی والا اعداء مراد ہے اور یہ ایک نئی آزمائش ہوگی۔

جوع سے مراد اگر صوم رمضان ہے تو صوم رمضان کو جوع کہنا صحیح نہیں۔ یہ تو عبادت ہے۔ اس کو بھی جوع سے تعبیر کرنا، یہ بات بھی کچھ درست نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ قحط سالی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ جہاد میں تنگی ہے کہ آپ کو بھوک لگے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ غزوہ سیف البحر میں تشریف لے گئے اور سمندر کے کنارے پہنچے تھے، اونٹوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو پھر منع کر دیا، ذبح نہ کیے۔ جن لوگوں کے پاس کچھ چیزیں تھیں، جن میں کھجوریں زیادہ تھیں ان سب کو جمع کیا اور روزانہ تقسیم کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دانہ فی کس حصے میں آتا تھا۔ راوی سے پوچھا گیا کہ ما تغنی التمرة؟ یعنی ایک دانے سے بھوک کیسے ختم ہو سکتی تھی؟ فرمایا یعنی جب ایک بھی نہیں رہی تو پھر ایک کی طاقت معلوم ہوئی۔ پھر اللہ نے ان کے لیے سمندر سے پہاڑ کی طرح بڑی مچھلی نکالی، تو پانی ہٹ گیا اور وہ وہاں پھنس گئی۔ انہوں نے خوب کھایا سب سیر ہو گئے۔ ایک آنکھ کے خول کی گہرائی میں چھ آدمی بیٹھ گئے اور ٹکڑوں سے چربی نکالتے تھے اور جب پسلیوں کو کھڑا کیا تو ایک اونٹ سوار شخص اس کے نیچے سے گزر گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ غزوات میں بعض وقت درخت کے پتے اور پھول کھانے کی وجہ سے منہ کے کنارے زخمی ہو گئے۔

لقرحت اشداقنا كنا نغزو وفي رواية كنا نضع كما تضع الشاة و البعير

ہمارے منہ کے دونوں جانب زخمی ہو جاتے تھے اور سخت چیزیں کھانے کی وجہ سے ہم اونٹوں
اور بکریوں کی مانند مینگنیاں کرتے تھے۔

ایسے ایسے واقعات صحابہ پر آئے اگر یہی مراد لی جائے تو اچھا ہے۔ یہاں جوع سے مراد روزہ کی عبادت مراد لینا مناسب نہیں۔

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ سے مال بڑھتا ہے۔ الزکوٰۃ دال علی معنی النماء او معنی التطہیر فاذا کانت الزکوٰۃ بمعنی النماء ہے تو اسے نقص اموال سے تعبیر کیوں کیا گیا؟ حالانکہ حدیث میں ہے۔

ویربی الصدقات کما یربی احدکم فلوہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے دیے ہوئے صدقہ کی ایسی پرورش ہوتی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے جانور کے چھوٹے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ کھجور کا ایک دانہ احد کے پہاڑ سے بڑھ جاتا ہے۔

سعدی نے کہا ہے کہ

زکوٰۃ مال بدر کن کہ فضلۂ رزرا چوں باغبان بزند بیشتر دہد انگور

چنانچہ حدیث میں انما ھی اوساخ الناس کہا گیا ہے کہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو اپنے خاندان کو زکوٰۃ کا مال لینے سے منع فرما دیا۔

حضرت حسن نے صدقے کی کھجور منہ میں ڈالی تو فرمایا کخ کخ کہ صدقہ ہونے کی وجہ سے یہ منہ سے نکال دو۔

”نقص من الاموال“ کا معنی یہ ہے کہ تمہارے پاس مال نہ ہوگا۔ جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔

”نقص انفس“ سے مراد امراض ہو سکتے ہیں اور نقص ثمرات سے مراد یہ ہے کہ باغات اجڑ جائیں۔

اس سے اگر اولاد مراد لی جائے اور مراد الثمر تو بالعموم ہوں تو بھی مراد اولاد ہو سکتی ہے۔ اس لیے اسے اولاد کے ساتھ مختص نہ کیا جائے۔ حرم کے بارے میں ہے یجبیٰ الیہ ثمرات کل شیء کہ وہاں ہر چیز ہے، لیکن باغ کہاں نہیں صرف ایک تربوز کا اتنا ہے۔ ایک بہت بڑا عالم تھا اس نے کہا کہ ثمرات کل شیء حتی ثمرات الانسان اس لیے اسے عمومی معنی میں لیا جائے تو مناسب ہے۔

یہاں میرا مقصد یہ نہیں کہ میں امام شافعی کی تفسیر کو غلط قرار دے دوں۔ چونکہ یہ تفسیر منقول عن المعصوم نہیں ہے اس لیے مؤدبانہ اختلاف کر رہا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ با ادب اختلاف کرنے کی گنجائش ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ الخ پہلے تحویل قبلہ کا ذکر تھا اور اس کے آخر میں ہے ولاتم نعمتی علیکم کہ تمہیں قبلہ ابراہیمی ہے اگرچہ مصلحتاً چند ماہ کے لیے بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تھا تو

صرف نماز پڑھنے کا ذکر نہیں، بلکہ تکمیل یہ ہے کہ حج وعمرہ بھی وہاں ادا کرو۔ عمرہ تو بھی بہت بڑی عبادت ہے اور حج وعمرہ بھی بڑی عبادتیں ہیں اس لیے تکمیل کے طور پر اس کا ذکر شروع کردیا۔

حقیقت صفا و مروہ۔ اس میں تیز دوڑنا اور سعی کرنا یہ صابرین کی جماعت کی خصلت ہے۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بڑے کیسے صبر کے ساتھ پہاڑوں میں رہے۔ جہاں پرندہ بھی نہیں تھا۔ پرندہ وہاں جاتا ہے جہاں پانی ہو۔ وہ وادی غیر ذی زرع تھی۔ وہاں پانی بالکل نہ تھا۔ صرف صبر واستقامت تھی اس بے کسی کے ساتھی تھے۔ الجوع شامل للعطش یعنی بھوک پیاس برداشت کرتے ہوئے ماں پہاڑی پر چڑھتیں۔ وہاں سے کعبہ نظر آرہا تھا۔ پھر جب وادی میں آتی تھیں تو وہاں سے بچہ اور کعبہ نظر نہ آرہا تھا۔ اس لیے سات مرتبہ بھاگیں۔ یہ صابرین کا مسئلہ ہے۔ پھر عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ الخ اس طرح ہوا کہ بچے کی ایڑیاں مارنے کی جگہ سے پانی نکلا۔ حضرت جبرئیل نے ایک جگہ پر ٹھوکا لگایا۔ آج بھی اس چشمہ کا پانی بہت زیادہ ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ بہر حال صفا و مروہ کا تذکرہ مضمون سابق کی تکمیل ہے۔ یہ صابرین کے ساتھ متعلق ہے کہ دیکھو ان پر کیسی رحمتیں ہوتی ہیں۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا الخ

لا جناح علیہ پر شبہ اور اس کا جواب:

شبہ: یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعبیر عجیب ہے کہ اگر کوئی طواف صفا و مروہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر نہ کرے تو ترک اولیٰ ہوتا نظر آتا ہے۔ یہ کیسی تعبیر فرمائی جبکہ سعی بین الصفا والمروۃ واجب ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں لا بأس میں یہ ہو تو اس کا ترک افضل ہے اور جبکہ یہاں صفا مروہ کے طواف کے ترک پر دم لازم آتا ہے یعنی صفا مروہ کا طواف ترک کرنے پر قربانی بطور کفارہ دینی پڑتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ اصل میں یہاں پر ایک واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ صفا پر بھی اور مروہ پر بھی ایک ایک بت رکھا ہوا تھا جو بت صفا پر تھا اس کا نام اساف تھا اور جو مروہ پر تھا اس کا نام نائلہ تھا۔ یہ عورت تھی۔ مشرکین ان دونوں کی پوجا کرتے تھے اور طواف (سعی) کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں نے کعبہ میں زنا کیا تو اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا۔ گویا انہیں مسخ کردیا گیا۔ یہ پتھر بن گئے تو عبرتاً لوگوں نے انہیں صفا مروہ پر رکھ دیا تاکہ حرم میں گناہ کرنے والوں کو عبرت ہو جائے۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد لوگوں نے ان کی عبادت شروع کردی۔ کسی جگہ آپ کتے کو دفن کردیں اور قبر پر جھنڈیاں وغیرہ لگادیں تو لوگ پوجا شروع کردیں گے۔ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ دو کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے کتا دفن کیا ہے تو لوگ کہتے ہیں یہ کوئی اور جگہ ہے۔ اس طرح مشرکین مکہ یہاں پوجا پاٹ کرتے تھے۔ اہل مدینہ کی عادت تھی کہ وہ صفا و مروہ کی سعی نہ کرتے تھے۔ یہی ان دونوں میں امتیاز تھا۔ جب اسلام آیا تو

مسلمانوں نے اس سے پرہیز کیا کہ یہاں بت چڑھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے حرج محسوس کیا کہ یہ تو بت پرستی کا حصہ ہے۔ گویا انصار و مہاجرین کا اتفاق تھا کہ صفا و مروہ کی سعی نہ کرنی چاہیے۔ اللہ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ صفا و مروہ ان صابرین کی یادگار ہے۔ اس لیے یہاں سعی سے گناہ نہیں ہے۔ لا جناح و لا اثم و لا بأس یعنی کوئی گناہ نہیں اور پھر بتوں کو ہٹا دیا اور پھر شعائر اللہ کی سعی جاری ہوئی۔ اس لیے یہی اسلوب بیان اختیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حرج نہیں ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے منسوب قرأت شاذ ہے کہ ان لا یطوف بھما ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک سعی مسنون ہے واجب نہیں۔

لیکن یہاں متواتر قرأت کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا الخ

کتمان حق کی قسمیں:

تورات میں بھی تحویل قبلہ کا ذکر تھا لیکن انہوں نے حق پوشی کی۔ حضرت سعد بن معاذ نے مسلمان ہونے کے بعد بتلائی کہ یہ حضرت ابراہیم کا قبلہ ہے۔ یہ آپ کا اور آپ کی امت کا قبلہ ہے مگر یہود نے اس آیت کو چھپا کے رکھا۔ تو اللہ کریم ان پر لعنت کرتے ہیں۔

یہود کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ موت سے پہلے توبہ کر لیں۔ تو یہ قبل الغرغرہ قبول ہے۔ ایک وہ ہیں کہ مر گئے اور توبہ نہ کی۔ بعد الموت توبہ قبول نہیں ہے۔ اگر وہ زندگی میں اصلاح کر لیں جیسے عبداللہ بن سلامؓ نے مسلمان ہو کر تورات کی سچی باتیں بتائیں تو فرمایا کہ میں ان کی توبہ قبول کروں گا۔

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

اس لیے کہ اس عالم میں جب گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو پھر قحط آتا ہے۔ قحط کے لیے صلوٰۃ الاستسقاء ہے کہ رجوع الی اللہ ہے۔ زلزلے، سیلاب، مصیبتیں آتی ہیں جب گناہوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں کی وجہ سے وباء آئی، مصیبت آئی، قحط آئے تو متاثرین ان پر لعنت کریں گے۔ دیہاتی، حیوانات، جن، فرشتے تمام مخلوقات ان پر لعنت بھیجتی ہے۔ اس لیے لعنت کو عام کر دیا۔

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

ینظرون باب افعال سے مضارع مجہول ہے۔ انظر بمعنی انظار تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (بقرہ ۲۸۰)

یعنی (مقروض کو) مہلت دینی ہے فراخی تک۔

یا ملاقی مجرا ہے نفس مختصر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم رہیں گے۔
یعنی ان کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا۔
اَنَّ اللّٰہَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں۔ مرتبہ طریقت بہت بڑا ہے مرتبہ شریعت
سے۔ یہ کن حضرات سے کہتے ہیں۔ اس لیے اللہ کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔ طریقت شریعت کے متوازی
نہیں ہے۔ یہ تو شریعت کو خلوص دل سے اپنانے کا نام ہے۔

فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ
آگ اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ
اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۞ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو بدلے ہدایت کے خرید لیا اور عذاب کو
بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
بدلے بخشش کے پس کس درجہ دلیر ہیں آگ پر ان کا کتنا صبر ہے۞ یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ اتاری
وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ ۞
اور بیشک جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں بہت دور جا پڑے ہیں۞

افادات محمود

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ الخ

یہ مشرکین جنہوں نے بت بنائے تھے، پیروں، درختوں پر جانوروں کے چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ ان کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے۔ انہیں ہاتھ لگانا حرام سمجھتے تھے۔ کوئی ان کو ہانکتا نہیں تھا۔ چاہے یہ کھیتی خراب کرے۔ یہ سانڈ بڑے بڑے موٹے ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ انہیں کھاتے نہیں تھے۔ گویا انہوں نے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کر دیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ یہاں سے تحریم حلال پر گرفت فرما رہے ہیں کہ جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا یا نذر کرنا یہ شیطانی عمل ہے اس سے باز آ جاؤ۔

حلال، طیبات اصل اشیاء میں حلت اصلی ہے یعنی کوئی شے اس وقت تک حلال ہے جب تک کہ کوئی حکم شرعی آ کے حرام نہ کر دے۔ پھر جو شرع نے حرام کر دیا ہے وہ حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرما رہے ہیں کہ اے لوگو صریح حرام کھاتے ہو اور پھر حلال کو حرام قرار دیتے ہو۔

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ

یہاں سے یہ بتلایا کہ تم اقوال و نصوص شریعہ میں تحریف نہ کرو۔

عالم کی تقلید جائز ہے جاہل کی نہیں

اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ان لوگوں کی ایک دلیل ہے کہ ہمارے باپ دادا نے سکھایا ہے۔ یہ درست ہے کہ بزرگوں کو مانو لیکن وہ عالم ہیں تو تقلید کرو صرف باپ دادا ہونے کی بنا پر ان کی تقلید نہ کرو۔ اب ہم آئمہ کی تقلید کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان آئمہ کی علم کی بنیاد پر تقلید کرتے ہیں۔ صرف باپ دادا ہونے یا ہمارے بزرگ ہونے کی وجہ سے تقلید نہیں کرتے۔ کیونکہ علم خداوندی ہے۔

کھال، ہڈیاں، چربی وغیرہ سب چیزیں جائز ہیں۔ حضرت کی نسبت سے نام لحم (گوشت) ذکر کر دیا ورنہ خنزیر کی ہر چیز حرام ہے۔ البتہ بعض جانور ایسے ہیں کہ انہیں ذبح کر دیا جائے یا ذبح نہ کیا جائے تو وہ حلال ہیں ان میں حیات نہیں ہے جیسے السمک والجراد (مچھلی اور ٹڈیاں) ان کا استعمال جائز ہے۔

تحقیق وما اھل بہ لغیر اللہ

یہاں پر بعض مفسرین مثلاً جلالین وغیرہ نے ماذبح علی غیر اسم اللہ کو مقصود ٹھہرایا ہے یعنی جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ لیکن یہ ایک مغالطہ ہے، کیونکہ یہاں حرمت صرف اس ایک قسم میں منحصر نہیں ہے۔ اس کی اور بھی قسمیں ہیں۔ اھل اھلال کا معنی ہے پکارا جائے، نام لیا جائے کسی چیز کے لیے۔ ذات بہت کے لیے۔ لیکن اھلال سے مستقل حرمت ثابت نہیں ہوئی ان رجع عن عقیدتہ قبل الذبح فھو حلال یعنی اگر جانور ذبح کرنے سے قبل اس شخص نے اس فاسد عقیدہ سے رجوع کر لیا اور پھر جانور اللہ کے لیے ذبح کیا تو وہ حلال ہوگا۔ کیونکہ جانور کی ذات میں کوئی حرمت نہیں ہے۔ یہ حرمت خارج سے آئی ہے۔ اگر اسی عقیدہ فاسدہ پر ذبح کر دیا تو حرام ہے ورنہ حلال ہے۔ ولو ذکر اسم اللہ علیہ تب بھی حرام ہے یعنی جب غیر اللہ کے نام پر جانور مخصوص کر دیا گیا تو ذبح کے وقت اگر اللہ تعالیٰ کا بھی نام لیا جائے تو بھی یہ حرام ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے ولو ذبح لقدوم الامیر لیس المراد ضیافتہ فھو الحرام ولو ذکر اسم اللہ علیہ یعنی اگر کسی بڑے شخص کے احترام میں جانور کو ذبح کیا گیا اور مقصود اس کی مہمان نوازی نہ ہو بلکہ اظہار بڑائی کے لیے خون بہانا ہو تو یہ جانور حرام ہوگا۔ اگرچہ اس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ بلوچوں میں بھی یہ رواج ہے کہ جب بادشاہ آتا ہے تو تعظیم کے لیے ذبح کرتے ہیں یعنی خون بہانا ہی تعظیم کے لیے ہے تو یہ صورت بھی حرام ہے۔ البتہ اگر ضیافت مقصود ہو تو پھر مسنون ہے۔ تعظیم اور ضیافت میں فرق یہ ہے کہ اگر یہ گوشت امیر کو کھلا دیا تو ضیافت ہے اور اگر نہیں کھلایا تو محض تعظیم ہے۔ غیر اللہ کی تعظیم کے لیے خون بہانا حرام ہے۔ شامی کی دونوں عبارتوں کا یہی مفہوم ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ مضطر وہ ہے جس کو اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ مضطر اور مجبور شخص کے لیے اس وقت حرمت اٹھا دیتے ہیں۔ وہ شخص باغی نہ ہو یعنی کھانے والے کو حرام چیز کھانے کی خواہش نہ ہو کیونکہ خواہش نفس کا نام اضطرار نہیں ہے۔ اضطرار اور چیز ہے خواہش اور چیز ہے۔ جیسے معاذ اللہ اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ کہے کہ میں نے یہ اضطراری حالت میں کیا ہے تو یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔ شادی کے بغیر کوئی شخص مرتا نہیں ہے البتہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کئی جوان عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں پھر بھی وہ دوسری شادی نہیں کرتیں تو معلوم ہوا کہ یہاں اضطرار نہیں ہے۔ البتہ اضطرار کا تعلق اکل و شرب یعنی کھانے پینے کے ساتھ ہے۔

کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے حرام قرار دیا ہے۔ اسے مثلاً حضرت شیخ فضل علیہ رحمہ نے اس طرح میں بیان فرمایا ہے کہ ان تحریم ھذہ الاشیاء محصور او مقصور الی اللہ تعالی یعنی ان چیزوں کو صرف اللہ ہی نے حرام قرار دیا ہے۔ کسی اور کو کوئی دخل نہیں ہے۔

(۲) اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ حصر موجود ہے تو بھی یہ حصر اضافی ہے حصر حقیقی نہیں ہے۔ حصر اضافی کا مقصد یہ ہے کہ تم نے اپنے پاس سے جو جانور حرام قرار دے رکھے ہیں جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام قرار نہیں دیا۔ وہ تمہارے خود ساختہ حرام کیے ہوئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان چیزوں کو حرام قرار دے دیا ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ جو دنیا میں خدا کو چھپا جاتے آخرت میں چھپا نہ سکیں گے لیکن پھر بھی اللہ رب العزت ان سے گفتگو نہیں فرمائیں گے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ذلیل و رسوا ہونے کے باعث کلام کے مستحق نہیں ہوں گے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ

نیکی یہی نہیں

تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ

کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو بلکہ نیکی تو یہ ہے جو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر اور مال اس کی محبت میں

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ

رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا

اور گردنوں کے چھڑانے میں مال دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں

عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ

جب وہ عہد کریں اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں یہی

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ۞ اے ایمان والو مقتولوں میں برابری کرنا تم پر

الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۖ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۚ

فرض کیا گیا ہے آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۗ

جس قصاص کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کیا جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیے اور اسے نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے پس جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک

اَلِيْمٌ ۞ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞

عذاب ہے اور اے عقلمندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (قتل و خونریزی) سے بچو ۞

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے اگر وہ مال چھوڑے تو ماں باپ اور

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ

رشتہ داروں کے لئے مناسب طور پر وصیت کرے یہ پرہیزگاروں پر حق ہے ۝ پھر جو بدل دے

بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اس کے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ ان ہی پر ہے جو اسے بدلتے ہیں بیشک اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ

سننے والا جاننے والا ہے ۝ پھر جو وصیت کرنے والے سے طرفداری یا گناہ کا خوف کرے پھر ان کے درمیان اصلاح کر دے

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

تو اس پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے ۝

افادات محمود:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا الخ

اب تو یہ سے اہل کتاب کی وجہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس لیے ہدایت یافتہ ہیں کہ ہم اس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں جو تورات میں قبلہ قرار دے دیا گیا ہے۔ اس لیے ہمارے تمام اعمال دوسروں کے لیے قابل تقلید ہیں۔ منہ کہ ہم کسی کی پیروی کرتے پھریں۔ یہ ان کا تکبر تھا۔ یہ تکبر حمق سے پیدا ہوتا ہے۔ یا احمق یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کیونکر کسی کی پیروی کریں، وہ تو اس قابل ہیں کہ دوسرے ان کی پیروی کریں۔ اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ جب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا تو وہی قبلہ درست تھا اور اب جب کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہی درست ہے۔ تم نے تو سارا دین سمت قبلہ میں منحصر کر دیا ہے۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، قیامت پر ایمان لانا اور دیگر ضروریات دین پر ایمان لانا، پیغمبروں کی تصدیق کرنا یہ بڑ اور نیکی کا کام ہے۔ عبادت کے لیے کوئی بھی سمت فی ذاتہٖ مطلوب نہیں ہے۔ مقصود تو حکم ربانی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ الخ

اگر کسی نے صغیر کو قتل کیا تو کبیر قصاصاً قتل ہوگا۔ مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو یہ بھی قصاص ہے۔ سوء دمائہم کدمائنا یعنی ان (ذمیوں) کا خون ہمارے (مسلمانوں کے) خون کی طرح محفوظ ہے۔ غلام کو حر نے قتل کیا یا

مرد نے عورت کو یا اس کے برعکس قتل کیا گیا تو یہ قصاص ہے۔ گویا تمام نفس برابر ہیں۔ اگر کروڑ پتی نے مسکین کو قتل کر دیا تو قصاص ہے۔ نیز اسلام نے ہدایات بھی دی ہیں کہ صرف قاتل کو ہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ مقتولین کے درمیان مساوات ہوگی امیر کو غریب پر کوئی برتری بمقابلہ قصاص حاصل نہ ہوگی۔

آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام کو اور عورت کے بدلے عورت کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر قتل عمد نہ ہو تو قصاص نہیں ہے مگر دیت دینی پڑے گی۔ اسی طرح اگر مقتول کے وارثوں میں سے ایک نے معاف کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گی اور معاف نہ کرنے والے وارث کو دیت کا نصف حصہ دیا جائے گا۔ دیت یا قصاص لینے یا معاف کرنے کے بعد دوبارہ قتل کرنا حرام ہوگا۔ آج کل کے حساب سے ۲۶۳ سیر ۱۳ تولے اور ۳ ماشے چاندی قتل کی کل دیت ہے جو ۱۰۰ اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم کے برابر ہوگی۔ یہودیوں نے ایک عجیب بات بنائی تھی۔ انہوں نے مرد و عورت، عبد و حر اور شریف و مسکین میں بھی فرق کر رکھا تھا کہ شریف کا قصاص ہے، مسکین کا نہیں۔ شریف کا قتل ہوا تو غریب کے دو بدلے قتل کیے جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حرمت نفس میں سب انسان برابر ہیں۔

اگرچہ اس آیت میں اللہ نے العبد بالحر و الانثیٰ بالذکر سے سکوت فرمایا لیکن احادیث میں اس کی تفصیل ہے۔ ہاں اگر کسی نے اپنے غلام کو قتل کر دیا یا والد نے اپنے بیٹے کو قتل کیا تو قصاص نہیں ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ الخ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک تو مر گیا ہے اب دوسرے کو کیوں مار دیں تو فرمایا کہ قصاص میں زندگی ہے۔ اگر قصاص کا حکم ہے تو زیادہ زندگی رہے گی۔ ورنہ ہر ایک دیت اور ستم پر قتل کرے گا۔ گویا قصاص میں زندگی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ الخ اس کا ذکر مقدمہ میں ہو چکا ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ دو حیثیتوں سے (۱) میراث کا مفصل حکم آیا تو حصص مقرر ہوئے۔ (۲) دوسرا حکم حدیث میں آیا کہ لا وصیۃ لوارث یعنی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔

جَنَفًا جانبداری یا طرفداری کرنا گناہ ہے۔

اِثْمًا گناہ یہ ہے کہ اس نے عمداً خلاف شرع شی وصیت کی جیسے کسی نے کہا کہ شراب بنا دو۔ ایسی وصیت کو بدل دینا چاہیے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا

جس طرح ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ○ گنتی کے

مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

چند روز پھر جو کوئی تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلے

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ

اور ان پر جو اس کی طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے نیکی

لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ

کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○ رمضان کا مہینہ ہے وہ

اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ

جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے واسطے ہدایت ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ

سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پالے تو اس کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار یا سفر پر ہو

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے وہ تم پر تنگی نہیں چاہتا اور تاکہ تم گنتی پوری کرلو

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰٮكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو ○

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں تو قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ

پکارتا ہے پھر چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں ○ تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں

الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ

اپنی عورتوں سے مباشرت کرنا حلال کیا گیا ہے وہ تمہارے لیے پردہ ہیں اور تم ان کے لیے پردہ ہو اللہ کو معلوم ہے کہ

أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ

تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے پس تمہاری توبہ قبول کرلی اور تمہیں معاف کر دیا سو اب

بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ

ان سے مباشرت کیا کرو اور طلب کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمہارے لیے

لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ

سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے فجر کے وقت ظاہر ہو جائے پھر روزوں کو

إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ

رات تک پورا کرو اور ان سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو یہ

حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

اللہ کی حدیں ہیں سو ان کے قریب نہ جاؤ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ

يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا

پرہیزگار ہو جائیں اور ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق طور پر مت کھاؤ اور ان کو حاکموں تک مت پہنچاؤ تاکہ

فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو

انوارِ محمود:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ الخ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ

اس کا ذکر بھی مقدمہ میں اس مقام پر ہو چکا جہاں منسوخ آیات زیر بحث آئی ہیں۔ بہرحال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے امم سابقہ میں بھی فرض تھے لیکن شکل وصورت تعداد وغیرہ مختلف تھی۔ بعض امتوں میں روزہ افطار کرنے کے بعد سونے تک کھانے پینے کی اجازت ہوتی تھی سونے کے بعد اجازت نہ تھی۔ اسلام میں بھی ابتداء میں یہی صورت حال تھی۔ بعد میں سحری والی سہولت مل گئی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي الخ

رمضان المبارک کے بہت زیادہ فضائل ہیں جن میں سے قرآن کریم اور دیگر کتب سماویہ کا نزول فی رمضان بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ

یہاں سے امم سابقہ کے روزے سے احتراز و فرق کا ذکر ہے کہ پہلی امتوں میں سونے سے پہلے کھانا جائز تھا اور سونے کے بعد تمام چیزیں ناجائز تھیں لیکن اب صبح تک جائز ہے۔ چاہے سو جاؤ یا نہ سوؤ۔

"الرَّفَثُ" عورتوں سے بے باک ہونا۔ جس سے شادی دونوں کے درمیان پردہ پوشی ہوتی ہے۔

تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ یعنی خیانت ہو جاتی تھی کہ سو گئے تھے پھر جماع کر لیا تو یہ بات اب جائز ہے۔ بلکہ صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ حلال ہیں۔ یہ عدل اور وسعت شریعت محمدیہ کا امتیاز ہے۔

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

اس نے تم پر زیادتی کی اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں اور نیکی کرو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ

بے شک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روک دیے جاؤ

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ

تو جو میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک کہ پہنچ چکے قربانی

مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ

اپنے ٹھکانے پر پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر میں تو بدلہ دے روزے یا صدقہ

صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۪ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى

یا قربانی سے پھر جب تم کو امن ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ

الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي

تو اس پر ہے جو میسر ہو قربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین دن حج کے

الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

ایام میں اور سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے یہ حکم اس کے لیے ہے جس کے گھر

اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت

الْعِقَابِ ۝

دینے والا ہے

افادات محمود:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ پہلے صوم کا ذکر ہوا اب حج کا ذکر آرہا ہے اور صوم و حج کا تعلق ہلال سے

اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ

چند گنتی کے دنوں میں پھر جو شخص دو دن کے اندر واپس آنے میں جلدی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو

تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ

تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف

تُحْشَرُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

جمع کئے جاؤ گے ۝ اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ گواہ

اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ

بناتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے ۝ اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے ملک میں

لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝

کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور مویشی برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ۝

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ

اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو غرور اس کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے سو ایسے کے لئے دوزخ کافی ہے اور وہ برا

الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

ٹھکانا ہے ۝ اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ دیتے ہیں اور اللہ

رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا

بندوں پر بڑا مہربان ہے ۝ اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ

شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے ۝ پھر اگر تم

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

کھلی کھلی نشانیاں آ چکنے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان لو کہ اللہ غالب ہے حکمت والا ہے ۝

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ

کیا وہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ ان کے سامنے بادلوں کے سائبانوں میں آ موجود ہو اور فرشتے بھی اور کام

الْأَمْرُ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ؏	
ہو جائے اور سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں ○	

افادات محمود:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ

شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ یعنی ذی الحجہ کے دس دن مگر تین مکمل مراد ہے اس لیے اشہر جمع لائے ہیں لیکن اشہر الحرم سے قبل احرام باندھنا مکروہ ہے اور تمتع و قران کے لیے بھی اشہر حج میں احرام باندھنا چاہیے۔

فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی

یعنی مراد یہ ہے کہ لوگوں سے مانگنا اور سوال نہ کرنا تقویٰ ہے۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ الخ

پہلے عرب لوگ جب مناسک حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں ٹھہرتے تھے تو اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ اپنے باپ دادا سے زیادہ اللہ کو یاد کیا کرو۔ اسی طرح میدان عرفات نہ جاتے تھے۔ اس کو اپنی امتیازی شان خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بری رسم ختم فرما دی۔

وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ یعنی جنگ چھیڑ کر اور پھر فساد کرا کر کھیتوں کو ختم کرے گا۔

سَلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ

بنی اسرائیل سے پوچھئے ہم نے کتنی کھلی ہوئی

بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ

نشانیاں دیں اور جو اللہ کی نعمت کو بدل دیتا ہے بعد اس کے کہ وہ اس کے پاس آچکی ہو تو بے شک اللہ سخت عذاب

الْعِقَابِ ۝ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ

دینے والا ہے ۝ کافروں کو دنیا کی زندگی بھلی لگتی ہے اور وہ ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو

اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ

ایمان لائے حالانکہ جو لوگ پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بے حساب رزق

حِسَابٍ ۝ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ

دیتا ہے ۝ سب لوگ ایک دین پر تھے پھر خدا نے انبیاء خوشخبری دینے والے

وَ مُنْذِرِیْنَ ۪ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا

اور ڈرانے والے بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل کیں تاکہ لوگوں میں اس بات میں فیصلہ کرے جس

اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

میں اختلاف کرتے تھے اور اس میں اختلاف نہیں کیا مگر انہیں لوگوں نے جنہیں وہ کتاب دی گئی تھی اس کے بعد کہ

الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ

ان کے پاس روشن دلیلیں آچکی تھیں آپس کی ضد کی وجہ سے پھر اللہ نے اپنے حکم سے ہدایت دی ان کو جو ایمان والے ہیں اس حق

بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ

بات کی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے ۝ کیا تم خیال کرتے ہو

اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ

کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ حالات ابھی پیش نہیں آئے جو ان لوگوں کو پیش آئے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں

الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور ہلا دیے گئے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ

یہ مایوسانہ کلمات پیغمبر کی زبان سے کیسے نکلے۔ کیا وہ بھی مایوس ہو گئے؟

ان کے متعلق یہ جواب ہے کہ وہ مایوس ہو گئے تھے۔ یہ تقاضائے بشریت تھا کہ جب ایک انسان مصیبتوں میں پھنس جائے اور امید و توقع بھی پوری ہوتی نظر نہ آتی ہو تو پریشانی کے عالم میں کہے کہ مدد کب آئے گی۔ یہ انکار نہیں ہے۔ مانگنے کا ایک انداز ہے۔ مراد یہ ہے کہ اب مدد آ جانی چاہیے۔ یہ مدد جلدی طلب کرنے کے لیے ہے کیونکہ یہ خواہش پر دلالت کرتا ہے۔ صرف جلدی مدد یعنی استعجال نصر مانگتے ہیں اور اسی کی پکار ہے۔

سابقہ آیت میں یہ مضمون بیان ہوا کہ سب سے پہلے یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ منافقانہ روش چھوڑ دو اور مال و جان خرچ کرو تو اس کا تذکرہ فرمایا۔

وَأَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہاں جان و مال کے انفاق کے متعلق مسائل جزئیہ کا ذکر ہے تو اس کلیے کے آنے کے بعد جزئیات کی تاکید ہو جائے کہ نکاح، طلاق، انفاق وغیرہ جزئی مسائل کا ذکر ہے۔ کلیہ جو پہلے آیا تھا جزئیہ سے اس کو مضبوط کرتا ہے۔

يَسْأَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ سوال مال خرچ کرنے کا تھا لیکن جواب میں اسلوب الحکیم دیا۔

فرمایا کہ یہ مت پوچھو کہ کیا خرچ کرتے ہو؟ بلکہ کہاں خرچ کرتا ہے؟ مصرف کیا ہے؟ اللہ نے ان کے سوال کو پھیر دیا اور متنبہ کیا کہ سوال یوں کرو کہ مصرف معلوم کرنا ہے۔ فَلِلْوَالِدَيْنِ اگر والدین محتاج ہیں تو ان پر انفاق واجب ہے۔ اگر وہ مالدار ہیں تو وَالْأَقْرَبِيْنَ ہیں یعنی جو والد کے واسطے یا والدہ کے واسطے سے قریب ہیں۔ یہ بھی درحقیقت والدین پر خرچ کرتا ہے۔ جیسے چچا، تایا، ماموں، پھوپھا وغیرہ۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ جہاں کوئی منقطع ہو، وطن وغیرہ نہ ہو مسافر کو کھانا کھلانا واجب ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ الخ آگے قتال کا حکم ہے۔ مکہ میں قتال کا حکم نہ تھا اسباب نہ ہوتے تھے۔ جب مدینہ ہجرت کی تو قتال کی اجازت مل گئی۔ یہ دفاعی جنگ کی اجازت تھی کہ کفار اگر حملہ کریں تو جواب دو۔ چنانچہ پہلے یہ حکم تھا کہ قتال کرو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ لیکن بعد میں بالعموم قتال کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن دفاعی جنگ کے لیے کوئی شرط نہیں۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان بھی آپ پر حملہ کرے تو ان کا بھی دفاع کریں اور مقابل مسلمان ہے یا کافر، یہ بھی دفاعی جنگ میں شرط نہیں ہے۔ لیکن جارحانہ جنگ ہے کہ آپ کفار پر حملہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں تو اس کے لیے شرائط ہیں کہ اولاً کافروں کو دعوت پہنچاؤ۔ اگر وہ انکار کریں تو پھر قتال جائز ہے۔ عورتوں کا قتل ناجائز ہے۔ لیکن دفاع میں یہ بھی شرط نہیں ہے۔ جارحانہ جنگ فرض کفایہ ہے جب تک کہ ایک جماعت موجود ہو جیسے فوج ہے تو تمام لوگوں پر فرض عین نہیں ہے، لیکن اگر جارحانہ میں فرض کفایہ والے کفایت نہیں کر سکتے تو پھر جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا یہ حد تک ہے۔ آج بیرونی فوراضی والے بھی ہیں، اکثر خارجی والے بھی ہیں۔ ان کا مقابلہ دفاع سے ہو گا اور کفر واقعی تو مقابلہ بھی جہاد ہے، لیکن وہ اصلاً نہیں

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ

دنیا اور آخرت کے بارے میں ۔ اور یتیموں کے متعلق آپ سے پوچھتے ہیں ۔ کہہ دیجئے ۔ ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے

وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ

اور اگر تم انہیں ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں ۔ اور اللہ جانتا ہے فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے سے ۔ اور اگر

شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ

اللہ چاہتا تو تمہیں تکلیف میں ڈالتا ۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے ۔ اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک

يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا

ایمان نہ لائیں ۔ اور البتہ مومنہ لونڈی بہتر ہے مشرک عورت سے ۔ اگرچہ وہ تمہیں بھلی معلوم ہو ۔ اور نکاح نہ کرو

الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ

اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بھائے

أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ

یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں ۔ اور اللہ بلاتا ہے جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے

وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٢١﴾ ع

اور لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

افاداتِ محمود:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ ۔ اب جہاد کرنے میں کیا فوائد ہیں، کیا نقصانات ہیں، لیکن جاہل عقل کے لوگ اس کو نہیں مانتے۔

شانِ نزول:

واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قتال کے لیے بھیجا تو وہ جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ تھی۔ رجب داخل نہ ہوا تھا۔ رجب شہرِ حرام ہے۔ مسلمانوں نے یہ سوچا کہ جمادی الثانیہ کے آخری ایام ہیں، اس لیے قتال کی اجازت ہے۔ انہوں نے قتال کیا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ چاند ہو گیا تھا تو اس پر کافروں نے بڑا شور مچایا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ اشہرِ حرم کا احترام بھی نہیں کرتے اور دیکھو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لوگوں کو قتل اور لوٹ مار کا حکم دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش

کیا اور کہا کہ ہم نے جرم کیا ہے، اس لیے ہم قتل کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اس پر یہ آیت اتری۔

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ

یہ کفار اللہ کے راستے سے روکتے ہیں جیسے حدیبیہ میں عمرہ و حج سے روکا تھا تو انھوں نے تو پھر حرم و منزلت احرام کا احترام نہ کیا۔ حجاج کرام جب حج کو جاتے تھے تو بدنہ یعنی ہدی کا جانور ساتھ لے جاتے تھے۔ حجاج کے ہدایا کو دشمن سے دشمن بھی ہاتھ نہ لگاتے تھے، جب ہدی کا احترام ہے تو خود انسان کا احترام کیوں نہیں ہے۔ انھوں نے خود حرم کی بے حرمتی کی، لیکن ان کے ہدی کا احترام کیا تو اس کا ذکر فرمایا:

وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ الخ

مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور بھی کر دیا تھا۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ وہ صحابہ کہ جنھوں نے رجب کے پہلے دنوں میں قتال کیا تو اللہ کے عدم مواخذہ کا علم تو ہو گیا تھا لیکن صحابہ کرام کو یہ شبہ ہوا کہ اب اس جہاد پر ثواب ملے گا یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل کر دی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا الخ○

شراب اور جوے کے بارے میں لوگ پوچھتے تھے کیونکہ ابتدائے اسلام میں شراب کا رواج تھا اور جوا بھی عام تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھے، لیکن صحابہ کرام سمجھ گئے تھے کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ ایک اکابر صحابہ بالکل پرہیز کرتے تھے۔ عام لوگ مٹکے بھر بھر کے رکھتے تھے۔ اسلام نے اس کو یک وقت منع نہیں کیا اس میں بڑی حکمت تھی کہ شراب کا عادی اس کو چھوڑ دے یہ مشکل کام ہے۔ اس لیے تدریجاً چھڑوائی گئی۔

<u>شراب کے مفاسد:</u>

(۱) شراب نوشی کی پہلی خرابی یہ ہے کہ عقل ختم ہو جاتی ہے کہ عقل کا مقصد بری باتوں سے روکنا ہے۔ شراب پینے والا عقل کھو دیتا ہے۔

(۲) شرابی لڑائی بھی کرتے ہیں اور اس میں روحانی و جسمانی امراض بھی بہت ہیں۔ اسی طرح جوا بھی حرام ہے کہ جواری کبھی کبھی اہل و عیال کا تمام نقد ہار جاتا ہے، لیکن اس میں کچھ منافع بھی ہیں۔ جیسے شراب کے پینے سے سرور و کیف حاصل ہوتا ہے اور جوے میں محنت و مشقت کے بغیر مال ہاتھ آجاتا ہے، لیکن موازنہ کیا جائے تو یہ بات کھلی ہے کہ "وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا" اور ان دونوں (شراب نوشی و جوا) کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

اس آیت میں صراحۃً منع نہیں کیا گیا، بلکہ فرمایا گیا کہ اس میں خرابیاں اور منافع دونوں ہیں۔ جو ہوشیار تھے وہ سمجھ گئے کہ یہ حرام ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ نفع کم اور گناہ زیادہ ہے۔ اس طرح برائی دل میں بیٹھ گئی۔

پھر دوسری آیت یہ نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى (سورہ نساء ۴۳)

اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ درانحالیکہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔

یہاں آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب یہ چھوڑنا مشکل ہے تو پھر مرحلہ میں آپ نے پابندی کیوں لگائی؟

یہاں چودہ سو سال سے اسلام نافذ تھا۔ یہاں چند آدمی پیتے تھے۔ چودہ سو سال پہلے منع کیا گیا۔ اس لیے رعایت نہیں کی جا سکتی تھی اور منع کرنا آسان بھی تھا۔

اس آیت میں نماز کے اوقات میں منع کر دیا تو صرف حرمت آئی۔ تیسری آیت بالکل آخر میں آئی۔ یہ سورہ مائدہ کی آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

اے ایمان والو بیشک شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک شیطانی عمل ہیں سو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔ (سورہ مائدہ ۹۰)

اب یہ صریح حرام ہو گئی۔ صحابہ کرام نے گھروں کے مٹکے توڑ دیئے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ انصاریؓ کے گھر میں مٹکے تھے جن پر انہوں نے پتھر دے مارے۔ سارے مٹکے ٹوٹ گئے۔ بہرحال صریح حکم آنے کے بعد صحابہ کرام نے بے مثال مثال قائم کی کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب موسلا دھار بارش کے پانی کی طرح بہتی رہی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ

پہلے سوال کیا گیا تو مصارف بتلا کر جواب دیا گیا تھا۔ اس لیے وہ مطمئن نہ تھے۔ دوبارہ یہ سوال کیا گیا تو فرمایا العفو یعنی جو ضرورت سے زائد ہو یعنی دنیا تو قدرت کی ضرورت کو دیکھ کر خرچ کرو۔ خیر الصدقۃ ما کان عن ظهر غنى (الحديث) جو ضرورت سے زائد ہو تو یہ عام مسلمانوں کے لیے حکم ہے۔ اس سے کہ اگر پہلے تو سارا مال دیا پھر بعد میں دو ہو تو سزا تو اب ختم ہو گیا لیکن خواص کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ تو ایک پیسہ بھی نہ رکھتے تھے۔ جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ انہیں بعد میں پشیمانی و ندامت نہیں ہوئی تھی۔ ایمان و توکل سے ان کا دل معمور تھا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى الخ

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور نابالغ بچے رہ جائیں تو وارثوں کے ذمہ ان کی دیکھ بھال فرض ہے اور ان بچوں کا اس میں پورا پورا حصہ ہوتا ہے۔ یتیم کا مال کھانا بہت بڑا جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا الخ بیشک وہ لوگ جو ظلما یتیموں کا مال کھاتے ہیں، بیشک وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام یتیموں کے معاملہ میں پریشان ہو گئے کہ ذرا سی غلطی سے بہت بڑا نقصان ہوگا۔ ان کا کھانا پینا آٹا وغیرہ سب کچھ اگر ایک ہی گھر میں الگ رکھا جائے تو بڑی تکلیف لازم آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو "قل اصلاح لہم خیر" ارشاد فرما کر حل کر دیا یعنی تم ان کے مالوں کو اس طرح خرچ کیا کرو کہ ان کی بھلائی ہو اور تمہاری نیت درست ہو تو تھوڑی بہت لغزش معاف ہو جاتی ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ یعنی مال کھانے کی نیت سے خلط کرے اور اخلاص سے خلط کرے یہ مال اپنے اوپر خرچ نہ کرے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ الخ ابتداءِ اسلام میں کافر مشرک عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا۔ اس حکم کو یہاں منسوخ کر دیا گیا۔

مشرک کو لاکھ ہی ہو لیکن مومن غلام اس سے اچھا ہے۔ تم کسی مسلمان لڑکی کو مسلمان غلام کے عقد میں دے دو یہ بہتر ہے اس سے کہ تم مشرک کو دے دو۔

اس طرح حدیث میں ہے حضرت ام سلیم جو حضرت انس کی والدہ تھیں۔ ابو طلحہ انصاری نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا جبکہ ابو طلحہ مسلمان نہ تھے۔ ام سلیم مسلمان تھیں۔ انہوں نے فرمایا

مثلک یا ابا طلحة لا یرد ولکنی امراة مسلمة وانت رجل مشرک

اے ابو طلحہ تیرے جیسے شخص کے پیغام کو رد تو نہیں کیا جا سکتا لیکن میں ایک مسلمان خاتون ہوں اور تو مشرک شخص ہے۔ (رواہ النسائی)

ابو طلحہ نے مسلمان ہو کر نکاح کر لیا اور فرمایا کہ میرا یہ مسلمان ہونا تو مہر تھا۔ باقی یہ الگ مسئلہ ہے کہ یہ مہر قرار پاتا ہے یا نہیں۔ مہر میں مال دینا پڑتا ہے۔ بہرحال مسلمان کا نکاح مشرک سے جائز نہیں ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ

اور آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو

هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ

وہ نجاست ہے پس حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ

پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۞ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ

اور بہت پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

اور اپنے لئے آئندہ کی بھی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اس سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو ○

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ نیکی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح

النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ

کرنے سے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ تمہیں تمہاری قسموں میں بے ہودہ گوئی پر نہیں پکڑتا لیکن تم سے

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۞ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ

ان قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جن کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہو اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے ○ جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس

نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ وَاِنْ عَزَمُوا

جانے سے قسم کھا لیتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے ○ اور اگر

الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

انہوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○ اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ

روکے رکھیں اور ان کے لئے جائز نہیں کہ چھپا رکھیں جو اللہ نے ان کے پیٹوں میں پیدا کیا ہے اگر وہ

إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
اگر اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے خاوند اس مدت میں ان کو لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں
اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ
اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں اور دستور کے مطابق ان کا ویسا ہی حق ہے جیسا ان پر ہے
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞
اور مردوں کو ان پر فضیلت دی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

افاداتِ محمود:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ الخ

کفار کے ہاں حائضہ عورت کے ساتھ سلوک کرنے میں افراط و تفریط تھی۔ مجوس اور یہودی عورت کو حالت حیض میں گھر میں اکٹھے بھی نہیں رہنے دیتے تھے۔ ان کے ہاتھ سے کھانا کھانا بھی غلط کر دیتے تھے۔ ان سے بڑی سخت نفرت کرتے تھے لیکن نصاریٰ نے تفریط کی۔ نصاریٰ عورتوں کے ساتھ حالت حیض میں مجامعت کرتے تھے۔ نصاریٰ اب بھی غلط ہیں۔ اسلام نے اعتدال کا حکم دیا کہ حیض کی حالت میں مجامعت جائز نہیں ہے لیکن گھر میں رہنا اور جیسے ہر قسم کا اختلاط جائز ہے اور ایک برتن میں کھانا بھی جائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

عن عائشة قالت كنت أشرب وأنا حائض ثم أناوله النبي صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع في فيشرب وأتعرق العرق وأنا حائض ثم أناوله النبي صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع في (مسلم)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ایام خاص میں ہوتی تھی پانی پی کر (برتن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی تھی تو حضورؐ اس جگہ منہ رکھ کر نوش فرماتے تھے جدھر میرا منہ رکھا ہوا تھا اور مجھ کو پسینہ بھی آ چکا ہوتا اور میں ایام میں ہوتی تھی تو پانی پی کر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (برتن) دے دیتی تھی آپؐ وہیں منہ لگا کر جہاں میرا منہ لگا ہوا ہوتا تھا نوش فرما لیتے تھے۔

گویا منہ کا لعاب بھی ایام میں ہو تو اس سے بھی پرہیز نہیں ہے۔ لیکن دوسرے امور کے بارے میں فرمایا:

من أتى حائضا أو امرأة في دبرها فقد كفر بما أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم (الترغيب والترهيب)

جس شخص نے حائضہ عورت سے مجامعت کی یا عورت کے ساتھ خلاف فطرت کام کیا تو

تحقیق اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا انکار کیا۔

یعنی دونوں جگہ حیض یا نجاست (گندگی سے آلودہ ہونا) ہوتا ہے۔

اس جملہ سے بعض بیوقوفوں نے اتیان فی الدبر کا استدلال کیا ہے۔ بلکہ درحقیقت اس میں یہود کے ایک عقیدہ کی رد ہے۔ کہ یہود وطی فی القبل من جانب الدبر کو ناجائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اس ہیئت کے ساتھ وطی کی جائے تو بچہ احول یعنی کانا ہوتا ہے۔ بہرحال فاتوا حرثکم فرمانا دال ہے کہ محل استمتاع وہ جگہ ہے جو محل حرث ہے اور دبر چونکہ محل حرث نہیں ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد سوالوں کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ فی صمام واحد یعنی کیفیت جو بھی ہو لیکن محل استمتاع صرف قبل ہے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اتیان فی الدبر کبیرہ گناہ ہے۔ حالت حیض میں وطی سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ حیض کی وجہ سے عارضی طور پر وطی منع ہے۔ باقی محل تو وہی ہے، لیکن لواطت میں وہ محل ہی نہیں ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس بے حیائی کے مرتکب صرف انسان ہی ہو رہے ہیں۔ حیوان یہ کام نہیں کرتے۔ ایک گدھا گدھی کے پیچھے تین میل چلا جاتا ہے، لیکن اس کا ذہن اس طرف نہیں جاتا۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولئک کالانعام بل ھم اضل جب انسان اپنے مقصد سے ہٹ جاتا ہے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ زنا جرم ضرور ہے، لیکن اس طرح خلاف فطرت کام نہیں جیسے لواطت ہے۔ لہٰذا زنا کی سزا اگر رجم ہے یا کوڑے ہیں، لیکن لواطت کی سزا تو پہاڑ کے اوپر سے نیچے گرا دینا ہے یا اس جرم کے مرتکب کے اوپر چٹان گرا دینا ہے وغیرہ۔ یہ ایسی سزا ہے جیسی قوم لوط کو ملی تھی۔

سورہ بقرہ کو سنام القرآن کہا گیا ہے:

سورہ بقرہ میں چونکہ بہت سارے احکام و مسائل بیان ہوئے ہیں اس وجہ سے اس کو سنام القرآن کہا گیا ہے۔

اب آگے یمین وقسم کے احکام بیان ہو رہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ الخ

یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔ قسمیں کھانا اچھی بات نہیں ہے۔ خصوصاً کسی نیک عمل سے رک جانے کی قسم کھانا تو کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔ اگر کسی نیک عمل سے رک جانے کی قسم کھائی تو قسم منعقد ہو جائیگی اور کفارہ دے کر اس قسم کو توڑ دینا چاہیے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے……

لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا اتیت الذی ھو خیر و تحللتھا (بخاری)

میں جب بھی قسم کھا لیتا ہوں اور بعد میں اس کے سوا کسی اور چیز میں بہتری دیکھتا ہوں تو وہ اچھا کام جس کے خلاف میں نے قسم اٹھائی تھی کر گزرتا ہوں اور قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔

اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ کا واقعہ بخاری میں تفصیل سے موجود ہے کہ جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی کی تو بعض ناواقف اور سادہ لوح مسلمانوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ان میں سے ایک حضرت مسطحؓ بھی تھے۔ ان کی والدہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان پر بہت کچھ خرچ فرماتے تھے لیکن جب اس نے منافقین والی تہمت میں ہاں ملائی اور اللہ کے حبیب اور اللہ کے حبیب کی حبیبہ کو اذیت پہنچائی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطحؓ اور ان کے گھر والوں پر کچھ خرچ نہ کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

اور نہ قسم کھانی چاہیے بزرگی اور فراخی والوں کو تم میں سے اور مقدور والوں کو اس بات سے کہ وہ دیں مال قرابت والوں اور مسکینوں اور ہجرت کرنے والوں کو راہ میں اللہ کی اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے اور کہ معاف کر دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور
اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم والا ہے۔

سبحان اللہ کیا مقام ہے براہ راست ابوبکرؓ کو عفو و درگزر کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیقؓ نے اس ترغیب کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا

واللہ انی لاحب ان یغفر اللہ لی فرجع الی مسطح النفقۃ التی کان ینفق علیہ وقال
واللہ لا انزعھا عنہ ابدا (بخاری شریف)

بخدا میں بھی چاہتا ہوں کہ میرا اللہ مجھ کو معاف کر دے تو مسطحؓ کا وہ نان و نفقہ (جو پہلے آپ حضرت مسطحؓ پر خرچ کرتے تھے) بحال کر دوں اور فرمایا کہ قسم ہے خدا کی اب یہ نفقہ کبھی بند نہ کروں گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی بھی نیک عمل سے اگر غلطی سے کسی نے قسم کھالی تو کفارہ دے کر اس قسم کا توڑنا واجب ہے۔ جیسا کہ حدیث کی تصریح بھی ہے اور صدیق اکبرؓ کا عمل بھی آپ کے سامنے ہے۔
اب جو آپس کے دوران میں لوگ قسم دے ڈالتے ہیں کہ دوست نہیں رہیں گے تو اگر وہ قسم شرعاً توڑنے کا مستحق ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہیے اور اس کو درست کر دینا چاہیے۔

احکام واقعہ متہمین:

وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ الخ بعض لوگوں کی زبان سے بیہودہ باتیں نکل جاتی ہیں۔

ان پر کفارہ اگرچہ نہیں ہوتا لیکن یہ ایک قبیح و مذموم فعل ہے۔ چنانچہ فقہاء نے یمین کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔
(۱) یمین لغو (۲) یمین غموس (۳) یمین منعقدہ۔ یمین لغو کا تعلق فعل سے ہوتا ہے یعنی ماضی سے متعلق کوئی شخص قسم کھالے کہ یہ فلاں بات ہو گئی ہے اور وہ بات فی الواقع نہ ہوئی ہو۔ وہ قسم کھانے والا اپنے گمان کے مطابق سچا ہو۔
(۲) غموس کے معنی چونکہ پانی میں ڈوبنے کے ہیں تو جھوٹی قسم کھانے کی وجہ سے انسان غموس فی النار کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ یمین غموس یہ ہے کہ ماضی یا حال سے متعلق جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھانا۔ علم کے باوجود یہ کہنا کہ فلاں کام نہیں ہوا۔ پھر بھی جھوٹی قسم کھا کر اس کے ہو جانے کا دعویٰ کرنا۔ یہ بے شک گناہ کبیرہ ہے۔ اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اس کے لیے صرف اپنے رب سے توبہ کر لی جانی چاہیے۔ آج کل عدالتوں میں جو قسمیں دلائی جاتی ہیں وہ سب یمین غموس میں داخل ہیں۔ (۳) اور یمین منعقدہ یہ ہے کہ مستقبل سے متعلق قسم اٹھائی جائے کہ فلاں کام نہ کروں گا لیکن یہ کام نہ کروں گا تو وہ کام ہو جائے یا کر لے تو اس صورت میں کفارہ لازم ہو گا۔ شوافع کے ہاں یمین لغو کی تفسیر یہ ہے کہ بات بات پر قسم کھانا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یمین لغو و یمین غموس میں کفارہ نہیں اور یمین لغو میں مواخذہ نہیں ہے جیسے کہ مذکورہ آیت میں صراحت سے واضح ہے۔ کیونکہ نسیان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرماتے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

> رفع عن امتی الخطاء و النسیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی بھول چوک معاف ہے اور یمین منعقدہ اگر توڑ دی گئی تو کفارہ لازم ہو گا۔ حلیم مراد ہے یہاں کہ بہت تحمل سے حلیم متحمل ہے جلد باز کے۔ اللہ تعالیٰ جلد باز نہیں ہے۔ گویا یمین غموس جو گزر گئی ہے سزا نہ ہوئی وہ ہمارے ضمیر میں رکھ دی گئی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ جلد بازی سے سزا نہ دیں گے۔ وہ بردبار ہیں۔
>
> لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ الخ

احکام ایلاء

ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں جیسا کہ ولا یأتل اولوا الفضل الخ میں یہ آیت پیچھے گزر چکی ہے اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ چار ماہ یا زائد مدت کے لیے قسم کھانا کہ بیوی کے قریب نہ جاؤں گا۔ یا کوئی یہ قسم کھائے کہ بیوی کے پاس تا ابد کبھی بھی نہ جاؤں گا۔ اگر چار ماہ مکمل ہونے سے پہلے بیوی کی طرف رجوع کر لیا تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور قسم کھانے کے بعد اسی حال پر چار مہینے گزر گئے تو بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ کے لیے ایلاء فرمایا تھا اور ۲۹ تاریخ کو جب گھر والوں کو ملے تو حضرت صدیقہؓ نے کہا کہ حضور ابھی تو گنتی کر رہی تھی۔ مہینہ پورا نہیں ہوا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا الشہر ھکذا و ھکذا یعنی آپؐ نے ہاتھوں کے اشارہ سے سمجھا دیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے اور ۳۰ دن کا بھی ہوتا ہے۔ یہ مہینہ ۲۹ دن کا ہے۔

ایلاء کے لیے قسم کھانا شرط ہے

مودودی صاحب نے کہا ہے کہ ایلاء کے لیے قسم کھانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ ویسے ہی اگر کوئی شخص بیوی سے چار ماہ الگ رہا تو بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ ایلاء تو اسی قسم کھانے کا ہے۔ قسم کو غیر شرط کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ایلاء اور قسم ایک ہی چیز ہے۔ علاوہ ازیں قانون یہ ہے کہ شرط متحقق ہو تو مشروط متحقق ہوتی ہے۔ مودودی صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ قسم ایلاء کا رکن ہے یا شرط ہے؟ وہ ایلاء کے معنی ہی نہ سمجھ سکے۔ مودودی صاحب کی رائے کے مطابق جو شخص چار ماہ سفر پر ہو گا گھر والوں سے الگ رہے گا تو اس کی بیوی تو گئی۔

فَإِنْ فَاءُوا لعل اگر چار ماہ سے کم مدت کے لیے قسم کھالی کہ بیوی کے قریب نہ جاؤں گا۔ پس اگر قسم کی مدت پوری کی تو نہ کفارہ نہ طلاق اور اگر مدت مکمل ہونے سے پہلے رجوع کرلیا تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ الخ قروء قرء کی جمع ہے۔ قرء کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس سے حیض اور بعض نے طہر مراد لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لغت عرب میں قرء حیض اور طہر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی وجہ سے تفسیر میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں تین حیض مراد ہیں لیکن اس سے مراد وہ عورت ہے جو حاملہ نہ ہو کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

عدت کے احکام:

عورتیں چونکہ مختلف قسم کی ہوتی ہیں لہذا اس اعتبار سے عدت کے احکام مختلف ہوں گے۔

(۱) اگر عورت غیر مدخولہ ہو (یعنی اس سے ازدواجی تعلق نہ ہوا) اور اسے طلاق ہو جائے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے، پھر تم طلاق دیدو انہیں اس سے پہلے کہ تم چھوؤ ان کو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں۔

(۲) اور اگر عورت مدخولہ ہو تو حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش ہے خواہ اسے طلاق ہو جائے یا اس کا شوہر فوت ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ الخ (سورۃ طلاق ۱)

اور جو حمل والیاں ہیں ان کی عدت ہے وضع حمل کرنا۔

ہیں لیکن یہ انتہائی بے وقوفی کی بات ہے۔ عدت کو ۹۰ دن کے ساتھ خاص کرنا صریح نص کے مخالف ہے۔ یہ ۹۰ دن والی عدت صرف دو قسم کی عورتوں کی عدت ہو سکتی ہے۔

(۱) جس لڑکی کو کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ (۲) جس عورت کو بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ جو عورت غیر مدخول بہا ہو اور اسے طلاق دی جائے تو اس کی عدت ہے ہی نہیں، لیکن عائلی قوانین میں اس کے لیے بھی ۹۰ دن مقرر ہیں۔ یہ صریح نص کی مخالفت ہے۔ لیکن وہ لوگ بضد ہیں اب اس قانون کو بدلتے بھی نہیں۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

اس سے معلوم ہوا کہ طلاق کا حق صرف مرد کو ہے عورت کو نہیں ہے۔

...بِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور حکمت اتاری ہے کہ تمہیں اس سے نصیحت کرے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

افاداتِ محمود:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الخ ابتداء میں مردوں کو اختیار تھا کہ وہ جتنی جی چاہے طلاقیں دے دیتے۔ وہ بعد میں رجوع کر سکتے تھے لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ مقرر فرما دیا۔ ماضی میں عورتوں پر ظلم ہوتا تھا ان کی حق تلفی ہوتی تھی اور ان کو ایذاء پہنچانے کے لیے بار بار طلاق دی جاتی تھی۔ پھر رجوع کیا جاتا تھا۔ اب ضابطہ بتلا دیا گیا کہ اب دو طلاق کے بعد تو رجوع کر سکتے ہو لیکن تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اب اگر کسی اور جگہ عورت کی شادی ہو جاتی ہے اور اتفاقاً دوسرا شوہر بھی طلاق دے دیتا ہے یا خدانخواستہ فوت ہو جاتا ہے تو عدت گزار کر وہ عورت پہلے شوہر کے نکاح میں عقدِ ثانی سے آ سکتی ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ

اب یہاں سے خلع کا مسئلہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر نباہ نہ ہو سکے اور عورت کو خواہش ہو کہ اسے جدا کر دیا جائے تو اس صورت میں اگر نشوز (غلطی) مرد کی طرف سے ہے تو عورت سے کچھ لینا گناہ ہے۔ اس کو ویسے ہی طلاق دے دینی چاہیے۔ اگر نشوز اور غلطی عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے لیے طلاق کے عوض مال لینا یا مہر معاف کرانا یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ چنانچہ ایک صحابیہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے شوہر سے جدائی کا تذکرہ کیا۔ حضور نے اس عورت سے فرمایا کہ جو باغ تجھ کو مہر میں ملا ہے کیا تو اسے واپس کر دے گی؟ کہنے لگی ہاں۔ چنانچہ مہر لیا ہوا باغ اس عورت نے واپس کر دیا اور شوہر نے طلاق دے دی۔ اسی کا دوسرا نام خلع ہے۔

خلع: لفظ خلع سے بھی ہوتا ہے اور طلاق سے بھی ہو جاتا ہے بشرطیکہ مقابلہ میں مال وغیرہ ہو۔

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ: رسم حلالہ کا یہ تصور غلط ہے کہ حلال کرنے کے لیے نکاح کر دو اور پھر طلاق دو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل اور محلل لہ دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ البتہ حلالہ کی اتفاقی صورت درست ہے کہ شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ عدت گزارنے کے بعد اس نے دوسری جگہ شادی کر لی لیکن وہ شخص نامرد تھا۔ وہ خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگی کہ اب دوسرے شوہر نے بھی طلاق دے دی ہے۔ کیا میں پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ عقد کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا حتی یذوق الآخر عسیلتک و تذوقی عسیلتہ" یعنی دوسرے شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ عورت سے ہم بستری کرے۔ صرف نکاح سے شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوگی۔ لفظ "نکاح" لغت عربی کے اعتبار سے عقدِ نکاح اور وطی دونوں

معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں (نکح) کو جماع کے معنی میں مراد لیا ہے، لیکن علماء کو یہ توجیہ پسند نہیں ہے۔ کیونکہ نکح کا فاعل عورت ہے اور وطی کی نسبت اس حیثیت سے عورت کی طرف کرنا مناسب نہیں ہے۔ وطی کا فاعل حقیقت میں مرد ہی ہوتا ہے، البتہ اگر مفاعلہ کا باب ہوتا تو گنجائش تھی، لیکن یہاں ثلاثی مجرد کا باب استعمال ہوا ہے تو یہ عقد نکاح کے معنی ہی میں ہے اور وطی جو عقد ثانی میں شرط ہے، یہ حدیث عسیلہ سے ثابت ہے۔ یہ خبر مشہور ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اسے خبر واحد بھی کہا ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ پوری کر چکیں اپنی عدت تو اب ان کو نہ روکو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے

أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

سے جب وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہو جائیں یہ نصیحت اسے کی جاتی ہے جو تم میں سے

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ

اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی اور پاکیزگی کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ

نہیں جانتے ○ اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں یہ اس کے لئے ہے جو دودھ کی

أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

مدت پوری کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ان کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ

کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی طاقت کے مطابق نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو

لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ

اس کی اولاد کی وجہ سے اور وارث پر بھی ایسی ہی ذمہ داری ہے پھر اگر وہ دونوں اپنی رضامندی

مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا

اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر تم چاہو کہ اپنی

أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا

اولاد کو دودھ پلواؤ تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم دستور کے موافق جو دینا ٹھہرایا ہے حوالہ کر دو اور ڈرتے رہو

اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ

اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے ○ اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں

وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا

اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں پھر جب

بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

وہ اپنی مدت پوری کر لیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنے حق

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ

میں کریں اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ○ اور تم پر اس میں گناہ نہیں ہے کہ

بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ

ان عورتوں کو اشارہ سے پیغام نکاح دو یا تم اسے اپنے دل میں چھپاؤ اللہ جانتا ہے کہ تمہیں ان کا ضرور خیال

وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا

پیدا ہوگا لیکن خفیہ طور پر ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو مگر یہ کہ قاعدہ کے مطابق کوئی بات کہو

تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اور جب تک میعاد مقرر پوری نہ ہو اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو اور جان لو کہ

يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ع

اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرتے رہو اور جان لو اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے ○

افاداتِ محمود:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ الخ

یہاں بلوغ الی الاجل سے مراد یہ ہے کہ عدت قریب الاختتام ہو۔ کیونکہ عدت ختم ہونے کے بعد رجوع اور امساک والی بات صحیح نہیں رہتی۔ اس وجہ سے یہاں صاحب جلالین نے ای قارین انقضاء عدتہن کو مقدر ٹھہرایا ہے یعنی طلاق رجعی کی صورت میں جب عدت ختم ہونے لگے اور دوبارہ بسانے کا ارادہ ہو تو رجوع کر لیا جائے۔ اگر دوبارہ بسانے کا ارادہ نہ ہو تو ایذا رسانی کے لیے رجوع نہ کرے، بلکہ بطریق احسن اس کو رخصت کر دے۔ ہمارے ملکی قوانین کے مطابق تین طلاقوں کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے۔ چاہے دس بھی دے دے تب بھی رجوع ممکن ہے۔

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ الخ

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت معقل ابن یسار کی ہمشیرہ کو شوہر نے طلاق دے دی۔ جب عدت بھی گزر گئی تو سابق شوہر نے دوبارہ پیغام نکاح بھیج دیا۔ چونکہ طلاق رجعی تھی شوہر انقضائے عدت کے بعد عقد

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے

مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ

اپنے گھروں سے نکلے حالانکہ وہ ہزاروں تھے پھر اللہ نے ان کو فرمایا کہ مر جاؤ پھر انہیں

أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾

زندہ کر دیا بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۞

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّذِي

اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ بے شک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے ۞ کیا کوئی ایسا بھی ہے

يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَ

جو اللہ کو اچھا قرض دے پھر اللہ اس کو کئی گنا بڑھا کر دے اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور

يَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ

کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۞ کیا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو موسیٰ کے بعد

بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ

نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو تا کہ ہم لڑیں راہ

اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا

میں اللہ کی پیغمبر نے کہا کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اگر تمہیں لڑائی کا حکم ہو تو تم اس وقت نہ لڑو انہوں نے کہا

وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں گے اللہ کی راہ میں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے نکال

أَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ

دیا گیا ہے پھر جب انہیں لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے اور اللہ

عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ

ظالموں کو خوب جانتا ہے ۞ اور ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ

مَلِكًا ۚ قَالُوٓا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ

مقرر فرمایا ہے۔ انھوں نے کہا۔ اس کو حکومت ہم پر کیونکر ہو سکتی ہے اس سے تو ہم ہی سلطنت کے زیادہ حق دار ہیں اور اسے

يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ

مال میں بھی کشائش نہیں دی گئی۔ پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے اسے تم پر پسند فرمایا ہے

بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاللّٰهُ

اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ أَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ

کشائش والا جاننے والا ہے۔ اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ

فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ

صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو موسیٰ اور ہارون

تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗئِكَةُ ۭ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

کی اولاد چھوڑ گئی تھی اس صندوق کو فرشتے اٹھا لائیں گے بیشک اس میں تمہارے لئے پوری نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو ۲۴۸

افادات محمود:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا الخ

مال اور جان یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا نفس پر شاق ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کر کے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ جہاد سے جی نہیں چرانا چاہیے۔ آیت ذیل میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے کچھ لوگ، جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، بیماری کے ڈر سے یا دشمن کے ڈر سے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا اور دو فرشتوں کو عذاب نازل کرنے کا حکم دے دیا۔ جس وادی سے یہ لوگ گزر رہے تھے، ایک فرشتہ نے وادی کے ایک سرے پر اور دوسرے فرشتے نے وادی کے دوسرے سرے پر کھڑے ہو کر ایک زوردار چیخ ماری۔ اس سے یہ سب کے سب لقمۂ اجل بن گئے۔ پھر یہ لوگ حزقیل پیغمبر کی دعا سے زندہ کیے گئے۔ سات دن کے بعد یا زیادہ عرصے کے بعد یہ لوگ زندہ کیے گئے تاکہ توبہ کر لیں۔

دنیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا:

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ موت کے بعد دوبارہ کیسے زندگی ملی، جبکہ دوبارہ زندہ ہونا تو قیامت کے

دراز ہوگی؟ جواب اس کا وہی ہے جو ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ فليست هذه موت آجال بل هي موت عقوبة یعنی یہ موت ان لوگوں پر طاری ہوئی تھی وہ موت نہ تھی جو اجل مقرر وقت مقرر پر آتی ہے، بلکہ بطور سزا ان پر طاری کر دی گئی تھی تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ بیماری یا دشمن کے خوف سے بھاگنا حیات کا سبب نہیں ہے۔ موت اور زندگی کے نظام کو اللہ تعالیٰ کنٹرول کیے ہوئے ہیں۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں ہے۔ انہیں دوبارہ زندگی دی گئی تا کہ یہ لوگ توبہ بھی کر لیں اور آئندہ ایسی ناشکری کے مرتکب نہ ہوں۔

قرآن کریم میں یہ واقعہ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا ہے کہ جہاد سے بچ جانا اور جہاد میں شریک نہ ہونا زندگی اور زندہ رہنے کا سبب نہیں ہے، بلکہ جہاد میں عدم شمولیت کو ہلاکت سے تعبیر فرمایا ہے:

ع ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ

یہاں جہاد بالنفس کا بیان ہے اور اگلی آیت میں جہاد بالمال کا بیان ہے۔

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً

انسانوں کے لیے تو ضابطہ یہ ہے کہ جب ایک دوسرے کو قرض دیں تو بلا سود ہو جب وہ قرض حسنہ ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کو جب قرض دیا جاتا ہے تو وہ سود پر ہے۔ اس کا بہت زیادہ نفع ملے گا۔ اس کی طرف مندرجہ بالا الفاظ سے اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس کے عوض کئی گنا زیادہ دیا جائے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ الخ

یہ بیان بھی پچھلے مضمون کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ گزشتہ آیت میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔ اس واقعہ سے بھی یہی مقصود ہے کہ جب بنی اسرائیل کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور جالوت نے ان کو مغلوب کر دیا تو انہوں نے نبی وقت کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ آپ ہمارے لیے کسی کو بادشاہ مقرر کر دیں تو ہم اس کی قیادت میں قوم عمالقہ سے لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ نبی حضرت شمویل علیہ السلام ہیں۔ لیکن یہاں بھی بنی اسرائیل پر جبل گردد جبلت نہ گردد والی مثال صادق آ گئی۔ جب حضرت طالوت بادشاہ مقرر ہو گئے تو بنی اسرائیل نے شکوک و شبہات پیش کرنا شروع کر دیے۔ کہا کہ یہ تو غریب آدمی ہے۔ اس کے پاس دنیوی وسائل اور مال نہیں ہے۔ بادشاہ بننے کا اہل کیسے ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ یہ ایمانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے مضبوط ہیں اور قیادت کے اہل ہیں۔ قوم کا قائد عالم باعمل اور مجاہد ہونا چاہیے۔ یہ بزدل اور ڈرپوک نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ قیادت کا دار و مدار مال پر نہیں ہے۔

اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ الخ

یہ بنی اسرائیل کا تابوت تھا۔ اس میں پیغمبروں کے کچھ تبرکات تھے۔ بنی اسرائیل اس صندوق کو لڑائی

میں آگے رکھتے تھے تو ان کو فتح نصیب ہو جاتی تھی لیکن جالوت جب بنی اسرائیل پر غالب آیا تو وہاں سے
یہ صندوق بھی چھین کر لے گیا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ یہ لوگ جہاں بھی صندوق کو رکھتے وہاں وبا پھیل
جاتی۔ آخر لاچار ہو کر انہوں نے اس کو بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو ہنکا دیا۔ فرشتے ان بیلوں کو لے کر
طالوت بادشاہ کے دروازہ پر لے آئے۔ اس طرح یہ صندوق دوبارہ بنی اسرائیل کو مل گیا۔

افاداتِ محمود:

وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ پانی پر بھی طعام کا اطلاق ہوتا ہے۔ طالوت بادشاہ کے ساتھ ہزاروں کی امرا لشکر تھے، لیکن صرف (۳۱۳) تین سو تیرہ ایسے تھے جنہوں نے پانی نہیں پیا۔ وہی کامیاب ہوئے۔ جن لوگوں نے حکم کی تعمیل کی وہ کامران ہوئے اور جن لوگوں نے حکم توڑا وہ ناکام و نامراد قرار پائے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

یہ سب رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے بعض ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

اور بعضوں کے بہت سے درجے بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزے دیئے تھے اور روح القدس سے ان کو قوت دی تھی

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے لوگ آپس میں قتل و قتال نہ کرتے بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل پہنچ چکے تھے

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا

لیکن وہ باہم مختلف ہو گئے سو کوئی ان میں سے ایمان لایا اور کوئی کافر رہا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

افادات محمود:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الخ ۝

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے کہ بنی اسرائیل میں بیک وقت بہت سے نبی مبعوث ہوتے تھے کوئی ایک قوم کے لیے کوئی دوسری قوم کے لیے، کوئی ایک علاقہ کے لوگوں کے لیے کوئی دوسرے علاقہ کے لیے۔ فضیلت کا مدار اہمیت و نوعیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انس و جن کے لیے نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا۔

المبعوث الی الاسود والاحمر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن آپ کا پروگرام وسیع اور عام ہے۔ آیت مذکورہ میں پہلے بَعْضَهُمْ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور علیٰ بعض سے مراد دوسرے انبیاء کرام ہیں۔ آگے مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ الخ سے دیگر انبیاء کی فضیلت بیان فرمائی جا رہی ہے تا کہ ان کی شان کم ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ

اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرو اس دن کے

اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

آنے سے پہلے کہ جس میں نہ تو کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش اور کافر وہی ظالم ہیں ۝

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ

جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں سفارش کر سکے جانتا ہے

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا

ان کے تمام حاضر اور غائب حالات کو جانتا ہے اور وہ سب اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا کہ

شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ

وہ چاہے اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ

اور وہی سب سے برتر عظمت والا ہے دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے بے شک ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے

يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ

جو شخص شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا

لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ

جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۝ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَـھُمْ مِّنَ

نور کی طرف نکالتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں ان کو روشنی سے

النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع

اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں یہی لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۝

افاداتِ محمود:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا الخ

گزشتہ رکوع میں قتال فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان تھا یہاں پھر انفاق مال کا ذکر ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ

آیۃ الکرسی کی فضیلت:

(۱) ایک حدیث میں ہے کہ قرآنی آیات میں سے آیۃ الکرسی عظیم ترین آیت ہے۔

(۲) ایک روایت میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آیۃ الکرسی تمام آیات قرآنیہ کی سردار ہے اور جس گھر میں یہ آیت پڑھی جائے، وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

(۳) ایک روایت میں ہے جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھا کرے تو جنت میں داخل ہونے کے لیے سوائے اس کے مر جانے کے اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے یعنی موت کے بعد فوراً جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (الترغیب) یہ قرآن کریم کی عظیم ترین آیت اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی ناموں پر مشتمل ہے۔ یہ توحید ذاتی وصفاتی پر مشتمل ہے۔

قرآن کریم میں عموماً تین علوم سے بحث کی جاتی ہے۔

(۱) علم التوحید والصفات (۲) علم الاحکام (۳) علم القصص

اس آیت میں توحید وصفات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں مضمون بڑی تفصیل سے بیان فرمادیئے ہیں۔ (۱) جامعیت یعنی تمام صفات کمالیہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (۲) قیومیت، دیگر عبادات کی تہذیب وتصحیح بھی ان ہی صفات سے وابستہ ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ الخ

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے کیونکہ ایمان کا تعلق حقیقت میں قلب کے ساتھ ہوتا ہے اور دین پر جبری طور پر اجراء کلمہ سے ایمان قلب میں نہیں اترتا۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (سورہ کہف ۶)

پس شاید کہ آپ تو ہلاک کر ڈالیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے، اگر وہ ایمان نہ لائیں اس کلام (قرآن کریم) پر افسوس کے مارے۔

مفہوم یہ ہے کہ آپ کو اتنی جان کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی شخص کو مسلمان بنانا اور اس کے دل میں ایمان ڈالنا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہدایت وضلالت کے دونوں راستے اس نے سمجھا دیئے ہیں۔

ٱلَمْ تَرَ

کیا تو نے نہ دیکھا

إِلَى ٱلَّذِى حَآجَّ إِبْرَٰهِـۧمَ فِى رَبِّهِۦٓ أَنْ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّىَ

تو نے نہ دیکھا اس کو جس نے ابراہیم سے اس کے رب کی بابت جھگڑا کیا اس سے کہ اللہ نے اسے سلطنت دی تھی جب ابراہیم نے کہا

ٱلَّذِى يُحْىِۦ وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا۠ أُحْىِۦ وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَأْتِى

کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے بیشک اللہ

بِٱلشَّمْسِ مِنَ ٱلْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ ٱلْمَغْرِبِ فَبُهِتَ ٱلَّذِى كَفَرَ ۗ وَٱللَّهُ

تو سورج مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ تب وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ

لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّـٰلِمِينَ ۝ أَوْ كَٱلَّذِى مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ

بے انصافوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا ۝ یا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو ایک شہر پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر

عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْىِۦ هَـٰذِهِ ٱللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ ٱللَّهُ مِا۟ئَةَ

گرا ہوا تھا کہا اسے اللہ کیونکر زندہ کرے گا مرنے کے بعد پھر اللہ نے اسے سو برس تک مار ڈالا

عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُۥ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل

پھر اسے اٹھایا کہا تو یہاں کتنی دیر رہا کہا ایک دن یا اس سے کچھ کم تو رہا فرمایا بلکہ

لَّبِثْتَ مِا۟ئَةَ عَامٍ فَٱنظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَٱنظُرْ إِلَىٰ

تو سو برس رہا ہے اب تو اپنا کھانا اور پانی دیکھ وہ نہیں سڑا اور اپنے

حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ ءَايَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَٱنظُرْ إِلَى ٱلْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ

گدھے کو دیکھ اور ہم نے تجھے لوگوں کے واسطے نمونہ چاہا ہے اور ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے

نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُۥ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝

پھر ان پر گوشت پہناتے ہیں پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہوا تو کہا میں یقین کرتا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ أَرِنِى كَيْفَ تُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ

اور یاد کر جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تو مردے کو کس طرح زندہ کرے گا فرمایا کیا تم یقین نہیں لاتے کہا

بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ

کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے فرمایا تو پکڑ چار جانور اڑنے والے [illegible]

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ

پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لے پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر ان کو بلا تیرے پاس چلے آئیں گے دوڑ کر

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے

افادات محمود:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَاۤجَّ اِبْرٰهٖمَ الخ

ماقبل کے ساتھ ربط (۱) ایک تو یہ ہے کہ پہلے رکوع میں مبدا و معاد کا بیان تھا۔ یہ تین مثالیں پیش کیں۔ پہلی مثال کا تعلق مبدا سے اور دوسری و تیسری مثال کا تعلق معاد سے ہے۔

(۲) گزشتہ رکوع کے اختتام پر یہ ذکر تھا کہ کفار ظلمات میں اور ایمان والے نور ہدایت میں ہوتے ہیں۔ اس مضمون کو واضح کرنے کے لیے آگے چند نظائر بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) مثال اول:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں گئے تو انھوں نے سجدہ نہیں کیا۔ نمرود نے پوچھا کہ آپ نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتا۔ نمرود نے کہا کہ میں ہی رب ہوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں دنیا کے حاکم کو رب نہیں سمجھتا بلکہ رب وہ ہے جو زندگی دیتا اور موت دیتا ہے تو نمرود نے کہا کہ میں بھی زندگی دیتا اور مارتا ہوں۔ اس نے ایک بے قصور کو مار دیا اور ایک قصوروار کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ یہ بے عقل ہے۔ لہٰذا ایسی دلیل دی کہ نمرود کو مبہوت کر دیا۔ یوں حضرت ابراہیم تحقیقی جواب دے سکتے تھے لیکن مناظرے میں ایک عنوان (بات کا رخ پھیرنا) ہوتا ہے اس لیے بات کا رخ دوسری طرف پھیر دیا۔

(۲) مثال دوم:

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ الخ یہ حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اس زمانہ میں بخت نصر بادشاہ تھا۔ اس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا تھا اور بہت سے بنی اسرائیل کو قیدی بنا لیا تھا۔ ان میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ اس

ے۔ تورات کے تمام نسخے جلا ڈالے تھے۔ حضرت عزیرؑ جیل سے چھوٹ کر واپس جا رہے تھے کہ ایک ویران بستی دیکھی اور کہا اے باری تعالیٰ یہ بستی کیسے آباد ہوگی؟ اور اس بستی والے کیسے زندہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ پر سو سال کے لیے موت طاری کر دی۔ جو کھانے پینے کی چیزیں تھیں وہ سو سال تک بدستور صحیح سالم پڑی رہیں لیکن جس گدھے پر وہ سوار ہو کر جا رہے تھے اس کی ہڈیاں گل سڑ گئیں۔ اس طویل عرصہ میں بخت نصر بھی مر گیا۔ پھر کوئی دوسرا بادشاہ آیا اور وہ بستی بھی آباد ہوگئی۔ حضرت عزیرؑ کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرما دیا۔ اب وہ بیت المقدس آگئے۔ چونکہ تورات کے تمام نسخے ضائع ہو گئے تھے اور وہ کسی کو یاد بھی نہ تھی۔ اس اثناء میں جو بچے تھے وہ بھی بوڑھے ہو گئے لیکن حضرت عزیرؑ اسی طرح نوجوان تھے اور زبانی تورات سنا رہے تھے۔ اس وقت یہود گمراہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ) حضرت عزیرؑ کا سوال بھی مشاہدہ پر مبنی ہے ورنہ اس بستی کے آباد ہونے کا ان کو بھی پورا یقین تھا۔

(۳) مثال سوم:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ الخ

ایمان علم الیقین کا نام ہے جو کہ حضرت ابراہیمؑ کو اعلیٰ درجہ کا حاصل تھا۔ اس سے اوپر عین الیقین ہے جو کہ مشاہدہ ہے اور اس سے اوپر حق الیقین ہے یعنی مباشرۃ بالنفس۔ جیسے کسی پھل کے متعلق آپ کچھ جانتے ہیں تو یہ علم الیقین ہے۔ اگر اس کو آنکھ سے دیکھ لیا تو یہ عین الیقین ہے اور اگر اس کو کھا لیا تو یہ حق الیقین ہے۔ کیف تحی الموتیٰ، یہ الفاظ خود بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا سوال مطلق احیاء موتیٰ کے متعلق نہ تھا، بلکہ کیفیت احیاء کے متعلق تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پوچھا "اولم تؤمن" تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا "بلیٰ" کیوں نہیں۔ اب قیامت تک آنے والے انسانوں کی زبانیں بند کر دی گئیں کہ کوئی جملہ اعتراض اور حرف شکایت زبانوں پر نہ لائیں۔

"اربعة من الطير" سے مراد:

چار پرندوں سے مراد مور، مرغ، کوا اور کبوتر ہیں بعض مفسرین نے اور چار پرندے ذکر کیے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ

اُن لوگوں کی مثال جو اپنے مال راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ

خرچ کرتے ہیں اللہ کی جیسے ایک دانہ کہ اُگائے سات بالیں ہر بالی میں سو سو

حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ

دانے اور اللہ جس کے واسطے چاہے بڑھا دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا جاننے والا ہے جو لوگ

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ

خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ

اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ستاتے ہیں انہی کے لئے اپنے رب کے ہاں ثواب ہے اور ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ

مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے پرواہ

حَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ

نہایت تحمل والا ہے اے ایمان والو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اپنی خیرات کو ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ

جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا سو اس کی مثال

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ

ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر کچھ مٹی پڑی ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسا پھر اس کو بالکل صاف کر دیا ایسے لوگوں کو

عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

کچھ ہاتھ نہیں آتا اپنی کمائی سے اور اللہ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا اور ان لوگوں کی مثال

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ

جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اپنے دلوں کو ثابت کرکے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ہے جس طرح

جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ

جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا اپنا پھل دوگنا اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار بھی

فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ

کافی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے ۝ کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ بات کہ ہووے اس کا ایک باغ

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ

کھجور اور انگور کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں اس کو اس باغ میں اور بھی سب طرح کا میوہ حاصل ہو

وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ

اور آگیا اس پر بڑھاپا اور اس کی اولاد ہیں ضعیف تب آپڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا

جس سے وہ باغ جل گیا یوں سمجھاتا ہے تم کو اللہ آیتیں تاکہ تم غور کرو ۝ اے ایمان والو خرچ کرو

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا

ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے اور قصد نہ کرو

الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا

گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ

اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۞ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ

بے شک اللہ بے پروا ہے خوبیوں والا ۝ شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے

بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۖۚ

بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بہت کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے

يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ

عنایت کرتا ہے سمجھ جس کو چاہے اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ

اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں ۝ اور جو خرچ کرو گے تم خیرات یا قبول کرو گے

مِنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اِنْ تُبْدُوا

منت مانو گے تو بے شک اللہ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝ اگر تم ظاہر کر کے دو

الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

خیرات کو تو وہ بھی اچھی بات ہے اور اگر اسے چھپا کر دو اور فقیروں کو پہنچا دو تو تمہارے حق میں وہ بہتر ہے

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكَ

اور اللہ تمہارے کچھ گناہ دور کر دے گا اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبر رکھنے والا ہے ۝ انہیں راہ پر لانا

هُدٰىھُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ

تیرے ذمہ نہیں اور لیکن اللہ جسے چاہے راہ پر لاتا ہے اور جو مال تم خرچ کرو گے اس کا نفع تمہاری جانوں کے لئے ہے

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ

اور اللہ کی رضامندی کے لئے خرچ کرو اور جو بھی چیز تم خرچ کرو گے اس کا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا

اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ خیرات ان حاجت مندوں کے لئے ہے جو اللہ کی راہ میں

يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُھُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ

رکے ہوئے ہیں ملک میں چل پھر نہیں سکتے ناواقف ان کے سوال نہ کرنے سے انہیں مالدار سمجھتا ہے

تَعْرِفُھُمْ بِسِيْمٰھُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

تو ان کے چہرے سے پہچان سکتا ہے لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور جو کام کی چیز تم خرچ کرو گے

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

بے شک وہ اللہ کو معلوم ہے ۝

افاداتِ محمود:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا الخ

اب یہاں سے انفاق فی سبیل اللہ کی شرائط بیان ہو رہی ہیں۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ الخ عام حالات میں تو

مخفی صدقہ کرنا ہی بہتر ہے لیکن ترغیب کے لئے صدقہ کو ظاہر کر کے دیا جائے تا کہ دوسرے لوگ بھی آمادہ ہوں تو یہ صرف

جائز ہے، بلکہ بعض صورتوں میں موقع و محل کی مناسبت سے افضل بھی ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ یہاں سے مصارف صدقات کا بیان ہے، اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الخ جیسے طالب علم ہوتے ہیں جیسے اصحاب صفہ تھے۔ طالب علم کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ جہاد بھی کرے اور علم بھی حاصل کرے۔ آج طالب علم کو ان چیزوں سے الگ کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ حصول علم اور جہاد دونوں ہونے چاہئیں۔ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا الخ

حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ نے فتویٰ دیا کہ بازاروں میں سائلوں کو دینا حرام ہے۔ کیونکہ ان کا مانگنا حرام ہے تو انہیں دینا ولا تعاونوا علی الاثم ہے۔ اس لیے دینا بھی حرام ہے بحالت حاجت مند کو دینا جائز ہے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں رات اور دن کو چھپا کر

وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے اپنے رب کے پاس ثواب ہے لیکن ان پر کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ

جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن وہ نہ اٹھیں گے مگر جس طرح اٹھتا ہے جس کے حواس جن نے

مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ

لپٹ کر کھو دیئے ہیں یہ حالت ان کی اس لئے ہوئی کہ انہوں نے کہا تھا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے

الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا

سوداگری کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے پھر جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو پہلے ہو

سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا

چکا ہے وہ اسی کا رہا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو کوئی پھر سود لے تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں

خَالِدُونَ ۝ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ

ہمیشہ رہیں گے ○ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو

أَثِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ

پسند نہیں کرتا ○ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

تو ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اے ایمان والو

آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ

اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود سے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو ○ اگر تم نے

تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ

نہ چھوڑا تو تیار ہو جاؤ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اور اگر توبہ کرلو تو تمہارے لئے ہیں اصل

رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ

تمہیں تمہارے اصل مال ملیں گے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا ۝ اور اگر ہو تنگ دست

فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

تو اس کو مہلت دینی چاہیے اور بخش دو تو تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ۝

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ

اور اس دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا ۝

افاداتِ محمود:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ الخ

گزشتہ رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ اور اس کی برکات کا ذکر تھا۔ اس رکوع کی پہلی آیت میں تو انفاق کی ترغیب، برکات کا بیان ہے۔ آگے پچھلے رکوع کے احکام پر عمل کرنے والوں کا بیان ہے۔ یعنی سود کے ذریعہ کمائی اور اس کے نقصانات کا بیان ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مندرجہ بالا آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان کے پاس چار درہم تھے۔ فتصدق بدرهم ليلاً و بدرهم نهاراً و بدرهم سراً و بدرهم علانية ایک درہم رات کو صدقہ کر دیا ایک دن کو۔ ایک درہم چھپ کر صدقہ کر دیا اور ایک ظاہر کر کے یعنی مختلف اوقات میں سب کے سب درہم تقسیم کر دیے تو اللہ تعالیٰ کو یہ عمل پسند آیا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ لیکن اس روایت میں صراحۃً حضرت علیؓ کا نام نہیں ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں "نزلت فی رجل" ممکن ہے حضرت علیؓ کا نام کسی دوسری روایت میں ہو۔ کیونکہ ہمارے کوئی استقراء تو کیا نہیں ہے۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا الخ یہاں یَأْكُلُونَ بمعنی یاخذون یا یکسبون ہے۔ یہاں سودی کاروبار کرنا مراد ہے۔ خواہ کھائے یا نہ کھائے۔ یہ جو یأکلون سے تعبیر فرمایا ہے، یہ اکثر یا بغلبۃ الامر ہے۔ یعنی جو لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں، غالباً ان کا مقصد اکل ہی ہوتا ہے۔ حرمتِ ربوا کی علت اکل نہیں ہے، بلکہ ربوا میں

الاطلاق حرام ہے خواہ کوئی کھانے یا پینے یا کسی اور مد میں استعمال کرے۔

یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ الخ

جنات جب انسان کو چمٹ جاتے ہیں تو وہ پاگل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سودخور جب قیامت کے روز اٹھیں گے تو دیوانگی کی کیفیت طاری ہوگی جیسے کہ خوب پیا ہوا ہو۔ انہوں نے دنیا میں کام یہی کیا کہ حرام کے نام بدل بدل کر مختلف بہانوں سے ان کو حلال کرتے تھے اور پھر استعمال کرتے تھے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا الخ

ربوٰ اور بیع کی حقیقت

ربوٰ اور بیع کی حقیقت

ربوٰ کو بیع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ بیع کی تعریف یہ ہے مبادلة المال بالمال یعنی مال کو مال سے تبدیل کرنا۔

واما فی الربوا فہو اخذ مال الغیر بدون العوض

یعنی سود میں کسی کا مال ناحق بغیر عوض کے لیا جاتا ہے۔

کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس کا مال بغیر عوض کے لینا بھی حرام اور اس کا منافع بھی حرام ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اسلام سے قبل اور حرمت ربوٰ کا حکم آنے سے قبل جو سودی معاملات ہو چکے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَلَهٗ مَا سَلَفَ الخ اس حکم کے نازل ہونے سے قبل جو سودی معاملات ہو چکے ہیں وہ معاف ہیں۔ البتہ اگر کسی نے سچی توبہ نہ کی اور منافقین کی روش پر چلتا رہا تو پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے ان شاء عذبه وان شاء غفر له

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ الخ

اثیم کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے قید احترازی مراد لی ہے کہ کفار دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ (۱) زمین میں تخم اور بیج چھپانے والا کاشتکار (۲) اور ایک منکر کافر کا عام فہم معنی ہے تو اثیم کی قید لگا کر غیر اثیم سے احتراز کیا۔

یہ محدود روایات ربوا سے متعلق ہیں۔ مزید تفصیل آگے آگئی ہیں۔ قرآن کریم نے ربوا کی تفصیل و حقیقت نہیں بتائی کہ جو ربوا حرام ہے اس سے کیا مراد ہے۔ ایک حدیث میں ربوا کی کچھ وضاحت کی گئی ہے۔ یہ صحاح ستہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بدائع ہے۔ اس جنس کو قدر کہا جاتا ہے اور عندالاحناف حرمت ربو کی ایک علت یہی قدر ہے۔

واما ما یوزن فی الوزن ولا یکال فی الکیل فلیس فیه الربوا وان کان من جنس واحد کبیع الحیوان بالحیوان فمن باع بعیرا ببعیرین فهو جائز

اور جو چیزیں وزن سے بیچی نہ جاتی ہوں اور وہ چیزیں جو کیل سے نہ بیچی جاتی ہوں تو ان میں سود متحقق نہ ہوگا۔ اگرچہ دونوں چیزیں ایک ہی جنس کی کیوں نہ ہوں۔ جیسے حیوان کو حیوان کے بدلے فروخت کرنا۔ اگر کوئی شخص ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے بدلے میں بیچے تو یہ جائز ہے۔

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ ربوا متحقق ہوتا ہے جنس کے اتحاد سے کیونکہ مختلف جنس اشیاء میں سود نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث کے آخری جملوں سے معلوم ہوتا ہے فاذا اختلف هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم، اس اصول کی روشنی میں ایک صاع بر (گندم) کے بدلے دو صاع شعیر جائز ہے لہذا معلوم ہوا کہ جنس کا ہونا بھی ربوا میں داخل ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہؒ کے ہاں حرمت ربوا کی دوسری علت جنس کا متحد ہونا ہے۔ گویا حرمت ربوا کی دو علتیں ہیں۔ (۱) قدر (۲) جنس۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو ربوا متحقق نہ ہوگی اور کلا الامرین کا اجتماع علت ربوا ہے یعنی قدر و جنس دونوں کا ایک وقت پایا جانا علت ربوا ہے۔

ابوداؤد میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت کے آخر میں ہے ولا باس ببیع الذهب بالفضة والفضة اکثرهما یدا بید واما نسیئة فلا یہ جملے بھی حدیث ہی کے ہیں یعنی جب جنس تبدیل ہوگی جیسے سونا بمقابلہ چاندی یا گندم بمقابلہ جو تو فضل علی احد الجانبین (کسی ایک طرف سے اضافہ) جائز ہے۔ ادھار اب بھی حرام ہے۔ ادھار کی حرمت کے لیے قدر و جنس دونوں کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ "بل احدهما یکفی لحرمة النساء" نساء کی حرمت کے لیے دونوں میں سے ایک کا پایا جانا بھی کافی ہے۔ بہرحال اس مسئلہ کی تفصیلات تو آپ حضرات نے کتب تفسیر و فقہ میں پڑھی ہوں گی یا پڑھیں گے۔ یہاں آپ لوگوں کو اتنا اندازہ ہوا ہوگا کہ نسیئہ کی حرمت کی علت کیا ہے اور ربوا کی حرمت کی علت کیا ہے؟

علت ربوا کے لیے عصر حاضر کے متجددین کی کوششیں

ربوا کی حرمت پر قطعی دلائل موجود ہیں جن کا کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا اور وعیدیں بھی انتہائی شدید ہیں، لیکن متجددین کی یہ کوشش ہے کہ کسی طرح مروج ربوا کو حلال قرار دیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں لبنان کے ایک قاضی، جو وہاں کے ہائی کورٹ کے جج بھی ہیں، نے ایک عجیب تحقیق پیش کی ہے کہ قرض دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) القروض الانتاجیہ (۲) القروض الاستہلاکیہ۔ یعنی جو شخص قرض اس وجہ سے لیتا ہے کہ اس رقم کو اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرے جیسے عید کے موقع پر یا شادی کے موقع پر کپڑے وغیرہ خریدے جاتے ہیں تو یہ

قرض انتاجیہ ہیں۔ ایسی رقم سود پر لینا اور دینا حرام ہے لیکن کوئی شخص اس وجہ سے کسی بنک سے یا اور کسی فرد سے رقم قرض لیتا ہے کہ اس پر کاروبار کرے گا اور کمائی کرے گا تو یہ "قروض انتاجیہ" ہیں اور ایسی رقم سود پر لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے وہ پہلے والی قسم ہے اور قرض کی دوسری قسم پر چونکہ لوگ نفع کماتے ہیں، اس وجہ سے وہ حرام نہیں ہے۔ لبنانی قاضی کو قرض کی یہ دونوں شکلیں اس وجہ سے نکالنی پڑیں کہ اگر وہ صریحاً کہہ دیتا کہ سود حلال ہے تو لوگ لعن طعن کرتے کہ ایک قطعی حکم کا منکر ہوا ہے۔ اپنے آپ کو بچانے اور لوگوں کو تشویش میں ڈالنے کے لیے اس نے دو قسمیں بنا دیں، تاکہ لوگوں کی مشکل بھی حل ہو جائے اور اس پر کوئی دھبا بھی نہ لگے۔ اہل تحقیق اس تشویش میں پڑے رہیں کہ یہاں قرض کی دو قسمیں کی گئی ہیں تاکہ ان سے کوئی جواب بن نہ پڑے۔ کبھی تو قرض کی دونوں قسموں کی تعبیر مندرجہ بالا الفاظ سے کی اور کبھی پہلی قسم کو "القروض الاستهلاكية" یعنی وہ قرض یا رقم جو ضروریات زندگی پر صرف ہو جائے اور "القروض الاستغلالية" یعنی وہ قرض یا رقم جس سے نفع حاصل کیا جائے، اس کے ذریعہ کمائی کی جائے، فالی الله المشتکی۔

مروجہ ربوا کے متعلق ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی رائے اور اس کا محققانہ جواب:

ہمارے ایک پاکستانی ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے یہ تحقیق بیان کیا ہے کہ قرآن کریم میں جس ربوا سے منع کیا گیا ہے، وہاں سورۂ آل عمران میں یہ الفاظ مذکور ہیں "اضعافا مضاعفة" "یعنی" "دو چند در دو چند سود نہ کھاؤ" تو یہاں دو چند در دو چند سے منع کیا گیا ہے۔ مطلق سود سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ہزار روپے قرض لے کر دو ہزار روپے واپس کرتا ہے تو یہ دو چند ہونے کی وجہ سے حرام ہے لیکن اگر ایک ہزار کا ڈیڑھ ہزار واپس کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ اس پر اس نے بڑا زور لگایا، کیونکہ اس سے بنک والوں کا بھی مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ بنک کا سود ۲۰ اور ۲۵ فیصد ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے بنک کے سود خوروں کے سود کو اور پیشہ ور سود کو حلال قرار دے دیا ہے، لیکن اس کی رائے کی تردید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ

اور اگر تم سودی کاروبار سے توبہ کرو گے تو تمہیں تمہارے راس المال مل سکتے ہیں۔

فَلَكُمْ میں لام استحقاق کے لیے ہے کہ شرعی قانون کی رو سے تم اپنے راس المال کے مستحق ہو۔ یہ مقام ترغیب الی التوبہ کا مقام ہے۔ اگر ہزار کا ڈیڑھ ہزار جائز ہوتا تو پھر صرف راس المال کا ذکر کیوں ہوتا۔ بلکہ یوں کہا جاتا "فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ مع شيئ زائد لم يبلغ الضعف" یعنی راس المال کے ساتھ اتنا اضافہ بھی جائز ہے جو دو چند کی حد کو نہ پہنچے۔ اس صورت میں زیادہ رغبت ہوتی کہ صرف دوگنا سے منع کیا گیا ہے، اس سے کم سے منع نہیں کیا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف راس المال کا ذکر فرمایا ہے۔ مقام ترغیب میں سوائے راس المال

شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ

سے کوئی تکلیف نہ دی جائے اور اگر تم نے تکلیف دی تو تمہیں گناہ ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ

اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ○ اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ لکھنے والا تو گروی رکھی

مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ

قبضہ کی جائے اور اگر ایک تم میں سے دوسرے پر اعتبار کرے تو چاہیے کہ وہ شخص ادا کرے جس پر اعتبار کیا گیا

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ

اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گنہگار ہے

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ خوب جانتا ہے ○

افاداتِ محمود:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم الخ

یہ آیت مدایند قرآن کریم کی سب سے زیادہ طویل آیت ہے۔ اس آیت میں قرض اور دین کے احکام کا بیان ہے۔ سب سے پہلے تو نفی معاملات اور تحفظات کا ذکر ہے۔ (۱) معاملہ کے وقت تحریر لکھی کہ قرض کی وقت ادائیگی ہوگی۔ (۲) کاتب کو حکم ہے کہ انصاف سے لکھے تحریر جو تبادلہ ہے۔ (۳) اقرار نامہ کا مضمون جو مقروض املا کرے۔ (۴) اقرار نامہ تحریر کرتے وقت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں۔ (۵) گواہ بلا عذر شرعی گواہی دینے اور گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ (۶) کاتب اور گواہ کا نقصان نہ کیا جائے۔ (۷) اگر دست بدست سودا اور لین دین ہو تو اقرار نامہ لکھنا ضروری نہیں لیکن گواہ بنانا افضل ہے۔ نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیع سلم کا ذکر بھی فرمایا ہے بیع سلم میں ثمن عاجل ہوتا ہے اور مبیع آجل ہوتا ہے یعنی بیع سلم میں "بیع الاجل بالعاجل" ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کہے ابھی سو روپے لو اور اتنے عرصہ کے بعد اتنی گندم دے دینا۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من اسلم منکم فلیسلم فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم"

یعنی تم میں سے کوئی شخص اگر بیع سلم کرنا چاہے تو یہ معاملات شرائط کے ساتھ کرے کہ اگر کیلی چیز ہو تو کیل معلوم ہو اور اگر وزنی چیز ہو تو وزن معلوم ہو نیز وقت بھی معلوم ہو اور جنس بھی معلوم ہو۔ جیسے گندم ہے تو گندم اور گندم کی صفت و نوع بھی معلوم ہو یعنی یہ بارانی زمین کی گندم ہو یا نہری زمین کی گندم۔ ثمن بھی معلوم ہو اور مبیع کا

جیسے رضاعت کے مسئلے میں کہ یہ معاملات میں مرد رضاعت کے گواہ نہیں بن سکتے، کیونکہ عورتیں ہی بچوں کو دودھ پلاتی ہیں۔ مردوں کو کیا معلوم؟ امام مالکؒ کے ہاں اثبات رضاعت کے لیے اگر مرد نہ ہوں تو چار عورتوں کی شہادت معتبر ہے، امام احمدؒ کے ہاں دو کی شہادت کافی ہے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں رجلان یا رجل و امرأتان کی شہادت معتبر ہے۔

کیا یمین قائم مقام شہادت ہو سکتی ہے؟

قرآن و حدیث میں جہاں جہاں شہادت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ وہاں شہادت ہی معتبر ہوگی۔ یمین قائم مقام شہادت نہیں ہو سکتی۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جہاں دو گواہوں کی ضرورت ہو تو ایک گواہ پیش کرے اور ساتھ قسم بھی اٹھا لے۔ اس مسئلہ میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ یمین ملا کر اگر کوئی گواہی دے تو کیا کام چل سکتا ہے یا نہیں؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں ایک شاہد کی شہادت کے ساتھ یمین ملا کر جو تکمیل شہادت کی صورت ہے یہ ناممکن ہے اور یہ شہادت غیر معتبر ہے۔ بعض لوگ امام اعظمؒ کے خلاف حضرت ابن عباسؓ کی روایت پیش کرتے ہیں۔

عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قضى بيمين و شاهد ○

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک یمین کے ساتھ فیصلہ فرمایا ہے۔

(۱) یہ روایت امام اعظمؒ کے خلاف حجت نہیں ہے، کیونکہ اس روایت کا جو مفہوم عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہی موجودگی میں یمین کے ساتھ فیصلہ کیا۔ کیونکہ یمین تو مشہور حدیث کے مطابق مدعی علیہ پر ہے نہ کہ مدعی پر۔ لہٰذا مدعی کے پاس اگر گواہ بالکل نہ ہوں یا ایک گواہ ہو تو اس صورت میں مدعی علیہ پر یمین ہے۔ شاہد واحد لغو ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کو نظر انداز فرماتے ہوئے فیصلہ بالیمین کر لیا۔ شاہد مع الیمین مراد نہیں ہے۔

(۲) حدیث ہے کہ "البينة على المدعي واليمين على من انكر ○

مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے اور انکار کرنے والے کے لیے قسم لازم ہے۔

واذا كان اليمين مختصا بالمدعى عليه فان القضى باليمين قضى بيمين المدعى عليه○

یعنی جب قسم خاص ہے مدعی علیہ کے ساتھ تو جب یمین کے ساتھ قاضی فیصلہ کرے گا تو مدعی علیہ کی قسم کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔

(۳) مندرجہ بالا توجیہ سے حدیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

(۴) امام زہریؒ کے شاگرد معمر کہتے ہیں کہ

سألت الزهري عن اليمين مع الشاهد فقال هذا شيء احدثه الناس ○

میں نے زہریؒ سے (ایک) قسم اور (ایک) گواہ کے ذریعہ فیصلہ کے متعلق پوچھا تو انہوں

نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو لوگوں نے بنالی ہے۔

شہادۃ الفاسقین کے مسئلے سے متعلق امام اعظمؒ کے مسلک پر شبہ اور اس کا جواب:

مندرجہ بالا آیت میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے۔ سورۃ نساء میں گواہوں میں عدالت کو بھی شرط قرار دیا گیا ہے، لیکن امام اعظمؒ کا مسلک فقہ کی کتب میں عام نقل کیا گیا ہے کہ "النکاح ینعقد بشہادۃ الفاسقین" کہ فاسق لوگوں کی شہادت سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ یہ رائے بظاہر نص قطعی کے خلاف ہے۔ اس لیے امام اعظمؒ کے متعلق کسی کا قول ہے:

"قول ابی حنیفۃ فی ھذہ المسئلۃ ضعیف جداً"

امام ابی حنیفہ کا قول اس مسئلہ میں نہایت کمزور ہے۔

الجواب: جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اس طرح کے اشکالات وہ لوگ پیش کرتے ہیں جو امام اعظمؒ کے مسلک کو سمجھتے ہی نہیں۔ نہ وہ اس حقیقت کی تہہ تک رسائی پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں اصل میں دو باتیں ہیں اور دونوں الگ الگ ہیں۔

(۱) ایک ہے انعقاد نکاح فیما بینہ وبین اللہ (۲) اور دوسرا ہے ثبوت نکاح عندالقاضی عنداختلاف الزوجین۔ ترمذی شریف کی روایت ہے:

البغایا اللاتی ینکحن انفسھن بغیر بینۃ ○

جو عورتیں بغیر گواہ کے نکاح کرتی ہیں وہ بدکار ہیں۔

(۱) پہلی صورت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر فاسق لوگ بھی موجود ہوں اور میاں بیوی کا نکاح کرایا گیا تو اللہ کے ہاں یہ نکاح درست ہے، لیکن کسی اختلاف کی صورت میں ان فاسق لوگوں کی شہادت قاضی کے ہاں قابل قبول نہیں ہوگی۔ یہ ایسی ہی ہے کہ بوقت نکاح مرد و عورت کا بیٹا موجود ہو یا والد موجود ہو تو کیا ان لوگوں کی شہادت سے اور ان کی موجودگی میں نکاح درست نہ ہوگا؟ لیکن اختلاف کی صورت میں بیٹے کی شہادت والدہ کے لیے یا والد کی شہادت بیٹی کے لیے عندالقاضی ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔ ان لوگوں کی شہادت کو قاضی رد کر دے گا اور ان کی شہادت سے نکاح ثابت نہ ہوگا۔

(۲) ثبوت نکاح کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے۔ نکاح کے وقت قاضی ایسے گواہوں کو طلب کرے گا جو عادل ہوں۔ اصل ضابطہ بھی ہے۔ پہلی صورت تو ایک اتفاق ہے۔ زندگی بھر کوئی اختلاف نہ ہو تو مسئلہ ہی نہیں ہے۔ قاضی کے پاس نکاح کے ثبوت کی کوئی ضرورت پیش آئے تو فاسق لوگوں کی موجودگی میں کرایا ہوا نکاح منعقد ہے، باطل نہیں ہے۔

قوله تعالىٰ: وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ الخ

حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہیں۔ یہ قاعدہ اکثریت کے بارے میں ہے ورنہ بعض عورتیں بڑی عاقل اور سمجھدار ہوتی ہیں۔

افادات محمود:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ

جب یہ آیت وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ الخ نازل ہوئی تو صحابہ کرام بہت گھبرائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی پریشانی کا اظہار فرمایا، آپ نے فرمایا کہ تم یہ بات کرو کہ ہم تمہارا حکم ماننے تیار ہیں اور اپنے ایمان کا اظہار کرو، پس اللہ تعالیٰ خود بخود ٹھیک کرا دے گا۔ پھر لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا الخ کے ذریعہ یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ اب اگر صرف گناہ کا ارادہ ہوا اور کسی عمل کا خیال نہ ہو تو حدیث النفس میں کوئی مواخذہ نہیں واللہ اعلم۔

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ

سورۂ آل عمران مدنی ہے اور اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے تمام کائنات کا سنبھالنے والا ہے ○ اس نے تجھ پر سچی کتاب نازل فرمائی

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى

جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے اس کتاب سے پہلے تورات اور انجیل نازل فرمائی ○ وہ کتابیں

لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ

لوگوں کے لیے رہنما ہیں اور اسی نے فیصلہ کن چیزیں نازل فرمائیں بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے ان کے لئے

شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ

سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والا ہے ○ اللہ پر زمین اور آسمان میں کوئی چیز

وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

چھپی ہوئی نہیں ○ وہی جس طرح چاہے ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بناتا ہے اس کے سوا

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

اور کوئی معبود نہیں زبردست حکمت والا ہے ○ وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری اس میں بعض آیتیں محکم ہیں

هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ

(جن کے معنی واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہ ہیں (جن کے معنی معلوم یا متعین نہیں) سو جن لوگوں کے دل

مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا

ٹیڑھے ہیں وہ گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی غرض سے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور مطلب ان کا

اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا

مطلب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف

يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ

سے وہی ہیں اور نصیحت وہی لوگ مانتے ہیں جو عقلمند ہیں ۝ اے رب ہمارے جب تو ہم کو ہدایت دے چکا تو ہمارے دلوں کو نہ پھیر

لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ

اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما بے شک تو بہت زیادہ دینے والا ہے ۝ اے رب ہمارے! تو ایک دن سب لوگوں کو

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں بے شک خدا اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا

افادات محمود:

یہ مدنی سورت ہے اس میں دو سو (۲۰۰) آیات ہیں اور بیس (۲۰) رکوع ہیں۔ (۱) اس کا ایک نام سورۃ آل عمران ہے۔ (۲) تورات میں اس کا نام طیبہ ہے۔ (۳) سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران دونوں کو حدیث میں "زہراوین" کہا گیا ہے زہراوین بمعنی النیرتین یعنی روشنی والی دو سورتیں۔ گویا یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کو نور بخشتی ہیں۔ اس وجہ سے ان کو "زہراوین" فرمایا گیا ہے یعنی ان دونوں کو پڑھا کرو تو نور نصیب ہوگا۔ اسم اعظم بھی ان دونوں سورتوں میں ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اسم الله الاعظم في هاتين الآيتين والهكم اله واحد الخ (بقرہ) اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ الخ (سورۃ آل عمران)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم درج ذیل دو آیاتوں میں ہے (۱) والهكم الخ (سورہ بقرہ) اور اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ الخ (سورۃ آل عمران)

رواہ ابن ماجہ۔

(۴) اس سورت کو غمام اور ظلہ بھی کہا جاتا ہے۔ "غمام" بمعنی بادل اور ظلہ بمعنی سایہ یعنی ان قارئہما یکونان فی ظل ثوابہما اس کا پڑھنے والا اس کے ثواب کے سایہ میں قیامت کے روز ہوگا۔

شان نزول:

نصاریٰ نجران کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ میں آیا تھا۔ یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں ۱۴ افراد خاص تھے اور پھر ۳ افراد اخص الخواص اور نہایت بڑے عالم اور صاحب رائے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو ان لوگوں نے مسجد نبوی میں نماز پڑھی۔ جب انہوں نے مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام نے روکا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ ان کو اپنے مذہب کے مطابق مشرق کی

طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق ہی کی طرف نماز پڑھی۔

یہ وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر سن کر آپ سے مباحثہ ومناظرہ کی غرض سے آیا تھا لہٰذا ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور ابن اللہ ہونے پر دلائل دینا شروع کر دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دلائل سماعت فرما کر پھر ایک ایک دلیل کو رد فرمایا اور وہ لوگ اس رد اور جرح کے جواب میں لاجواب ہی ہوتے رہے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کی دعوت دے دی تو یہ لوگ ڈر گئے اور گھبرانے کی وجہ سے مباہلہ کے لیے حاضر نہ ہوئے۔ سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیات اسی وفد سے متعلق ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ

(۱) اس آیت کی مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ "الا اللہ" پر وقف کیا جائے اور مفہوم اس کا یہ ہے کہ متشابہات کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا یہ قول منقول ہے حضرت عائشہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ سے اس صورت میں الا اللہ پر وقف ہے اور اس کا مابعد الگ کلام ہے۔ ما قبل سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

(۲) بعض مفسرین کے ہاں "وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ" پر وقف کیا جائے گا اور مفہوم یہ ہوگا کہ متشابہات کی مراد اللہ تعالیٰ اور راسخین فی العلم جانتے ہیں اور آگے "یقولون" خبر ہے مبتدا محذوف ھم کے لیے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ "وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ" پر وقف کیا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل حقیقی اور واقعی کو تو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تاویل ظنی راسخین فی العلم جانتے ہیں۔ (کما ذکرنا بالتفصیل فی المقدمۃ)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا الخ

یہاں سے معلوم ہوا کہ دلوں کو پھیرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس میں معتزلہ کے نظریہ کی تردید ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

بے شک جو لوگ کافر ہیں

لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ

اُن کے مال | اور ان کی اولاد | اللہ کے مقابلے میں | ذرا بھی کام نہ آئیں گی | اور وہ لوگ

وَقُوْدُ النَّارِ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ

اور یہ دوزخ کا ایندھن ہیں ۝ جس طرح فرعون والوں | اور ان سے پہلے لوگوں کا معاملہ تھا انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا

پھر اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب سے | ان کو پکڑا | اور اللہ سخت عذاب والا ہے ۝ | کافروں کو کہہ دے کہ

سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ

اب تم مغلوب ہو گے | اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے | اور وہ برا ٹھکانا ہے ۝ | تمہارے سامنے ابھی

اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ

ایک نمونہ گزر چکا ہے دو فوجوں میں | جو آپس میں بھڑیں | ایک فوج اللہ کی راہ میں لڑتی ہے | اور دوسری فوج کافروں کی ہے

یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ

وہ کافر مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے | آنکھوں کے دیکھنے سے | اور اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے قوت دیتا ہے | اس

ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ

میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے ۝ | لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے فریفتہ کیا ہے | جیسے عورتیں

وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ

اور بیٹے | اور سونے | اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے | اور نشان لگے ہوئے گھوڑے

الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

اور مویشی | اور کھیتی | یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے | اور اللہ ہی

حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ

کے پاس اچھا ٹھکانا ہے ۝ | کہہ دے کیا میں تم کو اس سے بہتر بتاؤں | پرہیزگاروں کے لئے

رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ

اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور عورتیں

مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

ستھری ہیں اور اللہ کی رضامندی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے وہ جو کہتے ہیں

رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ

اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں سو بخش دے ہمارے گناہ اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے ○ وہ صبر کرنے

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ شَهِدَ

والے ہیں اور سچے ہیں اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی راتوں میں گناہ بخشوانے والے ہیں ○

اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ۗ لَآ اِلٰهَ

اللہ نے اور فرشتوں نے اور علم والوں نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی انصاف کا حاکم ہے اس کے سوا

اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

اور کوئی معبود نہیں زبردست حکمت والا ہے ○ بے شک دین اللہ کے ہاں فرمانبرداری ہی ہے اور جنہیں کتاب دی گئی

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ

تھی انہوں نے علم ہونے کے بعد آپس کی ضد کے باعث اختلاف کیا اور جو شخص

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ

اللہ کے حکموں کا انکار کرے تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے ○ پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو ان سے کہہ دے کہ میں نے

وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۗ

اپنا منہ اللہ کے حکم کے تابع کیا ہے اور جو میرے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے کہہ دے جنہیں کتاب ملی ہے

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ

اور ان پڑھوں سے کیا تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر تابع ہو گئے تو انہوں نے بھی سیدھی راہ پائی اور اگر منہ پھیر لیں تو تیرے

بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

ذمہ فقط پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ○

افادات محمود:

مآب ای المعادۃ ج

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ بدر سے فارغ ہو کر فاتح کی حیثیت سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود سے گفتگو فرمائی لیکن ان لوگوں نے بجائے مشرکین مکہ کی حالت سے عبرت پکڑنے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ناشائستہ انداز میں گفتگو کی۔

عن عاصم بن عمرو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اصاب من اهل بدر ما اصاب و رجع الى المدينة جمع اليهود في سوق بني قينقاع وقال يا معشر يهود اسلموا قبل ان يصيبكم الله بما اصاب قريشا فقالوا يا محمد لا يغرنك من نفسك ان قتلت نفرا من قريش كانوا اغمارا لا يعرفون القتال انك والله لو قاتلتنا لعرفت انا نحن الناس وانك لم تلق مثلنا فانزل الله قل للذين كفروا الخ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عاصم بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقام پر مشرکین مکہ کو شکست سے دوچار کیا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنی قینقاع کے بازار میں یہود کو جمع فرما کر ان سے یوں گفتگو فرمائی اے یہود کی جماعت اسلام قبول کر لو اس سے پہلے کہ تمہیں وہ کچھ پہنچے جو مشرکین مکہ کو پہنچا۔ یہود (جواب میں) کہنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ آپ نے قریش کے چند نا تجربہ کار لوگوں سے لڑائی کی (اور ان کو زیر کیا) جو لڑائی کے پیچ و خم سے بالکل ناواقف تھے۔ اللہ کی قسم اگر آپ کا ہم سے پالا پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہی مردانہ وار جنگ کرنے والے ہیں اور ہم جیسوں سے تو اب تک آپ کا واسطہ پڑا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی:

حاصل آیت یہ ہے کہ اے یہودیو! تم دنیا میں بھی مغلوب ہو جاؤ گے جیسا کہ بنو قریظہ کا حشر ہوا اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور ان کے لائے ہوئے دین کو غالب فرمائیں گے۔

یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ

نافع مدنی (جو بڑا قاری ہے) نے تَرَوْنَهُمْ تا کے ساتھ پڑھا اور باقی حضرات یا کے ساتھ یَرَوْنَهُمْ پڑھتے ہیں۔

(۱) پہلی قراءت کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ اے مسلمانو تم کفار کو اپنے سے دو گنا دیکھتے ہو تو دون کا فاعل مسلمان ہیں اور "ھم" کی ضمیر منصوب کفار کی طرف راجع ہے اور مِثْلَیْهِمْ میں ضمیر مجرور مسلمانوں کی طرف راجع ہے۔

(۲) دوسری قراءت کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ "یرون" کا فاعل کفار ہیں اور "ھم" کی ضمیر منصوب مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور "مثلیھم" کی ضمیر مجرور مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور حاصل یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو ان سے دوگنا دیکھتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کو زیادہ دیکھتی تھیں اور سورہ انفال کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کی نظر میں تھوڑی دکھائی دیتی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا
(سورہ انفال نمبر ۴۴)

اور جب تم کو دکھائی وہ فوج مقابلے کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا۔

سورہ انفال کی آیت میں جو کیفیت مذکور ہے یہ جنگ سے پہلے کی ہے۔ جیسا کہ "لِيَقْضِيَ اللَّهُ" سے معلوم ہوتا ہے اور سورہ آل عمران میں جو کیفیت مذکور ہے یہ دوران جنگ کی ہے۔ لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے۔ آیت ذیل میں اگرچہ دیگر احتمالات بھی ہیں، لیکن خلاصہ ان کا ان دونوں قراءتوں و صورتوں کا وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ الخ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما ترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء۔ (بخاری و مسلم)

مجھے اپنے بعد سب سے زیادہ جس خطرناک فتنے کا اندیشہ ہے وہ عورتیں ہیں۔

نساء میں دو اور اولاد میں ایک فتنہ ہے:

نساء میں دو فتنے ہیں اور اولاد میں ایک فتنہ ہے۔ (۱) عورتوں میں ایک فتنہ معاشرتی ہے (۲) اور دوسرا مالی ہے۔

(۱) معاشرتی فتنہ عورت میں یہ ہے کہ شوہر کو قطع رحمی پر ابھارتی اور برانگیختہ کرتی رہتی ہے کہ تمہاری والدہ نے یہ بات کہی ہے، تمہارے والد نے یہ بات کہی ہے۔ نتیجتاً گھر میں معاشرت خراب ہوتی اور فتنہ برپا ہو جاتا ہے۔ شادی کے بعد بہن بھائیوں اور والدین سے اچھا سلوک تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔ پھر الگ مکان اور رہن سہن کا مطالبہ کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ نان و نفقہ چونکہ شوہر کے ذمہ واجب ہے تو وہ غریب مجبور ہوتا ہے کسب حرام پر۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ میں حلال کما رہا ہوں یا حرام۔ کتنے لوگوں کو اذیتیں دے دے کر وہ اس کے جائز و ناجائز مطالبوں کو پورا کرتا ہے۔ اس کی عاقبت تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ مالی فتنہ ہے۔ اولاد میں صرف مالی فتنہ ہے معاشرتی فتنہ نہیں

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ

بے شک جو لوگ منکر ہوتے ہیں اللہ کے حکموں کو (انکار کرتے ہیں) اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق

بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ

قتل کرتے ہیں اور لوگوں میں سے انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں سو انہیں دردناک عذاب کی

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا

خوشخبری سنا دے ○ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا اور آخرت میں محنت ضائع ہوگی اور ان کا

لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ

کوئی مددگار نہیں ○ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں ایک حصہ کتاب کا ملا وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں

إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

تاکہ وہ کتاب ان میں فیصلہ کرے پھر ایک فرقہ ان میں سے پھر جاتا ہے ایسے حال میں کہ وہ منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں ○

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي

یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہرگز آگ نہیں لگے گی مگر چند دن گنتی کے اور ان کی اپنی بنائی ہوئی

دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ

باتوں نے انہیں دین میں دھوکا دیا ہے ○ پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ہم انہیں ایک دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ

اور ہر کسی کو اپنی کمائی کا اجر پورا دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ○ تو کہہ اے اللہ! بادشاہی کے مالک!

الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ

جسے تو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے جسے تو چاہتا ہے

مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے سب خوبی تیرے ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر چیز پر

قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

قادر ہے ○ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے

قل اللهم مالك الملك الخ

حضرت ابن عباسؓ اور انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا تو موجود صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ روم وفارس کو بھی فتح کریں گے تو یہود ومنافقین کہنے لگے کہ

هيهات هيهات اين لمحمد ملك الروم والفارس.

یعنی یہ بات تو انتہائی بعید ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فارس وروم پر قبضہ کرنا اور ان کو زیر نگیں کرنا کب ممکن ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جسے چاہے جو حصہ عنایت کرے۔

خوشامد کرنے والے قراء

ایک زمانہ میں مصر کے دور اقتدار میں قاری صاحبان کثرت سے سرکاری محفلوں میں اس آیت کی تلاوت کرتے تھے۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ

اس آیت میں حاکم وقت کے اقتدار کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ آج کل ہمارے حکمرانوں کے جشن منانے کے دوران بھی اس آیت کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ خوشامد کرنے والے لوگ آیت کو غلط طور پر منطبق کرتے ہیں۔ یہ کوئی انعام ونعمت ان لوگوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ تم لوگوں پر ایسے حکمرانوں کی شکل میں شامت اعمال کی سزا مل رہی ہے۔

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ

(۱) ایک مطلب تو یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں اور سردیوں میں راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہو جاتے ہیں۔

(۲) یہ مطلب ہے کہ دن کے بعد رات آتی ہے اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ لیکن پہلے والی تفسیر زیادہ راجح اور اولیٰ ہے۔

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ الخ

(۱) حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ

تخرج المومن من الكافر والكافر من المومن.

یعنی اللہ تعالیٰ مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے پیدا فرماتا ہے۔ مومن چونکہ بمنزلہ زندہ کے ہے اور کافر بمنزلہ مردہ کے ہے، اس لیے اس طرح تعبیر فرمایا۔ دلیل اس کی یہ ملتی ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس کا باپ کافر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

سبحان الذي يخرج الحي من الميت.

إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ
اللہ جسے چاہے بے قیاس رزق دیتا ہے ○ زکریا نے وہیں اپنے رب سے دعا کی کہا اے میرے رب
هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ
مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تو دعا کا سننے والا ہے ○ پھر فرشتوں نے اس کو آواز دی
وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ
جب وہ حجرے کے اندر نماز میں کھڑے تھے کہ بے شک اللہ تجھ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے ایک حکم کی
اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ
گواہی دے گا اور سردار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جانے والا اور صالحین میں سے نبی ہوگا ○ کہا اے میرے رب! میرا لڑکا
لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ
کہاں سے ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا پہنچ گیا ہے اور میری عورت بانجھ ہے فرمایا اللہ اسی طرح
يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ
جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر فرمایا تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے
ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٤١﴾ ۴
تین دن سوائے اشارہ کے بات نہ کرے گا اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور شام اور صبح تسبیح کر

افادات محمود:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ الخ

حدیث میں ہے:

من سرّہ ان یحبہ فعلیہ بصدق الحدیث واداء الامانۃ ولا یؤذی جارہ الخ ○ (ترمذی)

جسے یہ بات بھلی لگے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ سچ بولے، امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

لیکن جو لوگ ایک ہی حجرے میں رہنے کے باوجود لڑیں (قلبیہ کی طرف اشارہ ہے) تو پھر کیا حشر ہوگا۔

حدیث میں ہے:

من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیحسن جارہ۔

جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

طالب نیک دوسرے کو کہتے ہیں کہ میری پیالی میں چائے کیوں پی ہے؟ ارے ظالم اس سے آپ کا کیا نقصان ہوا؟ یہی تو ماعون ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ "ہلاکت ہو نماز میں سستی کرنے والوں پر جو ریاکاری کرتے ہیں اور ماعون کو روکتے ہیں، حالانکہ استعمال سے برتن کم تو نہیں ہوتا۔

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ الخ

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله اذا احب عبدا دعا جبريل عليه السلام فقال اني احب فلانا فاحبه قال فيحبه جبريل ثم ينادي في السماء فيقول ان الله يحب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء قال ثم يوضع له القبول في الارض الخ ٥

حضرت ابی ہریرہؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبریلؑ کو بلا لیتے ہیں۔ اس سے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں سو تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پس جبریلؑ اس سے محبت کرتا ہے پھر آسمان والوں کو اعلان کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں سو تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس بندہ کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے یعنی عام لوگوں میں وہ مقبول ہو جاتا ہے۔ "يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" یہ شخص ہے محبت کیا آسمان والوں اور زمین والوں نے۔ اہل الارض کی محبت سے مراد صاحب عقل سلیم اور طبع مستقیم لوگ ہیں اور وہ شائستہ اور نیک لوگ جن کو حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے پیروکاروں سے محبت نہیں ہے، وہ حقیقت میں اہل الارض نہیں ہیں۔

دوران درس ایک عیسائی کا مشرف با سلام ہونا:

(جو ناگہ حضرت کے سامنے ایمان لانے کی غرض سے دو زانو ہو کر بیٹھا تو حضرت مفتی صاحب یوں گویا ہوئے)

تم اپنی مرضی سے خوشی سے مسلمان ہونا چاہتے ہو؟ (اس نے کہا جی ہاں) اچھا تو کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں عبادت کے لائق نہیں عبادت صرف اسی کے لیے ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ کہو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام احکام پر ایمان لاتا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ نہ خود خدا ہیں، نہ خدا کے بیٹے ہیں۔ اب کلمہ پڑھیے۔

لا اله الا الله الخ ٥

ہے تمہارا اسلامی نام یوحنا یحییٰ کی بجائے عبداللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضلال سے بچائے اور دین اسلام پر ثابت قدمی نصیب فرمائے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ الخ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ حضرت مریم کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ یہاں عمران سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔

آج حضرت نوح علیہ السلام کے سوا کسی کی اولاد باقی نہیں ہے۔ چنانچہ پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا الخ ۝

حدیث میں ہے جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ولادت کے وقت شیطان اس کو مس کرتا یعنی چھو لیتا ہے۔ اب اس مس کرنے کا اثر کسی پر پڑتا ہے اور کسی پر نہیں پڑتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وابستہ ہے۔

حضرت مریم کی والدہ کی اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محفوظ کر دیا تھا۔ محفوظ کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان نے بالکل مس نہ کیا ہو۔

(۲) دوسرا یہ ہے کہ مس تو کیا ہو لیکن شیطان کے مس کرنے کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں کو محفوظ رکھا ہو۔ دونوں صورتوں میں یہ ان دونوں بزرگوں کی جزوی خصوصیت ہوئی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مولود یولد الا نخسہ الشیطان فیستھل صارخا من نخسۃ الشیطان الا مریم وابنھا وفی روایۃ الا ابن مریم وامہ ثم قال ابو ھریرۃ اقرؤا ان شئتم وانی اعیذھا بک وذریتھا الخ ۝ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے کچوکا مارتا ہے اور شیطان کے کچوکا مارنے کی وجہ سے وہ بچہ اونچی آواز میں روتا ہے سوائے حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔

پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو **وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ الخ** یعنی اس دعا کی برکت سے یہ دونوں حضرات شیطان کے اثر سے محفوظ ہو گئے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **(ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الخ)**

(شیطان سے خطاب) بیشک جو میرے بندے ہیں تو ان پر تجھ کو قابو نہیں ملے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی اس حفاظت کا اثر یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ کی نشو و نما جو ہوئی تو وہ جسمانی طور پر ایک دن میں ایک سال

چنانچہ ترقی کرتے تھے۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ای ضمها الیہ نہ یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہ حضرت زکریا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد ہیں اور حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں حضرت مریم کی خالہ تھیں۔ اس وجہ سے حضرت مریم کی کفالت کا انتظام ان کے سپرد کیا گیا۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا الخ

حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل ہوا کرتے تھے۔

إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

اس سے معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء حق ہیں۔ کیونکہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ یہ پھل کرامت کے طور پر یعنی خرق عادت طریقہ سے ان کے پاس آتے رہے۔ کرامات اولیاء کا مسئلہ انکار آیات قرآنیہ کا انکار ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ عام مسلمانوں کو بھی سلام کیا جاتا ہے۔

ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً الخ

یہاں حضرت زکریا نے لڑکے کی دعا کی ہے کیونکہ سورہ مریم میں "رب ھب لی من لدنک ولیا" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ آگے "یرثنی ویرث من آل یعقوب الخ" کے الفاظ آئے ہیں یہ صفات لڑکے کی ہی ہو سکتی ہیں۔

وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا الخ

یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات ہیں کہ سردار ہوں گے اور لذات و خواہشات نفسانیہ سے دور رہنے والے ہوں گے یعنی عبادات میں ایسا انہماک ہوگا کہ عورتوں کی طرف توجہ ہی نہیں ہوگی۔ یہ حضرت یحییٰ کا خصوصی حال ہے۔ یہ ضابطہ امت محمدیہ پر لاگو نہیں ہوتا بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور شان تو یہ ہے کہ کامل معاشرت کے ساتھ کمال عبادات کا مظاہرہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت سے الگ رہنے اور شادی نہ کرنے کی اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں لو اجاز لہ لاختصینا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اجازت فرما دیتے تو ہم خصی ہونے کو چاہتے یعنی ہم ایسا کوئی عمل کر لیتے جس کے بعد عورتوں کے قابل ہی نہ رہتے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ رہنا پسند نہیں فرمایا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی (ابن ماجہ) نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ

میں سے نہیں ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے:

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم (الترغیب والترھیب) نکاح ایسی عورتوں سے کرو کہ محبت کرنے والیاں اور زیادہ بچے جننے والیاں ہوں۔ بیشک میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ الحصور الذی لایاتی النساء الممنوع من النساء یعنی حصور کا معنی یہ ہے کہ جو عورتوں کے پاس نہ جاتا ہو۔ اکثر صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ وہ عنین تھے ای الذی یکف جس شخص میں عورتوں کے پاس جانے کی صلاحیت نہ ہو یعنی مع القدرۃ لایکون عنینا یعنی عورتوں کے پاس جانے کی قدرت کے باوجود نہ جانا وہ عنین نہیں کہلاتا اور یہی صورت نبی کے لیے زیادہ مناسب اور شایان شان ہے کیونکہ عنین ہونا عیب ہے۔ پیغمبر کے حق میں یہ بات مناسب نہیں ہے۔

وَّقَدۡ بَلَغَنِیَ الۡکِبَرُ وَ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ الخ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ سے لڑکا مانگا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بشارت دے دی تو اب تعجب فرما رہے ہیں؟ (۱) بعض مفسرین حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اسی بڑھاپے میں اولاد ہوگی یا جوانی لوٹائی جائے گی؟

(۲) بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ حضرت زکریا یہ پوچھتے رہے ہیں کہ اسی بانجھ بیوی سے اولاد ہوگی یا نئی شادی کرنی پڑے گی؟

(۳) چونکہ یہ بشارت دعا کے چالیس سال بعد آئی تھی ابتداءً یہ سمجھا، حقیقت پوچھی ہے۔

اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص معذور ہے باتیں نہیں کرسکتا تو اشارہ بھی حکم کلام ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حبشی عورت سے پوچھا

این اللہ فاشارت براسہا الی السماء فقال اعتقہا فانہا مومنۃ

اللہ کہاں ہے؟ اس نے اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا (یعنی الرحمٰن علی العرش استوی کی طرف اشارہ کیا) حضور نے فرمایا اسے آزاد کرو یہ مومنہ ہے۔

اس لیے اشارۃ الاخرس فی الطلاق والنکاح والبیع جائز ہے۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاک کیا ہے اور تجھے سب

عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ

جہان کی عورتوں پر چن لیا ہے۞ اے مریم! اپنے رب کی بندگی کر اور سجدہ اور رکوع کرنے

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

والوں کے ساتھ رکوع کر۞ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعہ تمہیں بتلا رہے ہیں اور تو ان کے پاس نہ تھا

اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

جب اپنا قلم ڈالتے تھے کہ مریم کی کون پرورش کرے اور تو ان کے پاس نہ تھا جب وہ

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ

جھگڑتے تھے۞ جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھ کو ایک بات کی اپنی طرف سے بشارت دیتا ہے

اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ

اس کا نام مسیح عیسیٰ بیٹا مریم کا مرتبے والا دنیا اور آخرت میں مرتبے والا اور اللہ کے مقربوں میں سے

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ

ہوگا۞ اور جبکہ وہ ماں کی گود میں ہوگا لوگوں سے باتیں کرے گا اور جبکہ وہ ادھیڑ عمر کا ہوگا اور نیکوں میں سے ہوگا۞ مریم نے

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ

کہا اے میرے رب! مجھے بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ تک نہیں لگایا فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہے

مَا يَشَآءُ ۚ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ

پیدا کرتا ہے جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۞ اور اس کو

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ ۙ

کتاب سکھائے گا اور دانش مندی سکھائے گا اور تورات اور انجیل۞ اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر کرکے بھیجے گا

اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ

بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں تمہیں مٹی سے

الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ

ایک پرندہ کی شکل بنا دیتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑتا پرندہ ہو جاتا ہے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو

وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ

اچھا کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے زندہ کر دیتا ہوں اور تمہیں بتا دیتا ہوں جو کھا کر آؤ اور جو اپنے گھروں میں

فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَمُصَدِّقًا

رکھ کر آؤ اس میں تمہارے لئے نشانیاں ہیں اگر تم ایمان دار ہو ○ اور مجھ سے پہلی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ

کتاب جو توراۃ ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور تاکہ تم کو وہ بعض چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام تھیں

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ

اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ○ بے شک اللہ ہی

رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ

میرا اور تمہارا رب ہے سو اسی کی بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے ○ جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا

مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ

کفر معلوم کیا تو کہا کہ اللہ کی راہ میں میرا کون مددگار ہے حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں

اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

ہم اللہ پر یقین لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہونے والے ہیں ○ اے رب ہمارے! ہم اس چیز پر ایمان لائے جو تو نے نازل

الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ

کی اور ہم رسول کے تابعدار ہوئے سو تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے ○ اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر

الْمَاكِرِينَ ۝

فرمائی اور اللہ خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے ○

افادات محمود

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٢﴾ الخ

یہاں سے پھر دوبارہ اصل مضمون یعنی حضرت مریمؑ کے قصہ کی طرف۔ اس آیت میں جس فضیلت کا ذکر ہے وہ جزوی فضیلت ہے کہ کسی بشر کے بغیر اللہ تعالیٰ نے بیٹا نصیب فرمایا۔ ورنہ بڑی بڑی ولیات گزری ہیں، حضرت مریمؑ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: فاطمة سيدة نساء اهل الجنة الخ یعنی حضرت فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ بعض حضرات نے حضرت فاطمہؓ کو مذکورہ حدیث کی وجہ سے تمام عورتوں سے افضل مانتے ہیں اور بعض حضرات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو افضل مانتے ہیں جو والدہ ہیں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی۔ ہر ایک کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں، بہرحال ہم سب متفق ہیں کہ افضلیت کے اعتبار سے مندرجہ بالا تینوں خواتین کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور حضرت مریمؑ کی فضیلت اس زمانہ کے عورتوں پر تھی، نہ کہ بعد والیوں پر۔ امام مسلمؒ نے ایک روایت نقل کی ہے:

عن ابي موسى الاشعري رضي الله عنه انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كمل من الرجال كثير ولا يكمل من النساء غير مريم بنت عمران واسية امرأة فرعون وفي رواية وان فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على الطعام

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں میں سے تو بہت سے لوگ کامل ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں سوائے حضرت مریمؑ اور حضرت آسیہؑ کے اور کوئی کامل نہ ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت کھانے پر۔

لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہؓ سابقہ دور کی عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔

وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾ یہاں جماعت کی نماز مراد نہیں ہے، بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جیسے رکوع والے رکوع کرتے ہیں (العلی کفعلھم) تو بھی ان جیسا عمل کر۔

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ الخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ولادت کے ذکر سے قبل ان کی والدہ کی فضیلت و شرافت کو ذکر کیا گیا تاکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے ذہنوں میں اس عظیم عورت کی طہارت، پاکبازی اور اپنے رب سے کمال وفاداری کا تصور بیٹھ جائے اور کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ نفخ جبریل سے مراد اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ہے، کیونکہ فرشتوں کی نسل انسانی یہاں مراد نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ سورہ مریم میں ہے:

لاھب لک غلاما زکیا الخ ٥

یہاں سے بعض عقل پرست لوگوں نے استدلال کیا کہ اگر جبرئیل بیٹا دے سکتا ہے تو پیر بھی بیٹا دے سکتے ۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ حضرت جبرئیل نے حکم خداوندی کی تعمیل کی اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حواریون: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفقاء کو یہ لقب اس لیے ملا کہ یہ لوگ یا تو خود سفید کپڑے پہنتے تھے یا دھوبی تھے۔ لوگوں کے کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيۡسٰى مِنۡهُمُ الۡكُفۡرَ الخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب عام لوگوں کا انکار دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لیے میرا معین و مددگار کون ہوگا؟ حواریین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی اقامت کے سلسلہ میں ہم آپ کے معین و مددگار ہوں گے۔

وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ الخ

انہوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی مکر کیا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی سازش تیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی چال چلی۔ اس لیے جب یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی غرض سے جمع ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک کمرہ میں تھے۔ ان لوگوں نے ان کو گھیر لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون ہے جو میری جگہ شہادت کے لیے تیار ہو؟ ایک جوان کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کر دیا ۔ وفی روایۃ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ جو میری جگہ شہید ہو جائے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا تو ایک نوجوان کھڑا ہوا۔ دوبارہ سوال ہوا تو پھر وہی کھڑا ہوا۔ تیسری بار بھی وہی کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل عطا کر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ یہودی جب اس کمرہ میں داخل ہوئے۔ اس نوجوان کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ یہ حضرت عیسیٰ ہی ہیں۔ اسے شہید کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اب قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

واللہ لینزلن ابن مریم حکما عدلا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ٥ (مشکوٰۃ)

اللہ کی قسم ابن مریم فیصلہ کرنے والے اور انصاف کرنے والے نازل ہوں گے۔ سو صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کرا دیں گے۔

<u>ٹائی اور کف بھی علامت صلیب ہیں:</u>

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ گلے میں زنار ڈالنا کفر کی علامت ہے۔ شد الزنار علامۃ الکفر۔

لیکن ٹائی لگانے والوں کا جو عمل ہے اس کو کفر اس وجہ سے نہیں کہتے کہ وہ فیشن کے طور پر لگاتے ہیں۔ ان

لوگوں کو عقیدہ کا علم ہی نہیں ہے۔ ٹائی لگانے والوں کو اس کا شعور نہیں ہوتا کہ یہ کیوں لگائی جاتی ہے، حالانکہ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم، جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان میں سے ہوگا۔ آگے اللہ جانے۔ بہرحال انگریزوں نے لباس میں بھی صلیب کی شکل بنائی اور بغیر بتلائے لوگوں کو عمل پر لگا دیا۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَىٰٓ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ

جس وقت اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ بیشک میں تمہیں وفات دینے والا

مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا

ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور جو لوگ تیرے تابعدار ہوں گے انہیں

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ

ان لوگوں پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں جو تیرے منکر ہیں پھر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہوگا پھر میں تم میں

تَخْتَلِفُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا

فیصلہ کروں گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے ۝ سو جو لوگ کافر ہوئے انہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب

وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نٰصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے

فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ ۝ ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ

انہیں ان کا حق پورا پورا دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ۝ یہ آیتیں ہم تمہیں پڑھ کر

الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ

سناتے ہیں اور نصیحت حکمت والی ۝ بےشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے اسے مٹی سے بنایا

تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

پھر اسے کہا ہو جا پھر وہ ہو گیا ۝ حق وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو ۝

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

پھر جو کوئی تجھ سے اس بات میں جھگڑے بعد اس کے کہ تیرے پاس سچی خبر آ چکی ہے تو کہہ دے آؤ ہم

أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ

اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بلائیں پھر

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ۝ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ

سب التجا کریں اور اللہ کی لعنت ڈالیں ان پر جو جھوٹے ہوں ۝ بےشک یہی سچا بیان ہے

الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن

اور اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی زبردست حکمت والا ہے پھر اگر

تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

پھر جائیں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو جانتا ہے

افاداتِ محمود:

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ الخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مواعید اربعہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار وعدے فرمائے تھے۔

(۱) میں تجھ کو وفات دینے والا ہوں۔ (۲) اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں (۳) اور کافروں سے بچا کر پاک کرنے والا ہوں۔ (۴) اور آپ کے متبعین کو قیامت کے دن تک کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں۔ یہ چار وعدے ہو گئے۔

لفظ توفی کی حقیقت:

(۱) إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ الخ کے متعلق نحوی وغیرہ نے تو یہ لکھا ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے رَافِعُكَ مقدم ہے اور مُتَوَفِّيكَ موخر ہے۔ کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔ لا للترتیب تو رفع الی السماء مقدم ہے اور لفظ توفی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے جو کہ قرب قیامت میں ہوگا اور احادیث میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے دجال کو قتل کریں گے صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ ختم کر دیں گے۔ اس وقت صرف یہ سوال ہوگا۔

اما الاسلام و اما السیف۔

یا تو اسلام قبول کیا جائے گا یا پھر تلوار کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جزیہ کا معاملہ نہیں ہوگا۔ کفار کے لیے موت یا قبول اسلام کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مجدد کی حیثیت سے آئیں گے اگرچہ وہ بذاتہٖ نبی ہوں گے۔ یہ باتیں حدیث میں مذکور ہیں۔

(۲) ابن جریر وغیرہ نے لکھا ہے یہاں "متوفی" بمعنی قابض ہے یعنی میں آپ کو پورا پورا لے لوں گا تو مفہوم یہ ہوگا کہ موت ابھی آپ پر طاری نہیں ہوگی۔ اس صورت میں توفی بمعنی موت نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں لفظ توفی کا اطلاق بدون الموت کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ الخ

اور وہی تو ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے۔ (سورہ انعام نمبر ۶۰)

یہاں توفی سے مراد نوم ہے۔ ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آیا جنت میں نیند ہوگی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا النوم اخو الموت جب جنت میں موت نہیں تو نوم بھی نہیں۔

ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ الخ

عیسائیوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ (۱) ایک فرقہ کا خیال یہ ہے کہ وہ ہم میں سے نبی تھے، پھر آسمانوں پر اٹھا لیے گئے یہ عقیدہ صحیح ہے اور یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ (۲) دوسرے فرقے کا خیال ہے کہ کان فینا ابن اللہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم میں اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے (العیاذ باللہ) ثم رفعه اللہ الیہ، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ اس فرقے کو نسطوریہ کہتے ہیں چنانچہ سورۃ صف پ ۲۸ میں ارشاد خداوندی ہے۔

فَآمَنَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ الخ ۝

تو ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل میں اور منکر ہوا ایک فرقہ۔ (سورہ صف آخری آیت)

جو طائفہ صراط مستقیم پر تھا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اور دوسرے طائفہ نے اسلام قبول نہ کیا، بلکہ ان کا کفر و عناد اور بڑھ گیا۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ الخ نصاریٰ کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑ رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، بعض اکثر نصاریٰ و یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خرق عادت خلق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ لوگ یہ خرافات منہ سے نکالتے رہے کہ یوسف نجار ہی شخص حضرت عیسیٰ کے والد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل دعویٰ و الزام تراشی کی تردید فرمائی۔ آگے مشبہ بہ حضرت آدم کو ذکر فرمایا کہ اگر بغیر والد کے پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو پھر حضرت آدم کے حق میں یہ دلیل زیادہ اعلیٰ واصدق ہے، حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کسی نے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔

كَمَثَلِ آدَمَ یہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ دونوں کا خلق علیٰ خلاف العادت تھا۔ حضرت آدم بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے لہٰذا یہ تشبیہ محض ہے۔ دونوں کا خلق علی طریقۃ خرق العادۃ میں ہے اور مشبہ کا مشبہ بہ کے ساتھ من کل الوجوہ مشابہ ہونا لازم نہیں ہوتا۔ الشیء یشبہ الشیء فی وصف واحد ایک چیز کی مشابہت دوسری کے ساتھ بھی کبھی صرف ایک وصف میں ہوتی ہے۔ و بینهما فرق کبیر حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بہرحال یہاں اہل کتاب کی بھرپور تردید ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے محض اپنی قدرت سے بنایا اس کا اقرار کرتے ہو تو اس کے بعد کیا گنجائش رہتی ہے کہ جو صرف بغیر

باپ کے پیدا ہوا اس کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہا جائے اور خدا کا بندہ ہونے سے انکار کیا جائے۔ گویا تم اشد و اثقل کو مانتے ہو اور اخف و اسہل (آسان بات) کو نہیں مانتے۔ یہ تمہاری بڑی حماقت ہے؟

فَمَنْ حَآجَّكَ الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی ایک ایک دلیل رد فرمائی تو آخر میں فرمایا کہ اب بھی اگر تم مطمئن نہیں ہوتے ہو تو پھر مباہلہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ مباہلہ، بہل سے ہے بہل یبہل باب فتح سے ہے۔ بہل کے لغت میں (۱) ایک تو یہ لفظ لعنت کے معنی میں آتا ہے۔ (۲) اور دوسرا دعا میں عاجزی و انکساری کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں۔

والبهل والابتهال في الدعاء الاسترسال فيه والتضرع والباهل البعير المخلي عن قيده الخ

دعا میں بہل اور ابتہال کا مقصد یہ ہے کہ خوب عاجزی اور کھول کھول کر دعا کی جائے۔ باہل وہ اونٹ جسے زنجیر یا رسی سے کھولا گیا ہو۔

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا الخ

یعنی جب بحث مباحثہ اور تبلیغ و دعوت کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو اب آخری حل یہ ہے کہ مباہلہ کرتے ہیں۔ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو بلاتے ہیں۔ ایک میدان میں اکٹھے ہو جاتے اور آہ و زاری کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ و حسینؓ و فاطمہؓ کو ساتھ لے گئے۔ حضرت علیؓ بھی پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ " اذا دعوت فامنوا " یعنی جب میں دعا کروں تو آپ لوگ آمین کہنا۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ابناء الابناء (پوتے) اور ابناء البنات (نواسے) کو بھی ابناء کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ

ان ابني هذا سيد

(حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے) بیشک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی لابناء فلاں یعنی فلاں شخص کے بیٹوں کو یہ چیز دی جائے اور اتفاق سے اس شخص کے صلبی بیٹے نہ ہوں تو یہ وصیت کس کے حق میں نافذ ہوگی؟

ابناء الابناء (پوتوں کے حق میں) یا ابناء البنات یعنی نواسوں کے حق میں؟ تو فقہاء نے مسئلہ یہ لکھا ہے کہ یہ وصیت پوتوں اور نواسوں سب کے حق میں نافذ ہوگی اور وہ شئی موصیٰ بہ (وصیت کی گئی) سب میں مشترک ہوگی لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"الوصية لابن الابن لا لابن البنت"

شئی مذکورہ بالا صورت میں وصیت پوتوں کے حق میں نافذ ہوگی اور اس میں پوتے نواسے خارج نہیں ہوں گے۔

بہر حال جب نصاریٰ کو مباہلہ کا چیلنج دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم آپس کی مشاورت سے جواب دیں گے۔ مجلس مشاورت میں ان کے ہوشمند اور دانشمند لوگ کہنے لگے کہ اگر تم لوگوں کو یہ یقین ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی مرسل ہیں اور بنی اسماعیل میں جس نبی کے مبعوث کیے جانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ یقیناً یہی ہیں تو پھر ان کے ساتھ مباہلہ اور مجادلہ دنیوی و اخروی خسران سے خالی نہیں ہے لہٰذا یہی بہتر ہے کہ ان سے صلح کر کے ان کو جزیہ دیا جائے۔ جب یہ لوگ باہر آگئے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن و حسین و فاطمہ و علی رضوان اللہ علیہم کے ہمراہ باہر تشریف لے آئے تھے۔ نصاریٰ کا لاٹ پادری کہنے لگا کہ میں ایسے نورانی چہرے دیکھ رہا ہوں کہ ان کی دعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے لہٰذا ان کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کے لیے آجاتے تو وہ وادی جہاں کہ یہ لوگ تھے۔ ان پر آگ برساتی اور قہر خداوندی آگ کی شکل میں نازل ہو جاتا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى

کہہ اے اہل کتاب! آؤ ایک بات کی طرف

كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ

جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک

لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا

نہ ٹھہرائیں اور نہ بنائے اللہ کے سوا کسی کو رب بنائے پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو گواہ رہو کہ

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ

ہم تو فرمانبردار ہونے والے ہیں ○ اے اہل کتاب! ابراہیم کے معاملہ میں کیوں جھگڑتے ہو

اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵ هٰٓاَنْتُمْ

حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد اتری ہیں کیا تم نہیں سمجھتے ○ ہاں تم

هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ

وہ لوگ ہو کہ جس چیز کا تمہیں علم تھا اس میں تو جھگڑے پھر اس چیز میں کیوں جھگڑتے ہو جس چیز کا تمہیں علم ہی نہیں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی

وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷ اِنَّ اَوْلَى

لیکن سیدھے راستے والے مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ○ بیشک لوگوں میں

النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ

سب سے زیادہ قریب ابراہیم کے وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی تابعداری کی اور یہ نبی اور جو اس نبی پر ایمان لائے اور

وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۸ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا

اللہ ایمان والوں کا دوست ہے ○ بعض اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم کو گمراہ کر دیں اور

يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۶۹ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور نہیں سمجھتے ○ اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ
حالانکہ تم گواہ ہو ۝ اے اہل کتاب! سچ میں جھوٹ کیوں ملاتے ہو اور سچی بات کو
الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو ۝

افاداتِ محمود:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ الخ

یہاں سے پھر اہل کتاب کو دعوت دی جا رہی ہے۔ یہ خطاب یہود و نصاریٰ دونوں کو ہے اور ممکن ہے کہ صرف نصاریٰ کو ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ کے پاس نجران سے جو وفد آیا تھا وہ صرف نصاریٰ پر مشتمل تھا۔ حاصل یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد نجران سے فرمایا کہ اسلموا یعنی اسلام لے آؤ تو وہ کہنے لگے کہ اسلمنا یعنی ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے متنبہ کرنے کو آیت نازل فرمائی کہ تمہارا مسلمان ہونے کا دعویٰ تو اس صورت میں سچا ہو سکتا ہے کہ اس دعوے کے جتنے تقاضے ہیں پورے کیے جائیں اور اندر کے خبث سے اس میں کوئی تبدیلی و تحریف نہ کی جائے، ورنہ توحید کے دعوے کے ساتھ کسی نبی کو خدا کا بیٹا قرار دے دینا اور کسی کو حلال و حرام قرار دینے کے اختیارات کا مالک سمجھنا یہ کہاں کی توحید ہے؟ تم توحید کے دعویٰ میں سچے بن جاؤ تو تم کامران ہو جاؤ گے۔ نصاریٰ ایک طرف تو عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ مان کر صریح قسم کا شرک کرتے تھے۔ مزید برآں اپنے احبار و رہبان کو حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال کرنے اور دین میں تبدیلی اور اضافے کا اختیار دیتے تھے اور اندھے ہو کر ان کی پیروی کرتے تھے۔ یہ سب دعویٰ توحید کی نفی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل روم کو جو نامہ لکھا تھا اس میں بھی یہی آیت لکھوائی تھی:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى

اما بعد فانی ادعوک بدعاية الاسلام اسلم تسلم واسلم يؤتك الله اجرك مرتين

فان توليت فان عليك اثم الاريسيين ويا اهل الكتاب الخ ۝ (بخاری)

یہ خط ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا شخص ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ مابعد میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس کلمے کی جو اسلام کی طرف لانے والا ہے (یعنی کلمہ طیبہ کی) اسلام لے آ تو سلامت رہو گے اور اسلام لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دہرا اجر عطا کرے گا۔

جیسا کہ اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اولئک یؤتون اجرهم مرتین الخ لیکن اگر تو اسلام سے روگردانی کرے گا تو کاشتکاروں یعنی تمام پبلک و رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا (کیونکہ تیرے اتباع میں وہ اسلام سے دور رہیں) اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مسلم ہے۔ وہ یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی شخص کی عبادت نہ کریں اور نہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب اور معبود نہ بنائیں۔ حضرت نانوتوی کی کتاب تقریر دلپذیر اسی آیت کی تفسیر ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ توحید تمام دنیا کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اسلام میں اپنی احسن شکل میں موجود ہے۔ اس لیے تمام دنیا کی فلاح اسلام قبول کرنے میں ہے۔ پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہرقل نصرانی تھا اور روم کا بادشاہ تھا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطاب صرف نصاریٰ سے ہے۔ لیکن اگر اس خطاب کو عام قرار دیا جائے تو فائدہ زیادہ ہوگا۔

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا الخ

یہود نے احبار اور نصاریٰ نے رہبان کو ارباب بنا لیا تھا یعنی ان کو تحریم و تحلیل کا اختیار دے دیا تھا حالانکہ یہ اختیار باری تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یا ایها النبی لم تحرم ما احل اللہ لک الخ ۵ گویا اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دینے کا اختیار آپ کو بھی حاصل نہیں ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے احبار و رہبان کو نبی تو نہیں بنایا۔ بلکہ احبار و رہبان کو رب بنا دیا۔ صرف ان کو اللہ تعالیٰ والے اختیارات سونپ دیے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ پر طبری کا اعتراض اور اس کا جواب:

یہاں طبری نے امام ابوحنیفہؒ کے قیاسات و استنباطات پر اعتراض کیا ہے کہ یہاں تو متبعین نے امام ابوحنیفہ کو بھی رب قرار دیا کیونکہ وہ بھی قیاسات کے ذریعے حلال و حرام کا حکم لگاتے ہیں۔ لیکن (العیاذ باللہ) ابوحنیفہ کے ہاں کوئی ایسا قیاس نہیں ہے جو کسی نص کے مد مقابل ہو اور اس سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دیا گیا ہو۔ امام ابوحنیفہ نے جب بھی قیاس کیا تو سند شرعی کے ساتھ کیا اور یہ امام کے لیے جائز ہے۔ قیاس کا قانون یہ ہے کہ قیاس کے لیے مقیس علیہ منصوص ہوتا ہے اور قیاس اس چیز کو کیا جاتا ہے جس کے متعلق براہ راست نص موجود نہ ہو۔ اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ اگر کسی چیز کی حلت یا حرمت سے متعلق حکم درکار ہو اور یہ شئی منصوص نہ ہو پھر اس کے متعلق صحابہ کرامؓ کے قضایا میں بھی کوئی فیصلہ موجود نہ ہو تو اس کی جہت حلت و حرمت کو اچھی طرح پرکھنے کے بعد وہاں کسی حلال چیز پر قیاس کر کے اس کے حلال ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا یا حرام چیز جو منصوص ہو اس پر قیاس کر کے اس کی حرمت کا حکم دیا جائے گا۔ یہ تو پوری امت مسلمہ کا مسلمہ طریقہ ہے۔ لیکن بعض لوگوں کو امام ابوحنیفہؒ کے نام سے ہی

تکلیف ہوتی ہے۔

ربوٰا کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؐ نے اس کی علت نہیں بتائی، بلکہ فرمایا کہ "والفضل ربوا" یعنی سونا سونے کے مقابلہ میں، چاندی چاندی کے مقابلہ میں یہ معاملہ ہاتھوں ہاتھ ہونا چاہیے اور دونوں طرف سے برابر برابر ہونا چاہیے۔ تفاضل ناجائز ہے، نہ ادھار جائز ہے۔ اب یہاں اشیاء ستہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اجتہاد کے ذریعہ اس حکم کی علت قدر و جنس کو قرار دے دیا۔ امام اعظمؒ کی طرح امام شافعیؒ نے جو علت استنباط فرمائی ہے وہ طعم اور ثمنیت ہے۔ چار چیزوں میں علت طعم ہے اور سونا چاندی میں علت ثمنیت ہے۔ بعض دیگر حضرات نے طعم مع الادخار کو قرار دے دیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قیاس ایک شرعی حکم ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ القیاس مظہر لا مثبت، یعنی قیاس حکم شرعی کو ظاہر کرنے والا ہے۔ ثابت کرنے والا نہیں ہے۔ حلت و حرمت یا جواز و عدم جواز کا حکم قیاس سے ثابت نہیں کیا جاتا صرف استنباط کیا جاتا ہے۔ ثابت تو اس کو نص سے کیا جاتا ہے البتہ قیاس سے اسے منصوص مقیس علیہ کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ ذریعہ اثبات نص ہے نہ کہ قیاس۔

ثبت بذلک ان قیاسات ابی حنیفة لا تثبت التحلیل و لا التحریم

مندرجہ بالا ضابطہ بیان ہونے کے ساتھ یہ بات واضح ہو گئی کہ امام اعظمؒ کے قیاسات سے نہ کسی چیز کی حلت کا حکم دیا جا سکتا ہے، نہ حرمت کا۔ وہ قیاسات صرف مظہر ہیں۔ حلت و حرمت کا تعلق نص سے ہوتا ہے جو کہ مقیس علیہ میں ہوتا ہے لہٰذا یہ الزام صرف افتراء ہے مجتہدین پر اور بس۔

لِمَ تُحَآجُّوْنَ الخ

یہود و نصاریٰ کا جس طرح یہ دعویٰ تھا کہ ہم توحید و اسلام میں مشترک ہیں۔ اسی طرح یہ دعویٰ تھا کہ ہم حقیقی معنی میں ملت ابراہیمیہ پر ہیں۔ سارے حماقت کے یہود یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم نصرانی تھے، حالانکہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ میں ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ گویا حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ میں دو ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ بعض باتیں ایسی تھیں جن کا ان لوگوں کو تھوڑا بہت علم تھا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق بشارتیں وغیرہ۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کو اپنی صفوں میں لا کھڑا کرنا اور اپنی ناحق و ناحق کی بات کو مستحکم کرنے کے لیے یہ دعویٰ کرنا کہ ان کی ملت حضرت ابراہیمؑ کی ملت ہے اور یہی ان کا طریقہ ہے۔ یہودی افتراء اپنی ذہنی تھی جس کا کوئی ثبوت تھا نہ کوئی دلیل۔

اِنّ ھذا لعمری فی الفعال بدیع

یہ یعنی دلیل کا مقابلہ کریں۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ

اور اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کہا جو کچھ مسلمانوں پر اترا ہے

عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا

اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کرو شاید کہ وہ بھی پھر جائیں ○ اور اپنے

تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ

دین والے کے سوا کسی کی بات نہ مانو ان سے کہہ دو کہ بیشک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے اور یہ بات نہ مانو کہ

مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ

کوئی اور بھی دیا جا سکتا ہے جیسا آپ کو دیا گیا ہے یا کوئی گروہ خدا کے ہاں تم پر الزام قائم کر سکتا ہے ان سے کہہ دو کہ فضل اللہ

یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

کے اختیار میں ہے جسے چاہے وہ دیتا ہے اور اللہ بڑا کشائش والا جاننے والا ہے ○ جسے چاہے اپنی مہربانی سے خاص کرتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیر مال کا امانت رکھو

یُّؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ

وہ تمہیں ادا کر دیں اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھے تو بھی تجھے واپس نہیں کریں گے ہاں

عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ

جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے یہ اس واسطے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر ان پڑھ لوگوں کا حق لینے میں کوئی گناہ نہیں اور وہ

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى

پر وہ جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں ○ کیوں نہیں ہوگا جس شخص نے اپنا عہد پورا کیا اور اللہ سے ڈرا

فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ

تو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ○ بیشک جو لوگ خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے

ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا

تھوڑا معاوضہ لیتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور ان سے اللہ کلام نہیں کرے گا نہ

يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ

قیامت کے دن اُن کی طرف نہ دیکھے گا اور انہیں پاک بھی نہ کرے گا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ۝ اور بے شک

مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا

ان میں سے ایک جماعت ہے کہ کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم خیال کرو وہ کتاب میں سے ہے

هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ

حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے

اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ

نہیں ہے اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں ۝ کسی انسان کے لئے

أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا

یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ

عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ

اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ لیکن (کہے گا کہ) تم اللہ والے بن جاؤ اس لئے کہ تم جو کتاب

الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ

سکھاتے ہو اور اس واسطے کہ تم پڑھتے ہو ۝ اور نہ یہ جائز ہے کہ تمہیں حکم کرے کہ تم فرشتوں

وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝

اور نبیوں کو رب بنالو کیا وہ تمہیں کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو ۝

افادات محمود:

یہود کی اسلام کے خلاف ایک خطرناک چال۔

وَقَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الخ

کعب بن اشرف اور بعض دیگر یہودیوں نے یہ سازش کی کہ دن کے ابتدائی حصہ میں ہم لوگوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مسلمانوں میں مل جل جائیں اور شام کے وقت پھر کفر کا اظہار کر دیں تاکہ ضعیف الاعتقاد مسلم ہم لوگوں کو دیکھ کر دین اسلام سے برگشتہ ہو جائیں کیونکہ ہم تو معتد حیثیت رکھتے ہیں۔ جب ہم برگشتہ ہوں گے تو

لوگ سمجھیں گے کہ یہ لکھے پڑھے اور اہل کتاب لوگ ہیں۔ یہ اسلام سے پھر گئے تو اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقصان ہے۔ اس طرح شاید کچھ لوگ واپس ہو جائیں۔

زندگی کا ایک اصول ہے کہ ایک شخص اگر بہت بڑا یا چھوٹا لیڈر ہو، لیکن وہ واقع میں سچا آدمی ہو تو جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے وہی اس کی زبان پر ہوتا ہے۔ یہ شخص کامیاب ہوگا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جو شخص اس کے قریب ہو جاتا ہے اس کے دل میں اس کی محبت بڑھتی ہے۔ اس طرح لوگ اس کے جاں نثار بن جاتے ہیں اور اس کے معتقدین و متعلقین میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے۔ قریب والوں کو عین الیقین ہوتا ہے۔ ان لوگوں میں اتباع کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ اگر اس کے پاس سے قریب کے اچھے لوگ بھاگ جائیں اور تھرڈ کلاس لوگ قریب ہونا شروع ہو جائیں تو سمجھ لو کہ یہ غلط آدمی ہے۔

اب ہمارے اکابر پر نظر ڈالیے جیسے حضرت شیخ الہند، حضرت مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلوی اور دیگر اکابر تھے۔ جو شخص ان کے قریب ہوا وہ ان اکابر کا تا محب اور جاں نثار رہا کہ ان حضرات کے ایک اشارے پر جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے ہر وقت، ہمہ تن تیار ہو گیا۔ دوسری طرف مودودی صاحب کو دیکھ لیں۔ عموماً کم خواندہ اور کم علم لوگ ان سے متعلق ہوتے ہیں۔ امین احسن اصلاحی جماعت اسلامی کے بانی رکن اور نائب امیر تھے۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالغفار حسن، عبدالجبار غازی، سردار اجمل خان لغاری، مولانا عبدالرحیم اشرف اور بہت سارے دوسرے لوگ جماعت اسلامی میں عرصوں شامل رہے۔ یہ لوگ جماعت میں مودودی صاحب کے قائم مقام بنے رہے مگر ایک وقت آیا کہ انہوں نے جماعت کو نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ اپنی ماضی کی زندگی پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ جماعت اسلامی کے ساتھ اپنے گزرے سالوں کو ایک غلطی ٹھہرایا۔ سیاسی جماعتوں میں لیگ، وزارت و وفاداریاں بدلتے ہیں۔ کسی کی وفا میں استقامت نہیں۔ بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ لوگ اپنی پارٹیوں میں سالہا سال صرف مفاد اور خود غرضی کے لیے براجمان تھے۔ تو فکر کی بات تو ہے اتوں رات وفاداریاں بدلنا کہاں کی اخلاقیات ہے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ الخ

یہاں سے یہود اور اہل کتاب کی مالی بددیانتی کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ بعض ان میں ایسے نامعقول اندیش ہیں کہ دینی بددیانتی کے ساتھ مالی بددیانتی بھی کرتے ہیں اور جو ایک روپے امانت کی حفاظت نہ کر سکے اور ادائیگی کے وقت لیت و لعل سے کام لے۔ بھلا دینی و اعتقادی معاملات میں اس پر اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے؟

رَبَّانِيِّينَ الخ، ربانی۔ یعنی منسوب الی الرب۔ جیسا کہ مولوی منسوب الی المولیٰ ہے یعنی مولیٰ والا بخلاف مولیانا کے کہ اس کا معنی ہے ہمارا سردار۔

ایک جگہ حدیث میں ہے الرباني الذي يربي الناس یعنی ربانی وہ ہے جو درس و تدریس کے ذریعہ لوگوں کی تربیت کرے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد حکماء، علماء اور فقہاء ہیں۔

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿﴾

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اصل میں ربانی ربی سے بنا ہے الف اور نون کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ جیسے جمۃ جمّان یعنی گدی کے بال والا، اور جیسے بڑی داڑھی والے کو لحیانی کہتے ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کو جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی دعوت دی تو بعض اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی ایسی پرستش کریں جیسی پرستش حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کی جاتی ہے تو اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ ایسا کب ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو رعایا کی ہدایت کے لیے منتخب فرمادے اور وہ خود گمراہ ہو جائے یا دوسروں کو گمراہ کرے (العیاذ باللہ) بلکہ وہ تو لوگوں سے ٹھیک ٹھیک وہی باتیں کہے گا جن کے لیے وہ مبعوث کیا گیا ہے۔

الفاظ میں احتیاط کا حکم:

لفظوں کے استعمال میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

لا يقولن احدكم عبدي و امتي كلكم عبيد الله و كل نسائكم اماء الله ولكن ليقل غلامي و جاريتي و فتاي و فتاتي ولا يقل العبد ربي ولكن ليقل سيدي (مسلم)

تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ عبدی و امتی کیونکہ تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ہیں لیکن غلامی اور جاریتی کہا کرو یا فتای و فتاتی کہا کرو۔ (ایک اور روایت میں ہے) کوئی غلام اپنے آقا کو رب نہ کہے بلکہ سیدی کہا کرے۔

ادب کے تقاضے کی وجہ سے ملک الملوک یعنی شہنشاہ کہنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے لہٰذا انبیاء کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے کہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائیں یا ان کو اپنی بندگی کا حکم کریں (العیاذ باللہ)

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم سے دوں پھر

جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ

تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا

قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ

فرمایا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا انہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا فرمایا

فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ

تو اب تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں ○ پھر جو کوئی اس کے بعد

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي

پھر جائے تو وہی لوگ نافرمان ہیں ○ کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ قُلْ آمَنَّا

جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا لاچاری سے سب اسی کے تابع ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ کہہ دو ہم

بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَ

اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور

إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ

اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب نبیوں کو

مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ وَ

ان کے رب کی طرف سے ملا ہم ان میں سے کسی کو جدا نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ○ اور

مَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ

جو کوئی اسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے

مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ

والوں میں سے ہوگا ○ اللہ ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت کرے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے

وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

اور گواہی دے چکے تھے کہ بے شک یہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں آئی تھیں اور اللہ نہیں راہ دیتا

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ

ظالموں کی قوم کو ○ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

سب لوگوں کی لعنت ہے ○ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا

وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا

اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور نیک کام کئے

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٨٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا

تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد منکر ہو گئے پھر بڑھتے رہے

كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ

انکار میں ہرگز قبول نہ کی جائے گی ان کی توبہ اور وہی گمراہ ہیں ○ بے شک جو لوگ

كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ

کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مر گئے تو کسی ایک سے زمین بھر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا

ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ

اگرچہ وہ اس قدر سونا بدلے میں دے ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی

نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾

مددگار نہیں ہوگا ○

افاداتِ محمود:

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا الخ

حارث ابن سوید اپنی قوم کا سردار تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا پھر مرتد ہو کر (العیاذ باللہ) مشرکین مکہ سے جا ملا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کسی نے اس کو سنائی تو کہنے لگا کہ مجھے یقین نہیں آتا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آیت سننے کے بعد اس نے لوگوں سے کہا کہ میں مسلمان ہو جاتا ہوں تو کیا میری توبہ قبول ہو

چوتھی: تب اس کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائی گئی۔ وہ پھر مسلمان ہوا اور زندگی بھر اچھا مسلمان رہا۔ آیت کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کو ہدایت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے آگے استثناء یوں فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے:

يجاء بالكافر يوم القيامة فيقال له لو كان لك ملء الارض ذهبا أكنت تفتدي به فيقول نعم فيقال له قد كنت سئلت ما هو أيسر من ذلك ۝ (تفسیر ابن کثیر)

قیامت کے دن کافر کو لایا جائیگا پس اس سے کہا جائیگا کیا اگر تیرے پاس زمین بھر کر سونا ہوتا تو کیا اس کو عذاب سے چھٹکارا کے عوض فدیہ میں دے دیتا؟ وہ کہے گا جی ہاں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تجھ سے اس سے بھی ایک آسان بات کا مطالبہ ہوا تھا (لیکن تو نے نہ کیا) یعنی ایمان لانا آسان تھا جیسا کہ تجھ سے سونے کے ذخیرہ خرچ کرنے اور فدیہ دینے سے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

ہرگز نیکی میں کمال حاصل نہ کر سکو گے جب تک کہ اپنی پیاری چیز سے کچھ خرچ نہ کرو اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ

بِهٖ عَلِیْمٌ ۞ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ

اس بات کو جاننے والا ہے ۞ سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لئے مگر وہ چیز جو حرام کر لی تھی اسرائیل نے

عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ

اپنے اوپر توریت نازل ہونے سے پہلے کہہ دو توریت لاؤ اور اسے پڑھو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۞ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

اگر تم سچے ہو ۞ پھر جس شخص نے اس کے بعد اللہ پر جھوٹ بنایا

فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ

تو وہی لوگ بے انصاف ہیں ۞ کہہ دو اللہ نے سچ فرمایا اب ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو ایک ہی کے ہو گئے تھے

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۞ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ

اور مشرکوں میں سے نہ تھے ۞ بے شک لوگوں کے واسطے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا یہی ہے جو مکہ میں برکت

مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۞ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ

والا ہے اور جہان کے لوگوں کے لئے راہنما ہے ۞ اس میں کھلی نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں

دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ

داخل ہوا اسے امن مل جاتا ہے اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے اس گھر کا حج کرنا جو شخص اس کی طرف پہنچنے کی

سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۞ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ

طاقت رکھتا ہو اور جو انکار کرے تو اللہ جہان والوں سے بے پرواہ ہے ۞ کہہ دو اے اہل کتاب

لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۞ قُلْ یٰۤاَهْلَ

اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو اور جو تم کرتے ہو اللہ اس پر گواہ ہے ۞ کہہ دو اے اہل

الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ

کتاب اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو اس شخص کو جو ایمان لاتا ہے اس میں عیب ڈھونڈتے ہو اور تم

شُهَدَآءُ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ

خود جانتے ہو اور تمہارے کام سے اللہ بے خبر نہیں ہے ○ اے ایمان والو اگر

تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

تم اہل کتاب کی کسی جماعت کا بھی کہا مانو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر کر دیں گے ○

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۚ وَ

اور تم کس طرح کافر ہو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور اس کا رسول تم میں موجود ہے اور

مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑے گا تو اسے سیدھے راستے کی ہدایت کی جائے گی ○

افادات محمود:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

كان ابو طلحة اكثر الانصار مالاً بالمدينة وكان احب امواله اليه بيرحاء وكانت مستقبلة المسجد وكان النبي صلى الله عليه وسلم يدخلها ويشرب من ماء فيها طيب قال انس فلما نزلت (لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون) قال ابو طلحة يا رسول الله ان الله يقول لن تنالوا الخ وان احب اموالي الي بيرحاء وانها صدقة لله ارجو بها برها وذخرها عند الله تعالى فضعها يا رسول الله حيث اراك الله فقال النبي صلى الله عليه وسلم بخ بخ ذاك مال رابح ذاك مال رابح وقد سمعت وانا ارى ان تجعلها في الاقربين فقال ابو طلحة افعل يا رسول الله فقسمها ابو طلحة في اقاربه وبني عمه (تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابو طلحہؓ مدینہ منورہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور ان کو اپنے تمام مال و جائیداد میں سے بیرحاء زیادہ محبوب باغ تھا جو کہ مسجد نبوی کے سامنے تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آتے اور پانی نوش فرماتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب لن تنالوا البر الخ والی آیت نازل ہوگئی تو حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن تنالوا البر الخ میرا محبوب ترین مال بیرحاء والا باغ ہے وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ مجھ کو اس کے عوض دے گا جس کا اللہ تعالیٰ

نے آیت بالا میں وعدہ فرمایا ہے اور یہ میرے لیے ذخیرۂ آخرت ہوگا تو اے اللہ کے نبی آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو خرچ کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ واہ واہ وہ تو بہت ہی نفع والا مال ہے۔ وہ تو بہت ہی نفع والا مال ہے۔ میں نے آپ کی بات سن لی لیکن میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے عزیز و اقارب پر خرچ کر دو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے کہا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے اس کو اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم فرمادیا۔

اس باغ میں ایک کنواں بھی تھا جس کا پانی اس باغ کو لگتا تھا اور حضرت ابو طلحہؓ نے باغ اور ساتھ ہی کنواں بھی اللہ کی رضا کے لیے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت ابو طلحہؓ کے چچا زاد بھائیوں میں حضرت حسان ابن ثابت اور حضرت ابی ابن کعبؓ بھی شامل تھے۔

مدینہ منورہ کے چھ کنویں:

(۱) بیئرحا یعنی ابو طلحہ والا (۲) بیئر بضاعہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جہاں حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا فیصلہ ہوا تھا۔ (۳) بیئر رومہ اس کو بیئر عثمانؓ بھی کہتے ہیں۔ (۴) بیئر اریس قباء میں (۵) بیئر لقب گلستان میں (۶) بیئر غرس، یہ اب بھی ہے، لیکن پانی ناصاف ہے۔ اس وقت باقی سارا پانی کھارا تھا اور بیئر رومہ کا پانی میٹھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو اسے مسلمانوں کی ضرورت کے لیے خریدے گا تو اس کے عوض جنت ملے گی۔ حضرت عثمانؓ نے پہلے تو آدھا کنواں خریدا۔ اب پانی کی باری لگ گئی۔ مسلمان ایک دن میں دو دن کا پانی جمع کر لیتے تھے کیوں کہ حضرت عثمان نے آدھا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرمادیا۔ اس طرح یہودی کا روبار ٹھپ ہوگیا۔ پھر بقیہ آدھا کنواں بھی بیچ دیا حضرت عثمان نے بقیہ آدھا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرمادیا اور مسلمانوں کو وافر اور میٹھا پانی میسر آ گیا۔ (۲) صحیحین میں ہے حضرت فاروق اعظمؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی میرا محبوب ترین مال وہ ہے جو خیبر میں مجھ کو بطور حصہ ملا ہے، فرمایئے میں اسے کیسے خرچ کروں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اصل اپنے پاس رہنے دو اور اس کا منافع اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ (۳) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو جب مندرجہ بالا آیت ذہن نشین ہوگئی تو میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے مجھے کونسا مال پسند ہے؟ تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ روم کی لونڈی جو مجھ کو حصہ میں ملی ہے سب سے زیادہ وہی پسند ہے پھر اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔ (۴) حضرت زید ابن الحارثؓ کا ایک پسندیدہ گھوڑا تھا وہ بھی اللہ کی رضا کے لیے دے دیا تھا۔ (۴) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ شکر خرید کر صدقہ فی اللہ کی راہ میں دیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ جناب آپ یہ قیمت ہی کیوں نہیں دے دیتے تو فرمایا کہ مجھ کو تمام چیزوں

کر شام تشریف لے گئے تھے اور بیت المقدس کو ہی قبلہ بنایا تھا۔ پھر ان کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام نے مستقل طور پر اس کو قبلہ بنایا لیکن تم مسلمانوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ بنا لیا۔ پھر ملت ابراہیمی پر قائم ہونے کا دعویٰ کیونکر کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب یہ دیا کہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جو گھر بنایا گیا وہ بیت اللہ الحرام ہی ہے۔ ارکان و مناسک حج ہمیشہ یہیں ادا ہوتے رہے ہیں۔ حضرت آدم سے خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اور ان کے متبعین یہیں حج کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ نقلی دلائل کے علاوہ یہاں ایک حسی دلیل مقام ابراہیم ہے۔ جس پتھر کو تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور سیڑھی استعمال فرمایا تھا، وہ یہاں موجود ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہود کا یہ دعویٰ تو قطعاً غلط ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء کا قبلہ بیت المقدس رہا ہے۔ البتہ حضرت ابراہیم کے بعد بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم کچھ عرصہ کے لیے دیا گیا تو مناسک حج بدستور بیت اللہ الحرام ہی میں ادا کیے جاتے رہے۔ لہٰذا مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں اور مسلمان ہی ملت ابراہیم کے زیادہ قریب ہیں۔

رہی یہ بات کہ آیت میں جس اولیت کا ذکر ہے اس سے زمانی اولیت مراد ہے یا رتبی؟ دونوں باتیں صحیح روایات سے ثابت ہوتی ہیں۔

عن ابی ذر سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اول مسجد وضع فی الارض فقال المسجد الحرام قلت ثم؟ قال المسجد الاقصی قلت کم بینهما فقال اربعون عاما ثم الارض لک مسجد حیثما ادرکت الصلوٰۃ فصل ○ (مسلم)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمین میں سب سے پہلی مسجد کونسی بنائی گئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مسجد حرام۔ میں نے پوچھا پھر کونسی؟ آپؐ نے فرمایا مسجد اقصیٰ۔ میں نے کہا دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنے عرصے کا فاصلہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا چالیس سال۔ پھر ساری زمین تیرے لیے مسجد ہے جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں پڑھ لیا کر۔

عن خالد بن عرعرة قال قام رجل الی علی رضی اللہ عنہ فقال الا تحدثنی عن البیت اهو اول بیت وضع فی الارض قال لا ولکنه اول بیت وضع فیه البرکة مقام ابراهیم ومن دخله کان آمنا (ابن کثیر)

حضرت خالد بن عرعرہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا کہ کیا آپ مجھ کو بتلا دیں گے کہ اول بیت سے کیا مراد ہے؟ کیا بیت اللہ ہی کو پہلے بنایا گیا

ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ بیت اللہ ایسا گھر ہے جس میں سب سے پہلے برکت رکھوائی گئی

ہے جو کہ مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ امن میں ہو جاتا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بیت اللہ کی تعمیر حضرت آدمؑ نے فرمائی اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمائی جو ہزاروں سال میں ایک ہزار یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ ہونا چاہیے۔ چالیس سال کا عرصہ تو بہت قلیل مدت ہے؟ جواب اس سوال کا یہ ہے کہ حقیقت میں ابتدائی تعمیر بیت اللہ کی بھی اور مسجد اقصیٰ کی بھی فرشتوں نے کی تھی اور حضرت آدمؑ و سلیمانؑ نے دوبارہ انہی بنیادوں پر تعمیر فرمائی ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا الخ۔ نہ یہاں کسی سے بدلہ لیا جا سکتا ہے نہ گرفتار کیا جا سکتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

ان الحرم لا يعيذ عاصيا ولا فارا بدم ولا فارا بخربة الخ

حرم نہ تو نافرمان کو پناہ دیتا ہے نہ قاتل کو اور نہ اس کو جو جزیہ دینے سے بھاگ کر آیا ہو اس کے علاوہ حرم ہر شخص کے لیے پناہ گاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو پاکستانی مجرم وہاں سے بھاگ کے جاتے ہیں ان کو حرم میں نہیں پکڑتے۔ یعنی مسجد حرم کے گیٹ تک پولیس تعاقب کر سکتی ہے اس سے آگے نہیں۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا الخ ○

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ استطاعت سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا الزاد والراحلة یعنی زاد راہ اور سواری کا انتظام ہو تو یہ استطاعت ہے۔

فرضیت حج علی الفور ہے یا علی التراخی:

یہاں یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ فرضیت حج علی الفور نہیں ہے، بلکہ علی التراخی (جس کا مطلب مؤخر کیا جانا ہے) ہے کیونکہ سورہ حج میں ارشاد خداوندی ہے

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝
(سورہ حج نمبر ۲۷)

اور اعلان کر لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے تیرے پاس پیدل اور دبلے اونٹوں پر تمام دور دراز راستوں سے۔

سورۂ حج مکی ہے اور سورۂ آل عمران مدنی ہے ۳ھ میں غزوۂ احد والے سال نازل ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں حج ادا فرمایا تھا جب راستے میں رکاوٹ وغیرہ نہ تھی۔ ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا۔ ۲۰ رمضان کو مکہ فتح ہوا اور اس کے بعد آپ طائف چلے گئے۔ وہاں قبیلہ ہوازن وغیرہ کو شکست دی۔ پھر جعرانہ کے مقام پر ٹھہرے، رات کے وقت آپ عمرہ کے لیے چلے گئے اور ہوازن وغیرہ سے لیا گیا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم سمجھ رہے تھے کہ حضور نے رات یہیں گزارنی ہے لیکن آپ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے واپس مدینہ منورہ چلے گئے اور اگلے سال ۱۰ھ میں حج ادا فرمایا، حالانکہ ۹ھ میں اشہر حرم میں آپ وہاں موجود تھے اور وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کی فرضیت پہلے ہے اور وجوب ادا علی التراخی ہے۔ بعض مالکیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے جب وجوب ادا علی التراخی ہے تو باوجود وجوب کے اگر کوئی شخص فی الفور حج نہ کرے تو گنہگار نہیں، لیکن بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر فرضیت حج کے بعد کوئی شخص ایک یا دو سال تاخیر کرے تو وہ فاسق ہو گیا اور اگر اس حال میں انتقال ہونے لگا تو وصیت لازم ہے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللهِ الخ

اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ اس کے بعد ایمان و اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنا اور دشمن کے جال میں پھنسنے سے بچنا مطلوب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان یہ ہوا کہ اسلام سے قبل جاہلیت ہی کے زمانہ میں لڑائیاں ہوتی رہیں، لیکن ایمان لانے کے بعد وہ عداوت اور دشمنی دوستی میں تبدیل ہو گئی اور کل کے دشمن آج بھائی بھائی بن گئے۔ چونکہ اسلام سے قبل لڑائیوں کا دور دورہ تھا۔ ذرا سی بات پر پلک جھپکنے میں سینکڑوں لوگوں کا خون ہو جایا کرتا تھا۔ قبیلہ اوس اور خزرج میں بھی جنگ بعاث ۱۲۰ سال تک جاری رہی۔ اسلام لانے کے بعد وہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ بعض کفار نے حسد اور بغض کی آگ میں جل بھن کر جاہلیت کے زمانہ کے کچھ جذبات ابھارنے اور صحابہ کرامؓ کے سامنے جنگ پر برانگیختہ کرنے والے اشعار پڑھے تو زبانی کلامی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ قریب تھا کہ زبانی کلامی جنگ میں اسلحہ اٹھانے تک کی نوبت آ جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور پھر بھی یہ جاہلیت کی باتیں سن رہا ہوں۔ تم لوگ اسلام کے اجالے میں آنے کے بعد پھر جاہلیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں جاتے ہو؟ صحابہ کرام ایک دوسرے سے چمٹ کر رونے لگے۔ ان کو احساس ہوا کہ ہم دشمن کے نرغے میں آ گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ مندرجہ بالا تمام آیتیں اسی مضمون سے متعلق ہیں۔

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اے ایمان والو

اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون ۝ واعتصموا

اللہ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنا چاہئے اور نہ مرو مگر اپنے حال میں کہ تم مسلمان ہو ○ اور سب مل کر

بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمت الله عليكم إذ كنتم

اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جبکہ تم آپس میں

أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا وكنتم على

دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم

شفا حفرة من النار فأنقذكم منها كذلك يبين الله لكم آياته

آگ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے پھر تم کو اس سے نجات دی اسی طرح تم پر اللہ اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم

لعلكم تهتدون ۝ ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون

ہدایت پاؤ ○ اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور اچھے

بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون ۝ ولا تكونوا

کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کام سے روکتی رہے اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○ اور ان لوگوں کی طرح

كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات وأولئك لهم

مت ہو جو متفرق ہو گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام آ گئے انہوں نے اختلاف کیا اور ان کے لئے

عذاب عظيم ۝ يوم تبيض وجوه وتسود وجوه فأما الذين اسودت

بڑا عذاب ہے ○ جس دن بعض منہ سفید اور بعض منہ سیاہ ہوں گے سو جن کے منہ

وجوههم أكفرتم بعد إيمانكم فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون ۝

سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے اب اس کفر کرنے کے بدلے میں عذاب چکھو ○

وأما الذين ابيضت وجوههم ففي رحمة الله هم فيها خالدون ۝

اور وہ لوگ جن کے منہ سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۞ إِنَّ الَّذِينَ

اور جو کچھ کریں گے نیک کام سو اس سے محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو جاننے والا ہے ○ بے شک جو لوگ

كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ

کافر ہیں ان کے مال اور اولاد اللہ کے مقابلے میں کچھ کام نہ آئیں گے اور وہی

أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۞ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ

لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی

الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ

ہے جیسے ایک ہوا کہ اس میں سخت سردی ہو جا لگے ان لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۞ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا

پھر اس کو برباد کر دی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ○ اے ایمان والو نہ بناؤ اپنوں کے سوا

بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ

کسی کو بھیدی دوست وہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے جو چیز تمہیں تکلیف دے وہ ان کو پسند آتی ہے ان کے

الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ

منہ سے دشمنی نکل پڑتی ہے اور جو ان کے سینوں میں چھپی ہوئی ہے وہ بہت بڑی ہے ہم نے تم سے کھول کر

الْآيَاتِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۞ هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ

نشانیاں بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو ○ سنو تم ان سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تم سے دوستی نہیں

وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا

اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں

عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

تو تم پر غصے سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں کہہ دو تم اپنے غصے میں مر جاؤ اللہ دلوں کی باتیں

بِذَاتِ الصُّدُورِ ۞ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ

خوب جانتا ہے ○ اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو [illegible] تکلیف پہنچے

يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ○ ع

تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کے فریب سے تمہارا کچھ بھی نہ بگڑے گا بے شک اللہ ان کے اعمال پر احاطہ کرنے والا ہے ○

افادات محمود:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الخ

پہلے رکوع میں حَبْلُ اللّٰهِ یعنی قرآن کریم کا ذکر تھا۔ اب اس امت کی افضلیت کا بیان ہے کہ گذشتہ رکوع میں ایمان والوں کے لیے جن صفات لازمہ کا ہم نے بتایا تھا وہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک جماعت مسلمانوں میں ایسی ہو کہ جہاں کوئی منکر اور برائی دیکھے تو اس سے منع کرے اور اعمال صالحہ کی ترغیب دے اور اس جماعت کے افراد ان اوامر و نواہی کے متعلق علم بھی رکھتے ہوں۔ کیونکہ جاہل آدمی کسی منکر کو معروف اور معروف کو منکر سمجھ کر اگر ترغیب و ترہیب کا طریقہ سرانجام دے گا تو اصلاح کے بجائے فساد و تخریب کا باعث ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ الخ ○

اے ایمان والو اپنوں کے سوا غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔

کلیدی عہدوں پر غیر مسلم کی تقرری سے متعلق ایک عالمگیر و حقائق پر مبنی ضابطہ:

ایک اسلامی ریاست کے امیر اور سربراہ کا کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر کرنا اور ان سے تعاون حاصل کرنا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ غیر مسلم تو موقع کی تلاش میں رہیں گے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کا راز فاش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ایک عیسائی لڑکا بہت ہی ذہین اور سمجھدار ہے اگر آپ اسے منشی مقرر فرمائیں تو بہتر ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس آیت کا حوالہ دے کر انکار فرما دیا۔

قيل لعمر ابن الخطاب رضي الله عنه ان ههنا غلاما من اهل الحيرة حافظ كاتب فلو اتخذته كاتبا فقال قد اتخذت اذا بطانة من دون المؤمنين ○ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا گیا کہ یہاں حیرہ کا رہنے والا ایک شخص ہے جو کہ اس فن کو خوب جاننے والا ہے۔ آپ اس کو اپنے ہاں منشی رکھوائیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اس (غیر مسلم) کو منشی رکھنے سے قرآن کی (مندرجہ بالا) آیت کی مخالفت لازم آئے گی

تو اس وقت کہ یہ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر غیر مسلم کو اپنا راز دان بنا ڈالوں گا۔

اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جب گورنر تھے تو اپنے منشی کے ساتھ حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ اتفاق سے حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس کچھ خط آیا ہوا تھا، آپ نے پڑھوانا چاہا تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنے کاتب کی نشاندہی فرمائی۔ سب لوگ مسجد میں چلے گئے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! وہ کاتب تو نصرانی ہے، مسجد میں نہیں جا سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو نوکری سے فوراً معزول کر دو۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ تمام گورنروں کو خط لکھا۔

لا تستعملوا اهل الكتاب ○

یعنی اہل کتاب سے اس طرح کے کام نہ لیا کرو، صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو اپنے پاس رکھو۔

میں (مفتی محمود) کہتا ہوں کہ ہماری ناکامی کے اسباب یہی ہیں کہ کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کو تعینات کرتے ہیں۔ بد قسمتی سے ہماری پوری حکومت ہی باہر کی ہوتی ہے۔ ۳۰ سال گزر گئے لیکن ہمیں ایسی حکومت نصیب نہ ہوئی جو غیروں کے اشاروں اور سہاروں سے پاک ہو۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ

اور جب تو صبح کو اپنے گھر سے نکلا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانے پر

لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا

بٹھا رہا تھا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○ جب تم میں سے دو جماعتوں نے قصد کیا کہ نامردی کریں

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ

اور اللہ ان کا مددگار تھا اور چاہیے کہ اللہ ہی پر مسلمان بھروسہ کریں ○ اور اللہ بدر کی لڑائی میں

بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ

تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ تم کمزور تھے سو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر کرو ○ جب تو

لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

مسلمانوں کو کہتا تھا کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کے لئے تین ہزار فرشتے آسمان سے

مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

اترنے والے بھیجے ○ بلکہ اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو اور وہ تم پر ایک دم سے آ پہنچیں تو تمہارا

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا

رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر مدد کے لئے بھیجے ○ اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی

بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ

خوشی کے لئے کیا ہے اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست

الْحَكِيْمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا

حکمت والا ہے ○ تاکہ بعض کافروں کو ہلاک کرے یا انہیں ذلیل کرے پھر وہ ناکام ہو کر

خَآئِبِيْنَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ

لوٹ جائیں ○ تیرا کوئی اختیار نہیں یا اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں عذاب کرے

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ يَغْفِرُ لِمَنْ

کیونکہ وہ ظالم ہیں ○ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا

غزوۂ احد میں مسلمانوں اور کفار کے پاس سامان جنگ کا تجزیہ اور اسباب شکست

مسلمانوں کے پاس ایک گھوڑا بھی نہیں تھا اور تعداد بھی تھوڑی تھی۔ مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے (۷۰۰) سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ اشراف مکہ کی پندرہ عورتیں بھی ہمراہ تھیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر مردوں کو لڑائی پر برانگیختہ کرتی تھیں۔ مختصر یہ کہ جب یہ لوگ احد کے قریب جا ٹھہرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضورؐ کی اپنی رائے مبارک مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے اور دفاع کرنے کی تھی لیکن وہ حضرات جن کو بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا جذبہ شہادت سے سرشار اور شوق شہادت میں بیتاب تھے۔ اس لیے اکثر صحابہ کرامؓ نے رائے دی، کہا اگر مدینہ میں رہ کر لڑتے ہیں تو دشمن ہماری بزدلی اور کمزوری پر محمول کرے گا لہٰذا باہر نکل کر لڑنا چاہیے۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی نے اندر رہ کر لڑنے کی رائے دی، مگر اس کی رائے نفاق اور بزدلی پر مبنی تھی۔ اس نے اس ظاہری صورت حال بھانپنے سے اپنی رائے حضورؐ کی رائے سے منسلک کر لی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اکثریت کی رائے پر عمل کرتے ہوئے تیار ہو کر باہر تشریف لے آئے۔ آپ صحابہ کرامؓ کو لے کر جب احد کے قریب پہنچ گئے تو آپؐ نے ایک درہ پر نظر ڈالی۔ آپ نے اس درے کی حفاظت کو اہم سمجھ کر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت وہاں مقرر فرما دی جو پچاس تیر انداز افراد پر مشتمل تھی۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو ان پر امیر مقرر فرما دیا۔ ان کو تاکید سے حکم دیا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست، اگر پرندے ہمارا گوشت بھی نوچ نوچ کر کھائیں تو بھی آپ لوگوں نے اس درہ کو نہیں چھوڑنا ہے، لیکن تقدیر پر تدبیر غالب۔ جب مسلمانوں اور کفار کے درمیان گھمسان کا رن پڑا اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تو مسلمانوں نے مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ درہ پر موجود حضرات سے ایک اجتہادی غلطی سرزد ہوئی۔ وہ یہ سمجھے کہ حضورؐ کا ارشاد تو جنگ لڑے جانے کے ساتھ مشروط تھا۔ جنگ ختم ہو گئی۔ اب ہم درہ پر رہ کر کیا کریں گے۔ حضرت ابن جبیرؓ نے حضورؐ کا ارشاد یاد دلا کر اتر نے سے منع بھی فرمایا لیکن اکثر حضرات اتر آئے اور اس درہ پر صرف ۱۲ آدمی رہ گئے۔ کفار کی کمان حضرت خالد ابن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ (یہ حضرت خالد کے ایمان لانے سے پہلے کا واقعہ ہے)۔ وہ اس درہ کے خالی ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ درہ کو خالی پا کر انہوں نے پلٹ کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ناگاہ (۷۰) ستر مسلمان شہید ہو گئے جن میں حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ بھی شامل ہیں۔ حضرت طلحہؓ حضورؐ کے آگے ڈھال بنے رہے، حتیٰ کہ کثرت تیر زنی سے آپ کا ایک ہاتھ شل ہو گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانتوں میں سے نچلا دائیں طرف والا دندان مبارک شہید ہو گیا، سر مبارک میں خود (ہیلمٹ) زرہ کی کڑیاں گھس گئی تھیں سر مبارک بھی زخمی ہو گیا تھا۔ بعد میں جب مسلمانوں نے دوبارہ صف بندی کی تو انجام کار فتح مسلمانوں کی ہوئی لیکن وقتی طور پر مسلمانوں کو عارضی شکست اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اے ایمان والو

اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ

تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ

وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڐ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي

مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ

الْعٰمِلِيْنَ ۝ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ

اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ○ یہ لوگوں کے واسطے بیان ہے

وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ

اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کے لئے ○ اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ

اگر تم ایمان دار ہو ○ اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو ان کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ

اور ہم یہ دن لوگوں میں باری باری بدلتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے

مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ

بعضوں کو شہید کرے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ○ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو

آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ

پاک کر دے اور کافروں کو مٹا دے ○ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تک اللہ نے تمہیں ظاہر نہیں کیا

الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ

ان لوگوں کو جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور ابھی صبر کرنے والوں کو بھی ظاہر نہیں کیا ○ اور تم موت سے پہلے

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝

اس کی ملاقات کی آرزو کرتے تھے سو اب تم نے اسے آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا ○

افادات محمود:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ الخ

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کے لیے برزخ ہے ہی نہیں۔ وہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنت میں جانے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ ان کو انعامات و کرامات سے نوازیں گے جیسا کہ حضرت جعفرؓ کے متعلق ہے کہ "له جناحين يطير بهما في الجنة" حضرت جعفرؓ غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہو گئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں۔ ہاں باضابطہ طور پر جنت میں جانا قیامت کے روز حساب کتاب کے بعد ہی ہوگا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا

اور محمد تو ایک

رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ

رسول ہے اس سے پہلے بہت رسول گزرے پھر کیا اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو تم الٹے پاؤں

أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي

پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور اللہ

اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا

شکر گزاروں کو ثواب دے گا ○ اور اللہ کے حکم کے سوا کوئی مر نہیں سکتا ایک وقت مقرر لکھا

مُؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ

ہوا ہے اور جو شخص دنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے دنیا ہی میں سے دے دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ

الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ۝ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ

چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے ○ اور کئی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر

رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا

بہت اللہ والے لڑے ہیں پھر اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچنے پر نہ ہارے ہیں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ

اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا

دبے ہیں اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے ○ اور نہیں بولے سوائے اس کے کہ کہا اے ہمارے رب

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى

ہمارے گناہ بخش دے اور جو ہمارے کام میں ہم سے زیادتی ہوئی ہے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافروں

الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ

کی قوم پر ہمیں مدد دے ○ پھر اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور اللہ نیک کاموں کو پسند کرتا ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اے ایمان والو اگر تم کافروں کو کہا مانو گے

يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَھُوَ

تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر دیں گے پھر تم نقصان میں جا پڑو گے ○ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ

خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا

بہترین مدد کرنے والا ہے ○ اب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا وہ بہت برا ٹھکانا ہے ○

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓي اِذَا فَشِلْتُمْ

اور بے شک اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم ان کے حکم سے انہیں قتل کرنے لگے یہاں تک کہ جب تم نے

وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ

نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا دی وہ چیز جسے تم پسند کرتے تھے بعض

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ

تم میں سے دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں سے آخرت کے طالب تھے پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ

تمہیں آزمائے اور بے شک تحقیق تمہیں اس نے معاف کر دیا ہے اور اللہ ایمان والوں پر فضل والا ہے ○ جس وقت تم

تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ

چڑھے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے پکار رہا تھا سو اللہ نے تمہیں اس کی پاداش میں

غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

غم دیا بسبب غم دینے کے تاکہ تم غم نہ کرو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور نہ اس پر جو تمہیں پیش آئی اور اللہ خبردار ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً

اس چیز سے جو تم کرتے ہو ○ پھر تم پر غم کے بعد امن یعنی اونگھ بھیجی اس نے بعضوں کو تم میں سے

مِنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

ڈھانک لیا اور بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے

الْجَاهِلِيَّةِ ۗ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ

کر رہے تھے کہتے تھے ہمارے ہاتھ میں کچھ کام ہے کہہ دو کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے

لِلّٰهِ ۗ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۗ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ

میں ہے وہ اپنے دل میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے سامنے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر ہمارے ہاتھ میں کچھ کام ہوتا

الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ

تو ہم اس جگہ مارے نہ جاتے کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے البتہ جن پر

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ

باہر نکل آتے وہ جن پر مرنا لکھا جا چکا تھا اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور تاکہ اس چیز کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے ○ بے شک جو لوگ

تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا

تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملیں سو شیطان نے ان کے گناہ کے سبب سے انہیں

كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

بہکا دیا تھا اور اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے بے شک اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے ○

افاداتِ محمود:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الخ

خلاصہ ان چند آیات کا یہ ہے کہ شکست کی ذمہ داری آپ لوگوں پر عائد ہوتی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نصرت والا وعدہ پورا فرما دیا تھا کہ ابتداء میں جب تم قتل کرنے لگے تو ان کو مغلوب کرتے رہے، لیکن بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم چھوٹ گیا اور آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ جس کی وجہ سے عارضی شکست میں مبتلا ہو گئے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ الخ

یہ جملہ ارشاد فرما کر کہ اللہ تعالیٰ نے بخشنے کے لیے عیب جوئی کرنے والوں کی زبانوں پر مہر سکوت ثبت فرما دی کہ جن حضرات سے درہ چھوڑنے کی ایک اجتہادی غلطی سرزد ہو گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ یہ غلطی کسی عداوت اور دانستہ کوتاہی پر مبنی تھی۔ العیاذ باللہ نفاق و کفر کی کوئی بیماری اس کے پیچھے کارفرما تھی۔ حضرت ابن عمرؓ سے جب حضرت عثمانؓ کے متعلق کسی شخص نے پوچھا کہ (۱) وہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ (۲) احد میں ثابت قدم نہیں رہے تھے۔ (۳) وہ بیعت رضوان میں بھی شامل نہ تھے؟ حضرت ابن عمرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جہاں تک بدر کی جنگ میں حضرت عثمانؓ کی عدم شمولیت کا بیان ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی، جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں، بیمار تھیں اور حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ (۲) رہا احد میں عدم ثابت قدم رہنے کا سوال سو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ (۳) اور جہاں تک بیعت رضوان میں عدم شمولیت کا تعلق ہے تو حضرت عثمانؓ سے زیادہ قابل احترام کوئی حضورؐ کی نظر میں ہوتا تو وہ ان کو بھیج دیتے۔ اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہوگی کہ حضور علیہ السلام نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر مارا اور فرمایا کہ یہ ایک ہاتھ عثمانؓ کا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے معافی اور مغفرت کا اعلان کر کے قیامت تک کے لیے بدخوئی بدگمانی اور بدگوئی کرنے والوں کی زبانیں بند فرما دیں۔

نعاساً یغشیٰ الخ

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ اونگھ کی وجہ سے میرے ہاتھ سے کئی دفعہ تلوار گر گئی تو حقیقت یہ ہے کہ اطمینان کے بعد ہی نیند آتی ہے۔

لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى

نبی کو یہ لائق نہیں کہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا لائے گا اپنی چیز قیامت کے دن سامنے جو خیانت کی تھی پھر پوری

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ

پائے گا ہر کوئی جو اس نے کیا تھا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ کیا وہ شخص جو اللہ کی رضا کا

كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ

تابع ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو غضب الٰہی کا مستحق ہوا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیسی وہ بری جگہ ہے ○ اللہ کے

دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ

یہاں لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ○ اللہ نے ایمان والوں پر

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

احسان کیا ہے جو ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا سناتا ہے ان کو اس کی

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ

صریح گمراہی میں تھے ○ کیا جب تمہیں ایک تکلیف پہنچی حالانکہ تم تو اس سے دو چند تکلیف پہنچا چکے ہو

قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی کہہ دو یہ تکلیف تمہیں تمہاری ہی طرف سے پہنچی ہے بے شک اللہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ

قادر ہے ○ اور جو کچھ تمہیں اس دن پیش آیا جس دن دونوں جماعتیں ملیں سو اللہ کے حکم سے ہوا اور تاکہ اللہ ایمان داروں کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ

ظاہر کر دے ○ اور تاکہ منافقوں کو ظاہر کر دے اور انہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ

دشمن کو دفع کرو تو انہوں نے کہا اگر ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے وہ

نماز بغیر وضو کے قبول نہیں اور حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں اس مقام پر خصوصی طور پر مالِ غنیمت میں خیانت کرنا مراد لیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن لتبیہ ؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ جب وہ واپس آگئے تو کچھ مال الگ کر کے رکھ دیا اور کہا کہ مجھ کو لوگوں نے یہ ہدیہ دیا ہے اور زکوٰۃ کا مال الگ کر کے بیت المال کے حوالہ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی۔ پھر فرمایا کہ ایسا کیوں ہے کہ میں کسی کو کوئی ڈیوٹی سونپ دوں اور جب وہ واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ بیت المال کا مال ہے اور یہ مجھ کو بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔

فهلا يجلس في بيت ابيه او بيت امه فينظر ايهدى له أم لا؟O

یہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھتا پھر دیکھے کیا اسے کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟

یہ حدیث سد ذرائع کے قبیل سے ہے۔ اللہ کے نبی ؐ نے ہمیشہ کے لیے رشوت اور بے قاعدگیوں کا دروازہ بند کر دیا۔ چنانچہ آگے ارشاد فرمایا:

والذي نفسي بيده لا يأخذ احد منه شيئاً الا جاء به يوم القيامة يحمله على رقبته ان كان بعيرا له رغاء او بقرا له خوار او شاة تيعر الخ O (الترغيب)

اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ تم میں سے جو شخص جو بھی چیز لے گا وہ اسے روزِ قیامت کے دن (ذلت و رسوائی) اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا۔ اگر وہ اونٹ ہوگا تو اس کی آواز ہوگی اور اگر وہ بیل ہوگا تو اس کی آواز ہوگی اور اگر وہ بکری ہوگی تو اس کی آواز ہوگی۔

ایک روایت میں ہے کہ ابن لتبیہؓ سے وہ مال واپس لے کر بیت المال میں داخل کر لیا گیا۔ لوگ انہیں عامل ہونے کی امید سے یہ کچھ دیتے تھے۔ یہ عمل بذاتِ خود درست نہیں۔ مزید برآں مستقبل میں اس عمل کے ذریعہ گناہوں کے متعدد دروازوں کے کھل جانے کا اندیشہ بھی ہے۔

هم درجات عند الله O یہ لوگ اللہ کے ہاں بڑے درجات والے ہیں

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

اللہ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ جدا نہ کردے ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ

پاک سے جدا نہ کردے اور اللہ کا طریقہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کردے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں

رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ

جسے چاہے چن لیتا ہے سو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

بہت بڑا اجر ہے ○ اور جو لوگ ایسی چیز پر بخل کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے وہ یہ خیال نہ کریں کہ

هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ

ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے قیامت کے دن وہ مال طوق بنا کر ان کے گلوں میں ڈالا جائیگا

الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞

جس میں وہ بخل کرتے تھے اور اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اسے جانتا ہے ○

افاداتِ محمود:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الخ

(۱) اس آیت کے متعلق حضرات مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا اور متعدد صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے تو واپس جاتے ہوئے حضرت ابوسفیانؓ (قبل از اسلام جنگ احد میں یہی قریش کے لشکر کے سالار تھے) کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ ہم نے بہت بڑی غلطی کی۔ مسلمانوں کو شکست حال اور زخم خوردہ چھوڑ کر آگئے۔ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔ لہٰذا اپنے ساتھیوں میں اعلان کر دیا کہ پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہیے تاکہ ان کا کامل استیصال ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے بذریعہ بلالؓ مدینہ منورہ میں منادی کرادی کہ جو لوگ کل احد میں شریک تھے وہی لوگ دوبارہ تیار ہوں۔ ہم نے ابوسفیانؓ کا تعاقب کرنا ہے۔ آپؐ کے جان نثار صحابہ کرامؓ آپؐ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تیار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو لے کر جب حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے، جو مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے تو حضرت ابوسفیانؓ کو سب حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا رعب طاری کر دیا کہ وہ دوبارہ حملہ کا ارادہ ترک کر کے مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گئے۔ وہ جس فرار کا الزام مسلمانوں کو دینا چاہتا تھا لہٰذا ایک شخص کو کچھ

فزادھم ایماناً..... زیادۃ الایمان ونقصانہ:

ایمان میں زیادتی ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ ہمیشہ محدثین کے ہاں معرکۃ الآرا رہا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جہاں جہاں بھی ایمان یا تقویٰ کے ساتھ لفظ زاد یا یزید استعمال کیا ہے، اس سے مراد زیادتی فی الایمان ہے۔ جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک "الایمان یزید و ینقص" یعنی ایمان میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور ایمان کم بھی ہوتا ہے۔

"وقال ابو حنیفۃ الایمان لا یزید ولا ینقص"

امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایمان میں نہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ امام اعظمؒ اور دیگر فقہاء کا جو اختلاف ایمان کی زیادتی اور عدم زیادتی سے متعلق ہے، یہ نزاع لفظی ہے، حقیقی نہیں ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر مزید واضح ہو جائے گا۔

مندرجہ بالا اختلاف کا مدار ایک دوسرے اصل پر ہے اور یہی اس اختلاف کی جڑ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اعمال جزء من الایمان ہیں یا نہیں؟ جن لوگوں کے ہاں اعمال جزء من الایمان ہیں، ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کے ہاں اعمال جزء من الایمان نہیں ہیں، ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

معتزلہ، خوارج اور مرجیہ کے درمیان نزاع حقیقی ہے:

خوارج اور معتزلہ کے نزدیک اعمال جزء ایمان ہیں اور قاعدہ ہے کہ انتفاء جزء انتفاء کل کو مستلزم ہے یعنی جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ پھر آگے دونوں میں یہ فرق ہے کہ (۱) عند الخوارج کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ (۲) معتزلہ کے نزدیک اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ جزء کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

ای ولا نسقط عن المسلم بسبب ارتکاب کبیرۃ وصف الایمان کما یقولہ المعتزلۃ حیث ذھبوا الی ان مرتکب الکبیرۃ یخرج عن الایمان ولا یدخل فی الکفر

(فقہ اکبر صفحہ ۷۸)

ہم کسی مسلمان سے گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے صفت ایمان سلب نہیں کرتے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس طرف گئے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے تو نکل جاتا ہے، لیکن کفر میں داخل بھی نہیں ہوتا۔

(۳) فرقہ مرجیہ کے ہاں صرف ایمان کافی ہے۔ ان کے نزدیک ایمان کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت ہے۔ نجات کے لیے صرف اتنا کافی ہے، طاعت اور عبادت یا اعمال ضروری نہیں۔

رغم انف ابی ذر"

اسی طرح خوارج نے عام نصوص سے استدلال کیا ہے جیسے

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الکفرون ○

لیکن مجموعی امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نصوص اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہو سکتے اور دیگر قطعی دلائل اس کے خلاف ہیں۔ خوارج کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ اپنی من مانی تفسیر میں بیان کرتے پھریں۔ چنانچہ صاحب شرح مقاصد لکھتے ہیں:

والجواب انها متروكة الظاهر للنصوص القاطعة على ان مرتكب الكبيرة ليس بكافر والاجماع المنعقد على ذالك على ما مر والخوارج خوارج عما انعقد عليه الاجماع فلا اعتداد بهم الخ

(خوارج کے مستدلات کا) جواب یہ ہے کہ وہ نصوص ظاہری معنی پر محمول نہیں ہیں کیونکہ ان کے مقابلے میں دیگر قطعی نصوص موجود ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور خوارج تو اس جادۂ حق سے ہٹ چکے ہیں جس پر امت کا اجماع ہے، لہٰذا ان کے کسی قول و فعل کا اعتبار ہی نہیں ہے۔

(۳) نیز قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں کہ باوجود گناہ کے ارتکاب کے اللہ تعالیٰ نے مومن کہہ کر پکارا ہے جیسا کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ الخ (تحریم/۸)

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ (الکہف/۱۰۷)

یہاں اعمال صالحہ کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کا طالب ہے۔ یعنی یہاں ایمان اور عمل صالح کو واضح طور پر الگ الگ کیا گیا ہے۔

(۵) ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اعمال کا تعلق جوارح سے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے پاس کوئی ٹھکانے کی بات نہیں ہے اور عاقل کو اشارہ کافی ہے۔

حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ الخ

بعض غزوہ احد جیسے واقعات اور آزمائشیں اس وجہ سے رونما ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہے کہ اب کھرے کو کھوٹے سے اور پکے کو کچے سے الگ کر دے۔ ورنہ ایک زمانہ تو اسی طرح لوگ ایسے ملے رہے کہ بظاہر کلمہ پڑھ لیا اور ہر محاذ پر مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ مومن منافق الگ الگ ہو جائیں اور آئندہ منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ ویسا اختلاط نہ ہو۔ اگر یہ کڑی آزمائش نہ ہوتی تو کیسے پتہ چلتا کہ مخلصین میں کون الگ ہوتا ہے۔ چنانچہ غزوہ احد میں منافقین کا کردار کھل کر سامنے آ گیا۔

ہوتا ہے، یعنی کسی اور کے نام کا لگ جاتا ہے حالانکہ یہ حرکت چنداں مفید نہیں، بلکہ اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی نقصان ہے۔ ایسے لوگ اخروی ودائمی عذاب سے چھوٹ نہیں سکیں گے۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ الخ

یعنی اللہ کے بندے کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد ان کے دلوں میں رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر الله في كل احيانه

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد فرماتے تھے۔

نماز بھی بہت بڑا ذکر ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کو قیام وقعود کی حالت میں یاد کرتا ہے، صاحب عذر پہلو کے بل بھی نماز پڑھ کر اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ الخ پچھلی امتوں میں صدقات وصول کرنے کے لیے فقراء ومساکین اللہ تعالیٰ کے محتاج نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ ہونے والا سرمایہ رکھ دیا جاتا تھا اور آسمان سے آگ آ کر اس کو خاکستر کر دیتی تھی اور یہ اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی۔ ورنہ وہ سرمایہ یونہی چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل واحسان ہے کہ صدقات وخیرات ضائع ہونے کی بجائے محتاجوں کو دے دیتے ہیں اور قبول ہو جاتے ہیں۔

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا الخ

منادی سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن ہے اور دعوت سے مراد دعوت عمل ہے یا ایمان ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ الخ

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ حضور قرآن میں عموماً مردوں کا ذکر آتا ہے مگر عورتوں کے اعمال کا ذکر نہیں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ آیت نازل فرمادی کہ میں کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ کسی کا نیک عمل فرشتے بالکل فوت نہ کریں یا کسی نے زیادہ عمل کیا ہو تو فرشتے اس کو کم لکھ دیں اور "بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ الخ" سے علت بھی بتادی کہ مرد عورتوں سے پیدا ہوتے ہیں اور عورتیں مردوں سے پیدا ہوئی ہیں لہٰذا مردوں کے ضمن میں عورتیں بھی آجاتی ہیں۔ گو مؤنث کے صیغے استعمال نہ بھی ہوں، پھر بھی عورتیں ہر نیک تذکرہ میں شامل ہیں۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ الخ

اگر ایک شخص کو کہا جائے کہ یہ پلاؤ کھاؤ لیکن کل تمہیں دار پر لٹکایا جائے گا اور دوسرے سے کہا جائے کہ یہ دال روٹی کھاؤ اور ہمیشہ خوشی اور راحت سے رہو تو لازمی بات ہے کہ دال روٹی کو ترجیح دی جائے گی۔ دین کے

اعتبار سے اپنے سے افضل عمل والے کو دیکھنا چاہیے تا کہ اعمال کا شوق پیدا ہو اور دنیا کے اعتبار سے اپنے سے کمتر کو دیکھنا چاہیے تا کہ بندہ شکر ادا کرنے والا بنے۔ اگر ایک شخص پارہ پارہ چلتا ہے تو لنگڑے کی حالت پر غور کرے۔ وہ شاکر بنے گا۔ اگر کوئی شخص بغیر جماعت کے نماز پڑھتا ہو اور بے نمازی کو دیکھے تو شکر کرے گا کہ میں تو پڑھتا ہوں، لیکن اگر وہ باجماعت نماز پڑھنے والوں اور تہجد پڑھنے والوں کو دیکھے گا تو زیادہ اعمال کا شوق و شغف پیدا ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ وقتی ساز و سامان اور آسائش و زیبائش کو نہ دیکھنا چاہیے جس کی عاقبت جہنم ہو (اعاذنا اللہ منہا)

وَمَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے جاؤں گا۔

وَرَابِطُوا الخ (۱) اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ہی دل کی لو لگاؤ۔ (۲) یا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرو۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عمار ابن یاسرؓ اور حضرت عباد ابن بشرؓ کی ڈیوٹی لگائی کہ یہ دونوں حضرات رات کے وقت قافلہ کی حفاظت اور چوکیداری کریں گے۔ ان دونوں حضرات نے آپس میں مشورہ کیا کہ دونوں کے مسلسل جاگنے سے ممکن ہے کہ رات کے آخری حصہ میں غلبہ نوم کی وجہ سے آنکھ لگ جائے اور نقصان ہو جائے، لہٰذا رات کے ابتدائی نصف میں ایک ساتھی کو آرام کرنا چاہیے اور دوسرے کو حفاظت اور نصف آخر میں دوسرے ساتھی کو آرام کرنا چاہیے اور پہلے ساتھی کو ڈیوٹی سرانجام دینا چاہیے۔ چنانچہ ایک ساتھی آرام کرنے لگے اور ایک نے قافلہ کی حفاظت کی ذمہ داری کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی۔ دوران نماز میں کسی دشمن کی طرف سے ایک تیر آکر اس نماز پڑھنے والے کو لگ گیا۔ پھر دوسرا اور تیسرا تیر بھی لگا تب ساتھی کو جگایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ پہلے ہی مجھ کو بیدار کر دیتے؟ فرمایا کہ میں نے نماز میں ایک سورۃ پڑھنا شروع کی تھی۔ اگر مجھ کو اپنے مرنے اور مسلمانوں کے سونے کی وجہ سے نقصان اور خیانت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس سورۃ کو مکمل کرنے سے پہلے نماز موقوف نہ کرتا۔ رابطوا کا ایک معنی یہ بھی ہے جیسا کہ صحابہ کرام کے عمل مبارک سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اذھب فالتمس ولو خاتما من حدید

کہ جا مہر کے لیے کچھ تلاش کر خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ جب وہ گیا تو واپس آ کر کہا کہ اے اللہ کے رسول گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔ انگوٹھی بھی نہیں ملی، البتہ میرے پاس تہبند کی چادر ہے۔ آدھی اس کو دوں گا اور آدھی میں لے لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہبند کی چادر سے وہ کیا فائدہ اٹھا سکتی ہے؟ اگر تیرے پاس ہوگی تو اس کے پاس نہ ہوگی اور اگر اس کے پاس ہوگی تو تیرے پاس نہ ہوگی۔ جب وہ جانے لگا تو حضورؐ نے اسے دوبارہ بلوایا اور پوچھا کہ تیرے پاس قرآن کریم کا کچھ حصہ ہے؟ اس نے کچھ سورتوں کے نام بتلا دیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا ہم نے تیرا نکاح اس سے کر دیا اور مہر وہ سورتیں ہیں جو تجھ کو آتی ہیں (یعنی بیوی کو وہ سورتیں سکھائی ہیں) تو تعدد ازدواج کا معاملہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مشورہ ہے کسی کو پابند نہیں کیا گیا۔ اللہ کے نبیؐ نے بھی متعدد شادیاں فرمائی تھیں۔

عدل بین الزوجین اور بین النساء سے مراد عدل اختیاری ہے، اضطراری نہیں:

ایک عورت کے ساتھ بھی عدل و انصاف ضروری ہے اور اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو پھر یہ ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ ان میں انصاف نہیں کر پاتا تو قیامت کے دن اس حالت میں حاضر ہوگا کہ ایک جانب کو جھکا ہوا اور ٹیڑھا ہوگا۔ یاد رہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک اختیاری (۲) دوسری اضطراری۔ دونوں قسموں کی طرف قرآن و حدیث میں واضح اشارات موجود ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ

(سورۃ نساء، ۱۲۹)

اور تم ہرگز نہ کر سکو گے عدل عورتوں کے درمیان اگرچہ تم حرص بھی کرو۔ پس نہ جھکو پورا جھکنا (ایک ہی کی طرف) کہ تم چھوڑ دو اس کو بیچ میں لٹکی ہوئی۔

یعنی مکمل عدل و انصاف تم نہیں کر سکتے ہو کیونکہ ذہنی یا ذاتی بات میں انصاف برتو اور کسی قسم کی کوئی کوتاہی اور لغزش نہ ہو۔ کیونکہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔ خصوصاً طبعیات اور فطریات میں کہ ایک بہت بلند اخلاق کی حامل ہو اور دوسری کچھ کم ہو۔ یہی حال خدمت کا اور دیگر فرائض کا ہے کہ سب عورتیں برابر نہیں ہوتیں۔ کبھی علم و فضل اور تقویٰ کے اعتبار سے بیویوں میں جو فرق ہوتا ہے تو برتاؤ میں کچھ نہ کچھ فرق تو ضرور آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی بات ارشاد فرمائی کہ کامل انصاف اگرچہ ممکن نہیں، لیکن کسی ایک کے ساتھ صریح اور کھلی بے انصافی نہ کرو کہ وہ معلقہ بن جائے کہ نہ تو وہ بغیر نکاح کے ہو کہ دوسری جگہ نکاح کر سکے اور نہ شوہر والی کہ اسے حقوق ملیں۔ اپنی بساط کے

مطابق خوب انصاف کرو اور کسی ایک پر ظلم نہ کرو اور یہی عدل اختیاری ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ہدایت ملی ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقسم فیعدل ویقول اللهم هذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (یعنی القلب) (الترغیب والترھیب)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (ازواج مطہرات کے درمیان ہر چیز) انصاف پر مبنی تقسیم فرما دیتے تھے اور پھر ارشاد فرماتے کہ اے اللہ میں نے (عدل پر مبنی) تقسیم کر دی ہے جو میرے اختیار میں ہے پس تو میرا مواخذہ اس بات پر نہ فرما جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔ (یعنی غیر اختیاری قلبی میلان)

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ شرعاً عدل اختیاری اور جزوی عدل مطلوب ہے نہ کہ غیر اختیاری اور عدل کلی

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ الخ

عطف علی واحدۃ ہے یعنی اگر زیادہ عورتوں میں انصاف و اعتدال قائم رکھنے کا ظن غالب نہ ہو تو پھر ایک آزاد عورت سے یا باندی سے نکاح کر لو۔ کیونکہ ایک عورت کی ذمہ داری کو نبھانا بنسبت زیادہ عورتوں کے آسان ہے اور باندی کا تو مہر بھی کم ہوتا ہے۔ اس سے نکاح کرنے میں زیادہ سہولت ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ حرہ کے ساتھ نکاح کی استطاعت کے باوجود لونڈی سے نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ امام مالک کے ہاں حرام ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے ہاں مکروہ ہے۔

وَالْاَقْرَبُوْنَ اس لفظ سے معلوم ہوا کہ بقول الاقرب حاجب للابعد لہٰذا والدین کا مال اولاد کو ملے گا اس ارشاد کی دلیل اور بنیاد اقربیت ہے اس لیے تمام اصول کہا ما اقرب ہے اس لا بعد لا ہے قریب وارث بنتا ہے اور بعید نہیں بنتا۔

حصہ پالیا۔ پھر اسے مردہ فرض کر کے اس کا حصہ اس کے بیٹے کو منتقل کر دیں گے، حالانکہ اس صورت میں عقلاً اور نقلاً بہت ساری خرابیاں ہیں۔

(۱) اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ زندہ وارث بنتا ہے مردہ وارث نہیں بنتا۔ لیکن یہاں تو الٹا مردہ کو دیا گیا اور الٹا زندہ کو دیا گیا۔ پھر مردہ کا حصہ اس کے زندہ بیٹے کو منتقل کیا گیا، حالانکہ جس پوتے کو دادا کا وارث بنایا جا رہا ہے، یہ ایک دفعہ پہلے اپنے فوت شدہ والد کا وارث بن چکا ہے، اور وہ مرحوم مورث بن چکا ہے۔ لیکن اب دوبارہ اسے قبر میں پڑے پڑے مورث گردانا جا رہا ہے۔

(۲) جب بیٹا فوت ہوا تھا تو والد وارث بن گیا تھا جیسا کہ نصوص سے ظاہر ہے۔ لیکن اب جب والد وفات پا گیا تو بیٹا (فوت شدہ) پھر وارث بن گیا۔ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

(۳) اسی طرح ایک شخص کے دو بچے ہوں اور ایک بیٹا ایک بیٹی۔ بیٹا اس شخص کی زندگی میں فوت ہو جاتا ہے آگے اس کی بھی ایک بیٹی ہے جو کہ پہلے شخص کی پوتی ہے۔ اب اگر وہ پہلا شخص فوت ہو جاتا ہے تو عائلی قانون کے مطابق اس کی پوتی کو اس شخص کی میراث سے دو حصے ملیں گے کیونکہ یہ لڑکی اپنے فوت شدہ والد کے دو حصے پائے گی اور اپنا حقیقی بیٹی کو ایک اور پوتی کو دو حصے ملیں گے۔ یہ بھی عقل کے خلاف ہے اور اصول وراثت کے بھی خلاف ہے۔

(۴) اسی طرح اگر ایک شخص (زید) کے دو بیٹے ہوں اور ایک بیٹا صاحب اولاد ہو یعنی ایک بیٹی کا باپ ہو اور یہ شخص اپنے والد زید کی زندگی میں فوت ہو جاتا ہے آگے ایک بیٹی چھوڑ جاتا ہے تو گویا اس شخص زید کا ایک حقیقی بیٹا اور ایک حقیقی پوتی موجود ہیں اب یہ شخص زید فوت ہو جاتا ہے تو اس کے مرے ہوئے بیٹے کو زندہ فرض کر کے اس کو کل مال کا آدھا حصہ ملے گا۔ پھر اسے مردہ سمجھ کر وہ آدھا مال اس کی بیٹی کو ملے گا تو اس صورت میں حقیقی بیٹے اور پوتی کا حصہ برابر ہو گیا۔ حالانکہ یہ آیت لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کی صریح مخالفت ہے۔ اگر بھائی کے ساتھ حقیقی بہن ہوتی تو اس کو ثلث ملتا اور اب بھتیجی ساتھ ہے جو مرے ہوئے شخص زید کی پوتی ہے تو اس کو آدھا حصہ مل رہا ہے۔ یہ بہت بڑی بے وقوفی ہے۔

(۵) پھر یہ قانون اولاد ہی کے ساتھ کیوں کر خاص ہے۔ آخر جو شخص فوت ہوا ہے، اس کی بیوی بھی تو موجود ہے۔ اس کے لیے کوئی قانون نہیں۔ یہ ساری خرابی یہاں سے پیدا ہوئی کہ مردہ کو زندہ فرض کر لیا گیا اور سارے مال کا مالک بنا دیا گیا۔ اولاد ہی کی تخصیص غلط ہے۔

(۶) اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں قائم مقام والا اصول جاری ہوتا ہے یعنی پوتا اپنے فوت شدہ والد کا قائم مقام ہے تو یہ اصول صرف فوت شدہ شخص کی اولاد تک کیوں محدود ہے۔ اس کے بھائی وغیرہ بھی تو ہوتے ہیں، وہ قائم مقام کیوں نہیں بنتے؟

(۷) اگر ایک شخص فوت ہوتا ہے اور اس کا حقیقی بھتیجا زندہ ہو اور بھائی پہلے سے فوت ہو گیا ہو تو جن صورتوں

میں بھائی وارث بنتا ہے ان صورتوں میں بھی بھتیجے کو بھی حصہ ملنا چاہیے، کیونکہ عائلی قوانین کے مطابق یہ بھی قائم مقام ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔

سئل ابو موسی عن ابنة وبنت الابن واخت فقال للابنة النصف وللاخت النصف وأت ابن مسعود فسيتابعني فسئل ابن مسعود واخبر بقول ابي موسى فقال لقد ضللت اذا وما انا من المهتدين، اقضي فيها بما قضى النبي صلى الله عليه وسلم للابنة النصف ولابنة الابن السدس تكملة الثلثين وما بقي فللاخت (بخاری ج ۲)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا گیا کہ اگر وارث (۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) اور میت کی بہن ہوں تو ان کو میراث میں سے کتنا کتنا ملے گا؟ حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ آدھا بیٹی کو ملے گا اور دوسرا آدھا بہن کو ملے گا (پوتی محروم ہے) اور ساتھ فرمایا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھیے۔ وہ بھی جواب دینے میں میری پیروی کریں گے۔ وہ سائل حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گیا۔ سوال بھی پوچھا اور حضرت ابو موسیٰؓ کا جواب بھی عرض کر دیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر میں بھی وہی جواب دوں جو ابو موسیٰؓ نے دیا ہے تب تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور جادۂ حق سے ہٹ جاؤں گا، بلکہ اس صورت میں وہی فیصلہ دوں گا جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ لہٰذا بیٹی کو کل مال کا آدھا ملے گا اور پوتی کو سدس یعنی چھٹا حصہ ملے گا تا کہ دو ثلث مکمل ہو جائیں اور جو باقی بچے گا وہ بہن کو ملے گا۔ یہاں دیکھیے کہ پوتی کو اللہ کے رسولؐ نے سدس دیا اور عائلی قوانین کے مطابق اس کو اپنے والد کا پورا حصہ ملنا چاہیے۔ کتنا بڑا فرق ہے؟

(۸) اب اگر ایک شخص فوت ہو جاتا ہے پیچھے ایک بیٹی (بنت) کو بنت الابن (پوتی) اور اخت یعنی بہن کو چھوڑ جاتا ہے تو عائلی قانون کے مطابق پوتی کو ۲/۳ ملے گا اور بنت کو ۱/۳ ملے گا اور اخت (بہن) محروم ہوگی تو قرآن کریم سے انحراف کی وجہ سے تینوں کے حقوق متاثر ہو گئے۔ اگر یہ قائم مقام والا اصول چلتا رہا تو حضرت حوا اور آدمؑ تک سارے لوگ حصوں کا مطالبہ کریں گے۔

اسلام میں اقربیت کا اصول ہے:

اسلام میں اقربیت کا اصول ہے اور میراث کے تمام احکام اس ضابطے کی روشنی میں طے ہوتے ہیں۔

الولد: سے مراد مطلق ولد ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث، (اخوۃ) بھائی۔ ایک بھائی سے زیادہ ہوں، ورنہ ایک بھائی اثر انداز نہ ہوگا۔ مِّنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ یُوۡصِیۡ بِهَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ دین، وصیت پر مقدم ہے لیکن یہاں آیت میں وصیت کو دین سے مقدم اس وجہ سے ذکر فرمایا گیا ہے کہ لوگ عموماً وصیت کے معاملہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔ کَلٰلَةً ایسا شخص جس کے اصول اور فروع نہ ہوں یعنی باپ بھی نہ ہو اور بیٹا بھی نہ ہو۔

مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن

ارتکاب کریں اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح سے زندگی بسر کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ

تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدتُّمُ

تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دے اور اگر تم

اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا

ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو بدلنا چاہو اور ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی

مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ

واپس مت لو کیا تم اس کو بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر لو گے ۞ اور تم اسے کیونکر لے سکتے ہو

وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾

جبکہ تم میں سے ہر ایک دوسرے سے بے تکلف اندر ہو چکا ہے اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ

ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں مگر جو پہلے ہو چکا

فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾

یہ بے حیائی ہے اور غضب کا کام ہے اور برا چلن ہے ۞

افاداتِ محمود:

وَالَّذٰنِ الخ

صیغہ اگرچہ مذکر کا ہے لیکن مراد مرد و عورت دونوں ہیں اور مذکر کا صیغہ تغلیباً لایا گیا ہے۔ (۲) یا لفظ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور مراد دونوں مرد ہیں اس صورت میں لواطت مراد ہوگی۔ لیکن پہلی تفسیر راجح ہے۔

قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ الخ

نزع کی حالت میں ایمان اور توبہ قبول نہیں ہوتی اور نزع کی حالت میں سو فیصد ایمان سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ البتہ کوشش کرنی چاہیے کہ محتضر کے سامنے کلمہ پڑھا جائے۔ اگر اس وقت اس کو پڑھنے کی توفیق ہو گئی تو کیا ہی اچھی بات ہے لیکن نزع کی حالت میں سلب ایمان کا خطرہ بھی ہے۔

أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا الخ

آج کل بھائی کی بیوی اور یتیم بھتیجیاں بھی لوگ میراث میں دبا لیتے ہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ میراث میں مال تو مل سکتا ہے لیکن عورتیں نہیں۔ یہ ایک جاہلانہ رسم اور ناانصافی پر مبنی مسئلہ ہے۔ بعض لوگوں کا یہ نظریہ یہاں بھی غالب ہوتا ہے۔ مال ہڑپ کرنے کے لیے جبراً بھائی کی بیوہ سے خود اور یتیم بھتیجیوں سے بیٹوں کی شادی رچا لیتے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ

یعنی میت کے وارثوں کو جبراً بیوہ عورت سے نکاح کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ صریح فحاشی اور گناہ کی مرتکب ہو رہی ہو تو گناہ سے روکنے کا انہیں حق حاصل ہے۔

لیے مطلق دودھ کا پینا پلانا کافی ہے، نہ تو مرات کی کوئی قید ہے اور نہ قلیل وکثیر میں فرق ہے۔

حضرت عائشہؓ کے پاس حضرت افلحؓ آیا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ نے منع فرمایا۔ کہنے لگے کہ میں آپ کا رضاعی چچا ہوں کیونکہ یہ مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے شوہر کے بھائی تھے۔ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ واقعی وہ آپ کے چچا ہیں تو حضرت عائشہؓ نے پھر پوچھا کہ حضورؐ دودھ تو مجھ کو عورت نے پلایا ہے البتہ مرد کیسے والد یا چچا ٹھہرا؟ آپؐ نے فرمایا یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب یعنی جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں وہ سب رضاعت کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ

اور ساس بھی حرام ہے وان طلق قبل الدخول اگرچہ ایک شخص نے مباشرت سے پہلے ہی بیوی کو طلاق دی ہو لیکن ساس پھر بھی حرام ہوگی۔ وربائبکم یہ وہ لڑکی ہے جو تمہاری بیوی کے سابق شوہر سے ہو تو اب جب اس کی ماں سے نکاح کریں تو ربیبہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے بشرطیکہ اس سوتیلے والد نے اس کی والدہ سے مباشرت کی ہو۔ اگر مباشرت سے پہلے ربیبہ کی والدہ کو طلاق دیدی تو پھر ربیبہ سے نکاح جائز ہوگا۔

حرمت وحلت سے متعلق ایک اہم قانون:

نکاح البنات تحریم الامہات ودخول الامہات تحریم البنات ○

عورتوں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا ان کی حرمت ہے۔ (عورتیں ساس بن گئیں) اور بیٹیوں کی حرمت ان کی ماؤں سے مباشرت سے مشروط ہے جیسا کہ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ کے اطلاق اور ان دَخَلْتُمْ بِهِنَّ کی قید سے ظاہر ہے۔ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ اور بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں لیکن مراد صلبی بیٹے ہیں، متبنّی وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنّی حضرت زیدؓ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا تھا۔ (قانون) ایسی دو عورتیں کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو ان کا نکاح جائز نہ ہو، ان کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

بہنوں کے متعلق شرعی حکم اور مودودی صاحب کی رائے:

مودودی صاحب نے ایک خودساختہ ضابطہ بنایا کہ حالت اضطرار میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ دو بہنیں جڑی ہوئی ہوں۔ بدن ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ دونوں جدا نہ ہو سکتی ہوں تو ان کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ حالت اضطرار ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اگر دونوں کا جدا کرنا ممکن ہے تو دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا جائے اور اگر الگ کرنے میں موت کا اندیشہ ہو تو اسی طرح رہنے دیا جائے۔ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ حقیقت میں دو ہیں یا ایک ہی ہے اور دوسرا عضو زائد ہے، اس اعتبار سے احکام مرتب ہوں گے۔ (۱) پہچان اس کی یہ ہے کہ اگر ایک نے کھانا کھایا اور دوسری کی بھوک رفع ہوگئی۔ اسی طرح ایک نے پانی پیا تو دوسری کی بھی پیاس بجھ گئی تو سمجھو کہ حقیقت میں وجود واحد ہے اور دوسرا عضو زائد ہے تب اس صورت میں ایک شخص سے نکاح جائز ہوگا۔

(۲) اور اگر دونوں کے اعضاء الگ الگ ہیں۔ ایک کے کھانے پینے سے دوسری کو فائدہ نہیں ہوتا تو یہ حقیقت میں دو ہیں۔ پھر ایک شخص سے نکاح جائز نہ ہوگا اور یہ اسی طرح زندگی گزار لیں گی۔

رہی بات مودودی صاحب کی کہ یہ صورت اضطراری ہے اور دونوں کا نکاح ایک شخص سے جائز ہے تو یہ غلط ہے۔ نکاح میں کوئی اضطرار نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی مثالیں موجود ہیں۔ (۱) مثلاً ایک عورت نوجوان ہے سن یاس کو نہیں پہنچی ہے لیکن کسی بیماری کی وجہ سے حیض بالکل بند ہوگیا اور شوہر نے طلاق دے دی تو یہ عورت تین برس تک عدت میں رہے گی اور سن یاس کو پہنچ کر پھر اس کی عدت گزرے گی اور دوسری جگہ نکاح کر سکے گی۔

(۲) یا ایک عورت مفضاۃ ہو اور دونوں راستے مل گئے تو منکوحہ نہ ہونے کی صورت میں چونکہ اجنبی الحد پر حرام ہے، لہٰذا زندگی بھر اسی طرح بیٹھی رہے گی۔ اس سے مباشرت نہیں کی جاسکتی لہٰذا نکاح میں اضطرار کا کوئی اصول نہیں ہے۔ مودودی صاحب نے پہلے خود ایک ضابطہ بنایا اور پھر اس کی روشنی میں جن دو بہنوں کے جسم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں ان کے ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونے کو جائز قرار دے دیا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا مودودی صاحب نے متعہ کو حالت اضطرار میں جائز قرار دے دیا اور اس اضطرار کی مثال بیان کی کہ اگر کسی بحری جہاز میں مرد و عورت سوار ہوں اور وہ غیر ارادی طور پر کسی سنسان جزیرے کے کنارے پر جا لگے تو اس صورت میں متعہ جائز ہوگا۔ (۱) میں (مفتی محمود) کہتا ہوں اگر وہ عورت اس کی ماں یا بہن ہو تو پھر وہ کیا کرے گا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ دجال سے متعلق حضرت تمیم داری کی جو حدیث ہے وہ مشکوۃ سمیت احادیث کی بہت سی کتابوں میں موجود ہے کہ ان لوگوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشاہدہ کی خبر دی اور پھر اس کو مسجد نبوی کے منبر پر بیان فرمایا کہ دجال ایک جزیرہ میں قید ہے وہ قرب قیامت میں وقت مقررہ پر آزاد ہو کر وہاں سے باہر آئے گا۔ تفصیل کتب احادیث و عقائد میں ملاحظہ فرمائیں۔ مودودی صاحب نے اس کے متعلق یہ کہ ۱۳۰۰ سو سال تاریخ نے ثابت کر دیا کہ دجال کا تذکرہ غلط تھا کیونکہ کوئی جزیرہ غیر آباد نہیں ہے یوں حدیث دجال سے انکار کر دیا۔ میں (مفتی محمود) کہتا ہوں کہ جس جزیرہ میں متعہ جائز ہے اسی میں دجال موجود ہے۔ عجیب سی بات ہے کہ جواز متعہ کے لیے جزیرہ کو غیر آباد تسلیم کیا جائے اور وجود دجال سے انکار کے لیے تمام جزائر کو آباد قرار دے دیا جائے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ

اور خاوند والی عورتیں مگر تمہارے ہاتھ جن کے مالک ہو جائیں یہ اللہ کا قانون تم پر لازم ہے

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

اور ان کے سوا تم پر سب عورتیں حلال ہیں بشرطیکہ انہیں اپنے مال کے بدلے میں طلب کرو ایسے حال میں کہ نکاح کرنے والے ہو

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو پھر ان عورتوں میں سے جنہیں تم کام میں لائے ہو تو ان کے حق جو مقرر ہوئے ہیں وہ انہیں دے دو

فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے باہمی کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

اور جو کوئی تم میں سے اس بات کی طاقت نہ رکھے کہ خاندانی مسلمان عورتیں نکاح میں لائے تو تمہاری ان لونڈیوں میں سے

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ

کسی سے نکاح کر لے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور ایماندار بھی ہوں اور اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

تم آپس میں ایک ہو لہٰذا ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور دستور کے موافق ان کے مہر دے دو

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ

درآنحالیکہ نکاح میں آنے والیاں ہوں آزاد شہوت رانیاں کرنے والیاں نہ ہوں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں پھر جب

اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ

وہ قید نکاح میں آ جائیں پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو ان پر آدھی سزا ہے جو خاندانی عورتوں پر

مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ

مقرر کی گئی ہے یہ سہولت اس کیلئے ہے جو کوئی تم میں سے تکلیف میں پڑنے سے ڈرے اور صبر کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۝

مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ

ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں اس مال کے جو ماں باپ یا رشتہ دار چھوڑ کر مریں اور وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوئے

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

تو انہیں ان کا حصہ دے دو بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ۞

افادات محمود:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ الخ اس آیت سے معتزلہ استدلال کرتے ہیں کہ کبائر جمع کا صیغہ ہے اور جمع جب مضاف ہوتا ہے تو اس سے استغراق مراد ہوتا ہے اور یہ جملہ شرطیہ ہے، لہٰذا مراد یہ ہے کہ صغائر کی بخشش موقوف ہے کبائر سے اجتناب پر۔ اگر تمام کبائر سے کوئی بچے گا تو صغائر معاف ہوں گے اور اگر تمام کبائر سے نہ بچے گا تو صغائر بھی معاف نہ ہوں گے۔

اس آیت سے معتزلہ کا یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مضاف مضاف الیہ نہیں ہے، بلکہ موصوف صفت ہے کبائر موصوف ہے ما تنہون عنہ صفت ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اگر تم ان کبائر سے بچو جن سے تم روکے جاتے ہو۔ صغائر ہم معاف کر دیں گے، ہر کبیرہ کے دواعی صغیرہ ہیں۔ جیسے زنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس کے دواعی النظر الی الاجنبیہ ولمسہا وتقبیلہا یہ دواعی زنا ہیں صغیرہ ہیں، کبیرہ نہیں ہیں۔ اگر یہ دواعی بھی کبیرہ ہوتے تو یہ بھی کبیرہ بن جاتیں گے اور الکف من الزنا یہ کف حسن ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کف نفس عن الزنا کر رہا ہے تو یہ فعل حسن ہے اور پھر دواعی بھی معاف ہو جائیں گے۔ کیونکہ قانون خداوندی ہے "ان الحسنات یذھبن السیئات" یعنی نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں لہٰذا معتزلہ کا استدلال اس آیت سے باطل ہے اور جس دعویٰ پر انہوں نے یہ دلیل قائم کی تھی وہ دعویٰ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ الخ

پاکستان کے آئین میں غلامی کا سلسلہ ممنوع ہے آج کل لوگ اس کا مذاق ہی اڑاتے ہیں، حالانکہ قیدیوں کو چھوڑنا بہت بڑی سیاسی غلطی ہے۔ کیونکہ وہ دشمن ہیں۔ جب آپ نے ان کو چھوڑ دیا تو وہ زیادہ مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔ وہ زیادہ مقابلہ کریں گے اور اپنا غصہ نکالیں گے۔ ۶۵ء کے قیدی اب تک موجود ہیں اور لوگ ان کو طرح طرح کی سزائیں اور عذاب دیتے ہیں، لیکن اسلام نے جیل خانہ نہیں بنایا بلکہ مسلمان ان جنگی قیدیوں کو بطور غلام مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور وہ اچھے کردار و اخلاق سے ان کو متاثر کر کے مسلمان بنا دیتے تھے۔ ان موالی میں بڑے بڑے متقی اور بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ ایک دن جا رہے تھے۔ ان کے پاس ایک جوڑا نیا تھا اور ایک پرانا تھا۔ اسی طرح ان کے غلام کے پاس بھی ایک نیا اور ایک پرانا جوڑا

تھا۔ جب اس بے مثال مساوات کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں ایسا کیوں نہ کرتا، جبکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت یہ ہے کہ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے قبضۂ قدرت میں رکھ دیا ہے۔ پس جس کے زیر دست کوئی غلام ہو تو اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان کو کسی مشکل کام کی تکلیف نہ دے اور اگر لاچار ہو کر ایسا کرنا پڑے تو پھر تم بھی ان کی مدد کرو۔ سبحان اللہ کیا ہدایات اور اصول سمجھائے جا رہے ہیں۔ غلاموں کے حقوق کی کیا عجیب پاس داری کی جا رہی ہے۔ انسانی حقوق کے علم برداروں کے لیے اس حدیث میں بڑی عبرت ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اعلم یا ابا مسعود اللہ اقدر علیک منک علی ھذا" اے ابو مسعود اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے۔ کہا کہ وہ آزاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو اسے آزاد نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ تجھ کو سزا دے دیتے۔ غلام کو آزاد کرنے پر بڑے اجر اور ثواب کا وعدہ ہے کہ غلام کے ایک ایک عضو کے عوض آزاد کرنے والے کے تمام اعضاء جہنم سے آزاد ہوں گے۔ اسی طرح کفارۂ قتل کے ساتھ ساتھ کفارات میں مطلق تحریر رقبہ کا ذکر ہے کہ کسی نہ کسی بہانے سے غلام کو آزاد کیا جائے۔ جیسا کہ کفارۂ یمین، کفارۂ ظہار وغیرہ۔ اسلام کسی کو قید میں رکھنا نہیں چاہتا، لیکن فوری طور پر چھوڑ دینے کا بھی روادار نہیں ہے۔ آج کل سرمایہ دار لوگ نوکروں سے غلاموں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں۔ بعض دفعہ نوکر سید ہوتا ہے اور مالک کا نسب بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا، لیکن اس سید پر طرح طرح کے ظلم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں۔ آج غریب ملازم چاہتے ہیں کہ ان سے وہی سلوک کیا جائے جو غلاموں سے کیا جاتا تھا اور ان کو وہ حقوق دیے جائیں جو غلاموں کو دیے جاتے تھے، لیکن آج ایسا کب ممکن ہے؟

بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

جو اللہ نے ‏ انہیں اپنے فضل سے ‏ جو دیا ہے ‏ اسے چھپاتے ہیں ‏ اور ہم نے ‏ کافروں کے لئے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا

ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۝ اور جو لوگ ‏ اپنے مالوں کو ‏ لوگوں کے دکھانے کو ‏ خرچ کرتے ہیں ‏ اور

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ

اللہ پر ‏ اور قیامت کے دن پر ‏ ایمان نہیں لاتے ‏ اور جس کا ‏ شیطان ساتھی ہوا ‏ تو وہ بہت برا

قَرِيْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا

ساتھی ہے ۝ اور ان کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے تو

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ

کیا نقصان تھا ‏ اور اللہ انہیں خوب جانتا ہے ۝ ‏ بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک ذرہ برابر بھی حق نہیں رکھتا ‏ اور اگر

تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا

نیکی ہو ‏ تو اس کو دگنا کر دیتا ہے ‏ اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے ۝ ‏ پھر کیا ‏ حال ہوگا

مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ

جب ہم ‏ ہر امت میں سے ‏ گواہ بلائیں گے ‏ اور تمہیں ‏ ان پر ‏ گواہ کر کے لائیں گے ۝ ‏ جس

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ

لوگوں نے ‏ کفر کیا تھا ‏ اور رسول کی نافرمانی کی تھی وہ اس دن آرزو کریں گے کہ زمین کے برابر ہو جائیں ‏ اور اللہ سے کوئی بات

اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝

نہ چھپا سکیں گے ۝

افاداتِ محمود:

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا الخ

پہلے تو انکار کریں گے کہ "ما کنا من المشرکین" کہ ہم دنیا میں مشرک نہ تھے۔ لیکن بعد میں رہ جائیں گے اور انکار نہ کر سکیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا

اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا وہ بتوں اور شیطانوں کو مانتے ہیں اور کافروں سے کہتے ہیں کہ

هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۗ وَ

یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ سیدھے راستہ پر ہیں ۝ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور

مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا

جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کا کوئی مددگار نہیں پائے گا ۝ کیا سلطنت میں ان کا بھی کچھ حصہ ہے پھر تو

لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

لوگوں کو ایک تل برابر بھی نہیں دیتے ۝ یا لوگوں پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو دیا ہے

مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝

فضل سے دیا ہے ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے اور ان کو ہم نے بڑی بادشاہی دی ہے ۝

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝ اِنَّ

پھر ان میں سے کوئی اس پر ایمان لایا اور کوئی اس سے ہٹ گیا اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے ۝ بے شک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا انہیں ہم آگ میں ڈال دیں گے جس وقت ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کو

جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَالَّذِيْنَ

اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے ۝ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا

ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنے سایہ میں داخل

ہیں۔ غزوہ خیبر میں حضرت صفیہؓ کو قیدیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا تھا اور اسی سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

(۴) حضرت عکرمہؓ سے بالتفصیل منقول ہے کہ جبت سے مراد حیی ابن اخطب اور طاغوت سے مراد کعب ابن اشرف ہے۔

(۵) حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "الطاغوت معبود من دون اللہ" اس میں بت اور مجاور سب ہی آ جاتے ہیں اور قرآن کریم کی متعدد آیات اس توجیہ کی تائید کرتی ہیں۔

(۱) وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ الخ (سورہ زمر ۱۷)

اور جو لوگ کنارہ کش رہے شیطانوں کو پوجنے سے اور رجوع کیا اللہ کی طرف۔

(۲) وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ الخ ٥ (سورہ بقرہ ۲۵۷)

اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں۔

(۳) ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت الخ ٥

یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

شانِ نزول:

مذکورہ بالا آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ غزوہ احد کے بعد کعب ابن اشرف ستر سواروں کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چلا تاکہ وہ اور اس کے ساتھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ سے معاہدہ کر لیں۔ چنانچہ کعب ابن اشرف حضرت ابوسفیانؓ (یہ واقعہ حضرت ابوسفیانؓ کے ایمان لانے سے قبل کا ہے) کے ہاں مہمان کے طور پر ٹھہرا اور دونوں نے خفیہ معاہدہ کر لیا۔ اس وقت حضرت ابوسفیانؓ نے کعب ابن اشرف سے پوچھا کہ

انک امرء تقرء الکتاب وتعلمه ونحن امیون لا نعلم فاینا اهدی سبیلاً واقرب الی الحق فقال کعب انتم والله اهدی سبیلاً مما علیه محمد واصحابه الخ ٥

تو کتاب پڑھنے اور پڑھانے والا شخص ہے اور ہم تو ان پڑھ لوگ ہیں، کچھ نہیں جانتے۔ یہ بتا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم میں سے کون صحیح راستہ پر ہے؟ اور کون حق بات کے زیادہ قریب ہے؟ کعب ابن اشرف نے اپنے دل کو جھٹلاتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم تم سیدھے طریق اور حق پر ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے مقابلے میں۔

پھر قریش کو ساتھ لینے کے لیے ان اہل علم و اہل کتاب یہودیوں نے بت کو سجدہ کیا، باوجودیکہ وہ اہل کتاب

تھے، انھیں خیر سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں مطلق نقیر بیان کیا ہے جو اہل کتاب یہود کی بڑی بہا نریاں اور مشرکین کے ہم پلہ تھیں، ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ نقیراً سے یہ بتانا ہے کہ ملک کے مالک بنیں تو کسی کو ذرا برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔ امام راغب المفردات میں لکھتے ہیں:

"والنقير وقبة في ظهر النواة يضرب به المثل في الشيء الطفيف"

کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو باریک سا پردہ ہوتا ہے اس کو "نقیر" کہا جاتا ہے اور کسی چیز کی نا چیزی کو بیان کرنے کے لیے بطور مثال اس کو تعبیر کرتے ہیں اور گٹھلی کی شگاف میں جو دھاگہ سا ہوتا ہے اسے فتیل کہا جاتا ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں۔

والفتيل المفتول وسمي ما يكون في شق النواة فتيلاً لكونه على هيئته الخ (المفردات)

یعنی فتیل بمعنی مفتول ہے (بٹی ہوئی چیز کو کہتے ہیں) اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو تنکی سی ہوتی ہے اسے بھی فتیل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بٹے ہوئے دھاگے کی طرح ہوتی ہے۔

مدینہ منورہ میں چونکہ کھجوریں زیادہ ہوتی تھیں اس وجہ سے یہ مثال دی گئی ہے۔ مراد "الشيء الحقير" ہے۔ بدن کے میل کچیل کو بھی فتیل کہا جاتا ہے کیونکہ بدن ملنے کے بعد میل دھاگے کی طرح ہو جاتی ہے۔

جبت اور طاغوت کی تفسیر پر اشکال اور اس کا جواب

اگر جبت اور طاغوت سے مراد "معبود من دون اللہ" ہیں تو اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی داخل ہیں، تو اس سے انبیاء کی مذمت لازم آتی ہے؟ جواب (۱) اس کا یہ ہے کہ آیت میں تو جبت و طاغوت کا ذکر ہے جس میں انبیاء داخل نہیں ہیں۔ (۲) اصل بات یہ ہے کہ اس نوعیت کی آیات کے عموم سے حضرات انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہوں گے۔ جیسے کہ قرآن کریم میں بشر اور انسان دو لفظ استعمال ہوتے ہیں اور پھر ان دونوں لفظوں کے ذریعہ سے مختلف غلطیوں اور کمزوریوں کی نسبت کی گئی ہے۔ کہیں انسان کو ظلوم کہا جاتا ہے تو کہیں ناشکرا۔ اسی طرح لفظ ناس ہے۔ جب مطلق ناس اور انسان کے اعمال کی مذمت کی جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام ان الفاظ کے عموم سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں بمعنی لغوی کے قطع نظر بشر، انسان اور ناس کا اطلاق انبیاء اور غیر انبیاء مسلم اور غیر مسلم سب ہی پر ہوتا ہے۔ لہٰذا ذم کے وقت حضرات انبیاء ایسے الفاظ کے عموم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ کیونکہ شیطان کی جب پرستش کی جاتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور حضرات انبیاء تو غیر اللہ کی عبادت سے منع کرنے کے لیے اور ایک اللہ کی عبادت اور بندگی کی ترغیب دینے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ الخ

اس آیت کا شان نزول اکثر مفسرین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ فتح مکہ کے دن جب لوگ مطمئن ہو گئے اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہونا چاہا تو عثمان ابن طلحہ نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ جب اس سے زبردستی چابی حاصل کی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہو گئے اور دیکھا کہ لکڑی کا کبوتر بنا ہوا ہے اس کو توڑ دیا اور حضرت ابراہیمؑ کی تصویر دیکھی کہ ہاتھ میں تیر ہے اور اس کے ذریعہ تقسیم کرتے نظر آ رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کے لیے ہلاکت ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کا ان بیہودہ باتوں سے کیا واسطہ۔ پھر مقام ابراہیم ساتھ لے کر باہر گئے اور اس کو دیوار کعبہ کے ساتھ لگایا۔ پھر کچھ ہدایات ارشاد فرمائیں۔ حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ نے حضورؐ سے بیت اللہ کی چابی مانگی۔ وہ چاہتے تھے کہ سقایہ کی خدمت کے ساتھ حجابت کی خدمت بھی انہیں سونپی جائے تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لاتے ہوئے اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے حالانکہ یہ آیت میں نے اس سے قبل آپ سے نہیں سنی تھی۔

آپؐ نے عثمان اور شیبہ دونوں کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ یہ چابی لو "خالدۃ تالدۃ" ہمیشہ ہمیشہ یہ چابی آپ لوگوں کے خاندان میں رہے گی۔ اس سے قبل بھی ایک طویل عرصہ سے یہ چابی ان لوگوں کے خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ بہرحال شان نزول جو بھی ہو لیکن امانات سے مراد تمام امانات ہیں جس میں فرائض اور واجبات سب داخل ہیں وہ خواہ از قبیل مالی ہوں۔ جیسے زکوٰۃ صدقات وغیرہ یا از قبیل بدنی عبادت ہوں جیسے نماز روزہ وغیرہ یا مشترک ہوں یعنی از قبیل مالی اور بدنی عبادت جیسے حج وغیرہ۔ آیت کا حکم تمام فرائض کے بارے میں عام ہے۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادّ الامانة الی من ائتمنک ولا تخن من خانک

جس نے تمہارے پاس امانت رکھی ہے وہ اس کو دو اور جس نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہو اس کے ساتھ خیانت نہ کرنا۔

معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں امانات سے مراد جمیع حقوق ہیں۔

ای ان اللہ یامرکم باداء الحقوق باسرھا فحق الزوجة علی الزوج النفقة وحسن الصحبة وکذالک حق الزوج علی الزوجة ان تکون امینة فی نفسھا ومالہ وحق الوالدین علی الاولاد وحق الاولاد علی الوالدین وغیرہ الخ

مذکورہ آیت میں امانات سے مراد تمام حقوق ہیں۔ جیسے کہ بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ اس کے نان نفقہ کا انتظام کرے اور حسن معاشرت رکھے اور شوہر کا حق بیوی کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور شوہر کے مال میں خیانت کا ارتکاب نہ کرے۔ اسی طرح والدین کے حقوق اولاد کے ذمہ اور اولاد کے حقوق والدین کے ذمہ ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اسے چاہیے کہ

کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا حکمران اگر اسلامی اصولوں کے موافق کوئی حکم دیں تو مان لینا چاہیے اور ضرور کرنا چاہیے اور اگر کوئی حکم ایسا ہے جس کے موافق یا مخالف شریعت ہونے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں اور ان سے مستنبط ضابطوں کی روشنی میں اس امر کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

ابن مسعودؓ سے میراث کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں وہی فیصلہ کروں گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ اگر ایسا نہ کروں تو ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ ہوں گا۔ اس مسئلہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر کی وفات کے بعد پیغمبرؑ کے اصولوں کے مطابق فیصلہ کرنا، یہ پیغمبر کا ہی فیصلہ ہے اور اگر ایسا فیصلہ نہ کیا جائے تو موجب ضلالت ہے۔

قرآن کو چھوڑ کر اس کے مقابل کسی قانون پر عمل کرنا کفر ہے:

علامہ آلوسی صاحب روح المعانی نے مفصل تحریر فرمایا ہے کہ قرآن اور اسلام کے مقابل اور متضاد قانون پر عمل کرنا صریح کفر ہے اور ایسے قوانین بنانا بھی کفر ہے۔ تفصیل کے لیے روح المعانی سے مراجعت فرمائیں۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ الخ

یہود اور منافقین کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم ان لوگوں کو جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالنے کا حکم دیتے تو انھیں اس حکم کو بھی پورا کرنا چاہیے تھا، کیونکہ جان بھی تو اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔ یا اگر جلاوطنی کا حکم دیا جاتا تو بھی ان پر لازم تھا کہ اس پر عمل کریں، لیکن ہلکے اور آسان احکام دیے گئے ہیں، مگر ان کی حالت یہ ہے کہ ان سے بھی انحراف اور روگردانی کی جا رہی ہے۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا الخ

نبی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا اور فرستادہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بواسطہ یا بلاواسطہ ہم کلام ہوتا ہے۔ صدیق کا دل ہی چاہتا ہے کہ وہ نبی کی ہر بات کی تصدیق کرے اور شہید اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور صالح اپنے ظاہر و باطن کو ظاہری اور باطنی آلائشوں سے صاف رکھتا ہے۔ ان چاروں کی رفاقت جو اس آیت میں مذکور ہے، یہ قیامت تک رہے گی۔ یعنی ایسے افراد قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے جو اس آیت کا مصداق ہوں گے۔ ہاں نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا لیکن نبوت کے عطا کیے ہوئے اصول دین اور نبی کی احادیث باقی ہیں۔ اور دیگر صدیق و شہداء قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا

شیطان کا فریب کمزور ہے ○

افادات محمود:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ الخ

اس رکوع میں جہاد کا ذکر ہے۔ پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ذکر تھا۔ پھر انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کی رفاقت کا ذکر تھا۔ شہید تو آدمی جہاد میں جانے کے بعد بنتا ہے، لیکن منافقین جہاد کا نام سن کر ہی کانپتے تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی جماعتیں ذکر فرمائیں۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ یہاں محرکات قتال دو چیزیں ہیں۔ غلبہ اسلام ضعیف اور کمزور مسلمانوں کو زبردست اور زوردار کفار سے چھڑانا۔ ایمان والوں کا قتال اسی نیت سے ہونا چاہیے کہ دین اسلام غالب ہو اور ضعیف و کمزور لوگوں کو کفار کے ظالمانہ چنگل سے آزادی نصیب ہو۔ چنانچہ محمد ابن قاسم رحمہ اللہ نے سندھ پر جو حملہ کیا تھا وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ راجہ داہر نے مسلمانوں کی ایک کشتی قبضہ میں لے لی تھی۔ اس میں خواتین بھی تھیں۔ انہوں نے حجاج ابن یوسف ثقفی کے نام خط لکھا کہ معلوم نہیں حجاج مر گیا ہے یا اس کے بدن کا وہ گرم خون جو غیرت کی وجہ سے جوش مارتا تھا ٹھنڈا ہو گیا ہے یا اس کی غیرت جواب دے گئی ہے۔ جب یہ خط حجاج کے پاس پہنچا تو اس نے محمد ابن قاسم کو بلایا۔ یہ اس کا بھتیجا بھی تھا اور داماد بھی۔ [illegible] برس اس کی عمر تھی۔ اس سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ اس نے بغداد میں تقریر کر کے فوج تشکیل کی اور پھر تمام فوج چل پڑی اور قتال کرتے کرتے ملتان تک پہنچ گئے۔ راجہ داہر ان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ جس بستی میں اس کی بیوی رہتی تھی، اس پر جب قبضہ ہونے لگا تو اس نے اپنے آپ کو اور اپنی حاشیہ نشین تمام لونڈیوں کو آگ سے جلوا دیا کہ مجھ کو کوئی پکڑ نہ سکے۔ جنگ کے اختتام پر حجاج ابن یوسف نے کہا تھا و محاسن الفاظ راجع کنا فلو نارو راسی داھر یعنی ہم نے ساتھی ... کا قلع قمع کیا۔ انتقام لے لیا اور راجہ داہر کا سر بھی اپنے قبضہ میں لے لیا۔ بہر حال مظلوم اور مغلوب لوگ یہ دعا کرتے تھے کہ ہمیں ظلم سے نجات مل جائے اور مسلمان ان مظلوموں کا خیال کرتے تھے لیکن آج ہماری امت کا جشن منایا جا رہا ہے مظلوم اور بے سہارا لوگوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ ان کی غیرت بھی جواب دے گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ اگر مسلمانوں کی آپس میں لڑائی ہو تو اس میں شرکت سے تامل تو ہو سکتا ہے جیسے جنگ جمل اور صفین وغیرہ میں ہوا لیکن جہاں کفر کے خلاف جنگ ہو تو مسلمانوں کا قتال یقیناً سبیل اللہ ہوگا۔ اس میں کوئی تامل نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو پھر جب انہیں لڑنے کا حکم دیا گیا اسی وقت ان میں سے

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

ایک جماعت لوگوں سے ایسے ڈرنے لگی جیسا اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے رب تو نے

عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ

ہم پر لڑائی کیوں فرض کیا کیوں نہ ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دی ان سے کہہ دو دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا

اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے اور ایک دھاگے برابر بھی تم سے بے انصافی نہیں کی جائے گی ○ تم جہاں کہیں ہو گے

يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا

موت تمہیں آ ہی پکڑے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو اور اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ

یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝

کہہ دے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات اس طرح سمجھتے نہیں ہیں ○

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے

نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مَنْ يُّطِعِ

نفس کی طرف سے ہے ہم نے تجھے لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے ○ جس نے

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ وَ

رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ○ اور

يَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ

کہتے ہیں قبول کیا پھر جب تیرے پاس سے باہر گئے تو ان میں سے ایک گروہ رات کو تجویز ہوکر تمہاری باتوں کے خلاف

الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

مشورہ کرتا ہے اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں سو تو ان کی پروا نہ کر اور اللہ پر بھروسہ کر

وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ

اور اللہ کارساز کافی ہے ۝ کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ قرآن

غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ

سوائے اللہ کے کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے ۝ اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن

أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ

یا ڈر کی پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

اس کی تحقیق کرتے جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ

البتہ تم شیطان کے پیچھے ہو لیتے سوائے چند لوگوں کے ۝ سو تو اللہ کی راہ میں لڑ تو سوائے اپنی جان کے کسی کے ذمہ دار نہیں

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ

اور مسلمانوں کو تاکید کر قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی بند کر دے اور خدا لڑائی میں

بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ۝ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا

بہت سخت ہے اور سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے جو شخص نیک بات میں سفارش کرے تو اس کو بھی اس میں سے ایک حصہ ملے گا

وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

اور جو کوئی بری بات میں سفارش کرے اس پر بھی اس میں سے ایک بوجھ ہوگا اور اللہ ہر چیز پر

مُقِيتًا ۝ وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ

قدرت رکھنے والا ہے ۝ اور جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم اس سے بہتر دعا دو یا الٹ کر وہی کہو بے شک اللہ

فَمَا لَكُمْ فِي

پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ

الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا

منافقوں کے معاملہ میں دو گروہ ہو رہے ہو اور اللہ نے انہیں الٹ دیا ان کے اعمال کے سبب سے کیا تم چاہتے ہو کہ

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ

جسے اللہ نے گمراہ کیا اسے راہ پر لاؤ اور جسے اللہ گمراہ کرے تو اس کے لئے ہرگز کوئی راہ نہیں پائے گا ۝ وہ تو چاہتے ہیں کہ

تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى

جیسے وہ کافر ہوئے ہیں تم بھی کافر ہو جاؤ پھر تم سب برابر ہو جاؤ سو ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک کہ

يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آجائیں پھر اگر وہ اس بات کو قبول نہ کریں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو

وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار ۝ مگر وہ لوگ جو ایسی قوم سے جا ملتے ہیں کہ

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ

جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو یا وہ تمہارے پاس آتے ہیں ان کے دل لڑائی سے رکے ہوئے ہیں کہ تم سے لڑیں

يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ

یا اپنی قوم سے اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑتے سو اگر وہ تم سے یکسو رہیں

فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہیں دی ۝

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا

ایک اور قسم کے لوگ تم پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی وہ

اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا

فساد کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں گر پڑتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں اور تمہارے آگے صلح پیش نہ کریں

أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ

اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں جہاں پاؤ پکڑو اور مار ڈالو اور ان پر ہاتھ اٹھانے کے لئے

عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾

ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے ۞

افاداتِ محمود:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ الخ اس آیت کے شانِ نزول میں ایک بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اُحد کی طرف تشریف لے گئے تھے تو کچھ لوگ آپ کے ساتھ وہاں گئے تھے لیکن جنگ سے پہلے ہی گھروں کو واپس چلے گئے تو صحابہ کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کرنا چاہیے اور دوسری جماعت کی رائے یہ تھی کہ قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ آیت اس کے متعلق اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

انها طيبة وانها تنفي الخبث كما ينفي الكير خبث الحديد الخ (متفق)

بے شک مدینہ پاکیزہ ہے وہ غلط لوگوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسے کہ بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے۔

اور دوسری بات اس آیت کے شانِ نزول میں حافظ ابن کثیرؒ نے یہ نقل فرمائی ہے کہ مکہ مکرمہ سے کچھ لوگ اپنے کسی کام کے سلسلے میں نکل کھڑے ہوئے اور کہا کہ اگر ہماری ملاقات کہیں مسلمانوں سے ہو گئی تو ہمیں ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ اب جب مسلمانوں کو ان کے نکلنے کی اطلاع ملی تو بعض صحابہ کہنے لگے کہ یہ لوگ اگر ہمارے دشمنوں سے مل گئے تو ہمارے خلاف ان کی مدد کریں گے، لہٰذا ان کو قتل کرنا چاہیے۔ دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ جب وہ لوگ ایمان ظاہر کرتے ہیں۔ صرف یہ ہے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اپنا گھر بار نہیں چھوڑا لیکن زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں تو ہم ان کا خون حلال نہیں سمجھتے، لہٰذا ان کو قتل نہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ منافقوں کا آپ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، نہ ہی وہ آپ کے خیر خواہ ہیں لہٰذا ایک ہی رائے پر سب کو قائم رہنا چاہیے اور اختلاف نہ کرنا چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ لوگ مکہ میں تھے اور کہتے تھے کہ ان ظهر محمد عرفنا وان ظهر قومنا فهو احسن یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ گئے تو بھی ہمیں پہچان جائیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو یہ بہت ہی اچھا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ

اور مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ

اور جو مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو ایک مسلمان کی گردن آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا

أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

ادا کرے مگر یہ کہ وہ خون بہا صدقہ کر دیں پھر اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے ہو جس سے تمہاری دشمنی ہے

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ

تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ مقتول مسلمان کسی ایسی قوم میں سے ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہے

فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

تو اس کے وارثوں کو خون بہا ادا کیا جائے گا اور ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا پھر جو نہ پائے تو مسلسل دو

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

مہینے کے روزے رکھے اللہ سے گناہ بخشوانے کے لئے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ○

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ

اور جو شخص کسی مسلمان کو جان کر قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر

اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے ○ اے ایمان والو

إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ

جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور نہ کہو اس کو جو تم کو سلام کرے

السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ

تو مسلمان نہیں ہے تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو سو اللہ کے یہاں

كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

بہت غنیمتیں ہیں تم بھی تو اس سے پہلے ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا لہٰذا تحقیق سے کام لیا کرو بیشک اللہ

وغیرہ دینے لگو تو شیاء اور حلل دیت میں دینے سے انکار کیا ہے۔ ان چیزوں کی دیت میں دینا درست نہیں۔ البتہ ابل (اونٹ)، ذہب (سونا) اور فضہ (چاندی) دینا درست ہے۔

دیت میں دیے جانے والے اونٹوں کی تقسیم:

اس معاملے میں موجودہ کرنسی کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اونٹوں کی قیمت براہ راست وقت معتبر ہیں۔ دیت میں جو اونٹ دیے جائیں گے ان کی عمریں درج ذیل حدیث سے ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

وعن خشف بن مالک عن ابن مسعودؓ قال قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دیۃ الخطاء عشرین بنت مخاض وعشرین ابن مخاض ذکور وعشرین بنت لبون وعشرین جذعۃ وعشرین حقۃ ([illegible])

حضرت خشف ابن مالکؒ ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ قتل خطا کی دیت کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تھا کہ (سو میں سے) (۲۰) بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو دوسرے سال میں لگی ہوں اور ۲۰ اونٹ نر جو دوسرے سال میں لگے ہوں اور (۲۰) بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو تیسرے سال میں لگی ہوں اور (۲۰) بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں سال میں لگی ہوں اور (۲۰) بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو چوتھے سال میں لگی ہوں۔ یہ روایت امام ابو حنیفہؒ کی حجت اور دلیل ہے کہ دیت کی تقسیم پانچ حصوں میں ہے اور مختلف عمروں کے بیس بیس اونٹ جمع کر کے سو کی تعداد پوری کی جاتی ہے۔ یہی مذہب ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا۔ ایک اور روایت بھی دیت سے متعلق ہے لیکن فقہاء میں سے کسی نے اس پر اپنے مسلک کی بنیاد نہیں رکھی۔ وہ روایت یہ ہے۔

وفیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی ان من قتل خطاء فدیتہ مائۃ من الابل ثلاثون بنت مخاض وثلاثون بنت لبون وثلاثون حقۃ وعشر بنی لبون الخ

اس (روایت) میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطاء کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کی دیت سو اونٹ ہوں گے۔ تیس بنت مخاض (وہ اونٹنیاں جو دوسرے سال میں لگی ہوں) اور تیس (۳۰) بنت لبون (وہ اونٹنیاں جو تیسرے سال میں لگی ہوں) اور تیس (۳۰) حقے (وہ اونٹ یا اونٹنیاں جو چوتھے برس میں لگی ہوں) اور دس (۱۰) بنی لبون (وہ اونٹ جو تیسرے سال میں لگے ہوں)۔

دیت سے متعلق دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دیت کن لوگوں پر واجب ہے۔ اس پر اجماع ہے کہ دیت عاقلہ پر واجب ہے۔ سب لوگوں پر تقسیم کی جائے گی اور وہ لوگ تین سال میں ادا کریں گے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ دیت زندہ شخص کو قتل کرنے کی وجہ سے واجب ہوگی۔ اس میں چھوٹا اور بڑا برابر ہے۔ لیکن اگر حاملہ عورت کو کسی شخص نے دھکا دے دیا اور اس نے پیٹ پر مکا مارا اور بچہ پیدا ہو کر مر گیا تو فیہ دیۃ

کاملۃ (اس میں بھی کامل دیت واجب ہے)۔ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ عورت کو مارنے یا اس کے پیٹ پر کوئی چیز مارنے سے بچہ اندر ہی اندر فوت ہو گیا اور وہ مردہ پیدا ہوا تو اس صورت میں حدیث ہے غرۃ عبد یعنی ایک غلام دیا جائے گا اور اگر غلام نہ ہو تو امام مالک کے ہاں یا تو پچاس دینار دیئے جائیں گے یا پانچ سو درہم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ایک عبد ہی کا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

عن حمل ابن مالک قال کنت بین جاریتین لی فضربت احداھما بطن صاحبتھا بعمود فسطاط او سطح خیمۃ فالقت جنیناً میتاً فاختصم اولیاءھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال علیہ السلام لاولیاء الضاربۃ فدوہ فقال اخوھا انفدی من لا صاح ولا استھل ولا شرب ولا اکل ودم مثلہ یطل فقال علیہ السلام السجع سجع الکھان قوموا فدوہ

حمل ابن مالک کہتے ہیں کہ میری دو بیویاں تھیں ان میں سے ایک نے دوسری کے پیٹ پر خیمہ کا ستون مارا اور اس نے مرا ہوا بچہ جن دیا تو اس کے اولیاء نے یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی دیت دے دو تو مارنے والی کا بھائی کہنے لگا کہ کیا ہم ایسے (بچے) کی دیت دیں جو نہ تو چلایا اور نہ آواز بلند کی اور نہ کھایا پیا۔ ایسا خون تو رائیگاں ہونا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو کاہنوں والا سجع ہے۔ لیکن اٹھو اور دیت ادا کرو (جو کہ ایک عبد ہے)

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الخ

قتل عمد کی سزا میں جو خلود کا ذکر آیا ہے یا تو اس وجہ سے ہے کہ بہت سے لوگ قتل ناحق کو حلال جانتے ہیں اور یہ کفر ہے۔ کفر کی سزا یہی ہے۔ یعنی جب موت کفر پر آئی ہو تو خلود فی النار ہے۔ جیسے آج کل دشمن کے بھائی کو، باپ کو، بیٹے کو لوگ قتل کر دیتے ہیں اور اس قتل کو وہ حلال سمجھتے ہیں تو یہ صریح کفر ہے۔ بعض مفسرین نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں خلود ہے ابدیت نہیں ہے۔ خلود سے مراد طویل سزا ہے جیسے عمر بھر قید سے مراد صرف ۱۴ سال قید ہے یا قتل کے گناہ کبیرہ ہونے اور جتلانے کے لیے یہ سزا بہم رکھی گئی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ قتل ناحق کتنا بڑا گناہ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ الخ

شان نزول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت فدک کی طرف بھیجی تو جو غیر مسلم تھے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور حضرت مرداس ابن نہیک اکیلے ان میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ اپنے مال و اسباب سمیت ان لوگوں سے

مسلمان ہو گئے تھے جب صحابہ کرام ؓ نے تو وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ رہے تھے لیکن صحابہ کرام یہ سمجھے کہ شاید یہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ لہٰذا حضرت اسامہ بن زید نے ان کو شہید کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ کو بڑا دکھ ہوا کہ ایک مسلمان کو شہید کر دیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آئندہ خیال کیا کرو۔ بلا تحقیق اس طرح کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ جذبات میں آ کر کسی کو قتل نہ کیا کرو۔

"فَتَبَیَّنُوْا" الخ

لیکن دوران سفر اتنی فرصت کہاں ہوتی ہے کہ لوگوں کے متعلق علم نہیں ہو سکتا کہ ان کے عقائد و نظریات کیا ہیں۔ لہٰذا خوب تحقیق و تفتیش کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔ ہم نے جب مجلس کی سطح پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کی کوشش کی تو ہمارے سامنے بھی یہی آیت رکھی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ مرزائی چونکہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، لہٰذا ان کو کافر اور غیر مسلم نہ کہا جائے لیکن یہ انتہائی حماقت کی بات ہے۔ کیونکہ آیت کے الفاظ سے جو مفہوم مراد سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ تم سفر پر ہو اور دوران سفر بعض لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جن کے عقائد کو جاننے اور پرکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن مرزائیوں کی خرافات اور نظریات کو لوگ ۹۰ سال سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی تحقیق و تفتیش میں ہم "فَتَبَیَّنُوْا" سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اب مزید تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔

اس آیت میں قصر فی السفر کو خوف کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے یعنی اگر خوف ہو تو قصر کیا کرو۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر خوف نہ ہو تو قصر نہ کیا جائے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک تو مفہوم مخالف ویسے ہی معتبر نہیں ہے اور یہاں تو کسی کے ہاں بھی شرط کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے، بلکہ اکثریت کے ہاں مطلق قصر ہے، خواہ خوف ہو یا نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مطلق قصر ہی ثابت ہے۔ مسند احمد میں ہے

عن یعلی بن امیہ قال سئلت عمر بن الخطاب قلت له: قوله لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا، وقد امن الناس فقال لی عمر بن الخطاب رضی الله عنه عجبت مما عجبت منه، فسألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذالک فقال: صدقة تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته (ابن کثیر)

حضرت یعلیٰؓ سے روایت ہے کہ میں نے فاروق اعظمؓ سے کہا کہ آیت فلیس علیکم جناح الخ میں قصر من الصلوۃ مشروط ہے خوف کے ساتھ اور اب تو لوگ مامون ہو چکے ہیں (تو قصر کیونکر جائز ہوئی؟)۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ جس بات سے تجھ کو تعجب ہو رہا ہے اس سے مجھ کو بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ تم پر احسان فرمایا ہے لہٰذا اس کا احسان قبول کرو۔ اب قصر تعین ہے اتمام کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ الخ

یہاں صلوۃ خوف کی ایک صورت مذکور ہے۔ یہی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اکثر احادیث میں دوسری صورتیں بھی مذکور ہیں۔

فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ الخ

یہاں اقامت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، حالانکہ صلوۃ کے ساتھ اکثر آیات کا لفظ استعمال ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ خوف کے ہوتے ہوئے اطمینان و سکون کے ساتھ تو نماز نہیں پڑھی جا سکتی لہٰذا اقامت کا لفظ نہ استعمال نہیں کیا گیا۔ یاد رہے کہ صلوۃ خوف جس طرح دشمن کے خوف کی وجہ سے جائز ہے اسی طرح شیر اور اژدھا وغیرہ جانوروں سے نقصان پہنچانے کے اندیشے کی صورت میں بھی جائز ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝

نمازیں اپنے اپنے اوقات میں فرض ہیں۔ حضرت جبریلؑ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک نماز اپنے اپنے وقت میں پڑھائی تھی۔ اب بعض لوگ جمع بین الصلوتین کے علی الاطلاق قائل (یعنی ہر صورت میں دو نمازیں اکٹھی کرنا جائز سمجھتے ہیں) ہیں اور بعض صرف سفر میں قائل ہیں۔ بعض بارش وغیرہ کی صورت میں قائل ہیں، لیکن احناف کے ہاں سوائے عرفات اور مزدلفہ کے جمع بین الصلوتین بالکل جائز نہیں

إِنَّآ أَنزَلْنَآ

بے شک ہم نے

إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن

تیری طرف سچی کتاب اتاری ہے تاکہ تو لوگوں میں انصاف کرے جو کچھ سمجھا دے اللہ اور تو

لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَلَا

بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والا مت ہو اور اللہ سے بخشش مانگ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۝ اور ان

تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا

لوگوں کی طرف سے مت جھگڑ جو اپنے دل میں دغا رکھتے ہیں جو شخص دغاباز گنہگار ہو بے شک خدا اسے پسند

أَثِيمًا ۝ يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ

نہیں کرتا ۝ یہ لوگ انسانوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے حالانکہ وہ اس وقت بھی ان کے

إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ ٱلْقَوْلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝

ساتھ ہوتا ہے جبکہ رات کو چھپ کر اس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور ان کے سارے اعمال پر خدا احاطہ کرنے والا ہے ۝

هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ جَٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَمَن يُجَٰدِلُ ٱللَّهَ

ہاں تم لوگوں نے ان مجرموں کی طرف سے دنیا کی زندگی میں تو جھگڑ لیا پھر قیامت کے دن

عَنْهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا

ان کی طرف سے اللہ سے کون جھگڑے گا یا ان کا وکیل کون ہوگا ۝ اور جو کوئی برا عمل کرے

أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَمَن يَكْسِبْ

یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اس کے بعد اللہ سے بخشوائے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے ۝ اور جو کوئی

إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُۥ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَن يَكْسِبْ

گناہ کرے سو اپنے ہی حق میں کرتا ہے اور خدا سب چیزوں کا جاننے والا حکمت والا ہے ۝ اور جو کوئی خطا یا

خَطِيٓـَٔةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِۦ بَرِيٓـًٔا فَقَدِ ٱحْتَمَلَ بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝

گناہ کرے پھر کسی بے گناہ پر تہمت لگا دے تو اس نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار سر پر لیا ۝

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ

اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تمہیں غلطی میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ

حالانکہ وہ اپنے سوا کسی کو غلطی میں مبتلا نہیں کر سکتے تھے اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے اور اللہ نے

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ

تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تجھے وہ باتیں سکھائی ہیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا

اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ

تجھ پر بہت بڑا فضل ہے ۞ ان لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہاں مگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ کرنے

اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

یا کسی نیک کام کے کرنے یا لوگوں میں صلح کرانے میں کی جائے تو بھلی بات ہے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ

کرے تو ہم اسے بڑا ثواب دیں گے ۞ اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

اس پر سیدھی راہ کھل چکی ہو اور سب مسلمانوں کے راستے کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا ہے

جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا

اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ۞ بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے اور اس کے

دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

سوا جسے چاہے بخش دے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا ۞

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

یہ لوگ اللہ کے سوا عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان سرکش کی عبادت کرتے ہیں ۞

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ

جس پر خدا کی لعنت ہے اور شیطان نے کہا کہ اے اللہ میں تیرے بندوں میں سے مقرر حصہ لوں گا ۞ اور البتہ انہیں ضرور گمراہ کروں گا

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا

اور اللہ سب چیزوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔

افاداتِ محمود:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ الخ

شانِ نزول

ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب زنی کر کے آٹے کا ایک تھیلا اور کچھ اسلحہ چوری کر لیا۔ اتفاق سے تھیلے میں سوراخ تھا سارے راستہ میں آٹا گرتا گیا۔ گھر تک پہنچ کر اس چور نے وہ تھیلا اور اسلحہ وغیرہ ایک یہودی پڑوسی کے پاس بطور امانت رکھوا دیا۔ اب گھر کا مالک جس کی چوری ہوئی تھی، وہ آٹے کی نشانات پر چلتا رہا، یہاں تک کہ چور کے گھر کے پاس پہنچ گیا، لیکن تلاشی کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر آگے آٹا گرنے کے نشانات پر چل پڑا تو سیدھا یہودی کے گھر تک پہنچ گیا اور چوری شدہ مال بھی اس کے گھر سے برآمد ہوا، لیکن ساتھ ہی یہودی قسمیں کھانے لگا کہ یہ میرا مال نہیں ہے، بلکہ ایک مسلمان نے میرے پاس امانت رکھوایا ہے اور ادھر مسلمان نے ٹھان لی کہ اب بہر صورت یہودی کو پھنسانا ہے۔ خود جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہونے اور یہودی کو ملوث کرنے کی سعی نامشکور کی۔ ممکن تھا کہ مسلمان کی ان بے باک قسموں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہودی پر فرد جرم عائد فرما دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی صورت حال سے آگاہ فرما دیا کہ اس مسلمان نے خیانت کی ہے لہٰذا آپ اس کی طرفداری نہ کریں۔

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ الخ کافر لوگ کسی جانور کے کان میں سوراخ کر کے یا کسی عضو کو کاٹ کر بتوں کی تعظیم و تکریم کے لیے بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے۔ نہ اس کو کوئی ہاتھ لگا سکتا تھا نہ اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور نہ ذبح ہو سکتا تھا۔ آج کل بھی بعض جاہل پیر مریدوں کے لیے خاص خاص نشانیاں مقرر کر دیتے ہیں۔ کبھی کان میں سوراخ کرنا، کبھی بال رکھنے کا اور داڑھی منڈوانے کا حکم دیتے ہیں یا کوئی تبدیلی خلق اللہ کرتے ہیں۔ یہ سب حرام ہیں۔

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا

اور تمہیں بھی یہ حکم دیا ہے کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر ناشکری کرو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ بے پروا تعریف کیا ہوا ہے اور اللہ ہی کا ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ کافی ہے کارساز اگر چاہے تو

اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ

اے لوگو تمہیں لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے جو شخص

يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو اللہ کے ہاں دنیا اور آخرت کا ثواب ہے اور اللہ

سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝

سننے والا دیکھنے والا ہے

افادات محمود:

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ

اگر کوئی لڑکی یتیم ہوتی اور چچازاد بھائی وغیرہ اس کے سرپرست ہوتے تو بہت سے لوگ اس یتیم پر ظلم کرتے تھے۔ میراث عورتوں کو نہ دیتے تھے۔ یہ خیال کرتے تھے کہ میراث ان مردوں کا حق ہے جو دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر ہوتے ہیں۔ یتیم لڑکیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوتا تھا کہ ان کے مال پر قبضہ کی وجہ سے ان سے شادی رچا لیتے تاکہ تمام حقوق غائب۔ اس صورت میں لوگوں پر یہ پابندی لگا دی گئی کہ یتیم لڑکی سے خود نکاح نہ کریں بلکہ کسی اور شخص سے ان کا نکاح کرا دیں۔ چنانچہ ایسا ہونے لگا تو بعد میں تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسا کرنا مناسب نہیں کیونکہ اپنے یتیموں سے ہر شخص سے اچھے واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا بعض صحابہ کرام نے یہ بات پوچھی کہ اگر یتیم لڑکی کے تمام حقوق کا خیال کرتے ہوئے ہم اس سے شادی کر لیں تو کیا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اجازت مرحمت فرمادی کہ یتیم لڑکی کے حقوق کا اہتمام مکمل طور پر کرتے ہوئے اس سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

تم پر قرآن میں حکم اتار چکا کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار اور مذاق ہوتا ہو

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ

ان کا تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوں ورنہ تم بھی

اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ

انہیں جیسے ہو جاؤ گے اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک ہی جگہ

جَمِيْعَا ۝ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا

اکٹھا کرنے والا ہے ○ وہ منافق جو تمہارے متعلق انتظار کرتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ہو تو کہتے ہیں

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ

کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو کہتے ہیں کیا ہم غالب نہ

عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ

آ گئے تھے تم پر اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا نہیں لیا سو اللہ تمہارا اور ان کا قیامت میں

الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝ اِنَّ

فیصلہ کرے گا اور (وہاں) اللہ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہرگز غالب نہیں کرے گا ○

الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا

منافق اللہ کو فریب دیتے ہیں اور وہی ان کو فریب دے گا اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر

كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ

کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں ○ کفر اور ایمان کے

بَيْنَ ذٰلِكَ ڰ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ

درمیان لٹکے ہوئے ہیں نہ پورے اس طرف ہیں اور نہ پورے اس طرف اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اس کے واسطے

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ

ہرگز کوئی راہ نہ پائے گا ○ اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا

بھاتا نہیں اللہ کو کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو اور ہے اللہ سننے والا

عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

جاننے والا اگر تم کھلم کھلا کرو کوئی بھلائی یا اس کو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو تو اللہ بھی

عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ

معاف کرنے والا قدرت والا ہے بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں اور چاہتے

اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ

ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں

وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ

اور چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے درمیان ایک راہ نکالیں ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں

وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ

اور ہم نے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسولوں پر

وَ لَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ كَانَ

اور ان میں سے کسی کو جدا نہیں کیا ان لوگوں کو اللہ عنقریب ان کا ثواب دے گا اور

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ع

افادات محمود

اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ

احسان عام ہو یا احسان خاص پوشیدہ طور پر ہو یا اعلانیہ برائیوں سے درگزر کرتے ہوئے تم اس کو دیتے جاؤ [illegible]

يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ

اہل کتاب تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو ان پر اتار لاوے لکھی ہوئی

السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

کتاب آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بڑی چیز اور کہا ہم کو دکھلا دے اللہ کو بالکل سامنے

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

سو آ پڑی ان پر بجلی ان کے ظلم کے باعث پھر بنا لیا بچھڑے کو بہت کچھ نشانیاں پہنچ چکنے کے بعد

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

پہنچ چکنے کے بعد پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ صریح

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور اٹھایا ہم نے ان پر پہاڑ ان سے عہد لینے کو اور کہا ہم نے ان کو داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے

وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

اور کہا ہم نے ان کو کہ زیادتی نہ کرو ہفتہ کے دن میں اور لیا ہم نے ان سے عہد پکا

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

ان کو جو سزا ملی سو ان کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق

حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے مہر کر دی ان کے دلوں پر کفر کے سبب سے سو ایمان نہیں لاتے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ

مگر کم اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر اور ان کے اس کہنے پر

اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا

کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ

صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ

سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں وہ بیشک شک میں

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا

ہم نے تیری طرف وحی بھیجی جیسی وحی بھیجی نوحؑ پر اور ان نبیوں پر جو اس کے بعد آئے اور

إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد اور عیسیٰؑ

وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ۞

اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ پر وحی بھیجی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی ۞

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ

اور ایسے رسول بھیجے جن کا حال اس سے پہلے ہم تمہیں سنا چکے ہیں اور ایسے رسول جن کا ہم نے تم سے بیان نہیں کیا

وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۞ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ

اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام فرمایا ۞ ہم نے پیغمبر بھیجے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ لوگوں کا

عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۞ لَّٰكِنِ اللَّهُ

اللہ پر پیغمبروں کے بعد الزام نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۞ لیکن اللہ

يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ

اس پر شاہد ہے جو تجھ پر نازل کیا کہ اسے اپنے علم سے نازل کیا اور فرشتے بھی گواہ ہیں

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۞ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ

اور اللہ گواہی دینے والا کافی ہے ۞ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کی راہ سے روکا

قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ۞ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ

وہ بہک کر دور کی گمراہی میں جا پڑے ۞ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کیا اللہ ان کو کبھی نہیں

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۞ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ

بخشے گا اور نہ ان کو سیدھی راہ دکھائے گا ۞ مگر دوزخ کی راہ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۞ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ

اور اللہ پر یہ آسان ہے ۞ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ٹھیک بات لے کر

مِّن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

رسول آپ کا سو ایمان لاؤ تاکہ تمہارا بھلا ہو اور اگر انکار کرو گے تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ

اور زمین میں ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ۝ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں حد سے نہ نکلو

وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اور اللہ کی شان میں سوائے پکی بات کے نہ کہو بیشک مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا

رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ

اللہ کا رسول ہے اور اللہ کا ایک کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہے سو اللہ پر

وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ

اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑ دو تمہارے لیے بہتر ہوگا بیشک اللہ اکیلا معبود ہے

سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ

وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ

بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا

کارساز کافی ہے ۝ مسیح خدا کا بندہ بننے سے ہرگز عار نہیں کرے گا اور نہ

الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

مقرب فرشتے اور جو کوئی اس کی بندگی سے انکار کرے گا اور تکبر کرے گا پھر ان سب کو

إِلَيْهِ جَمِيعًا ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ

اپنی طرف اکٹھا کرے گا ۝ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کیے ہوں گے انہیں پورا ان کا ثواب دے گا

وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ

اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے انکار کیا اور تکبر کیا انہیں دردناک

عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝

عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنے واسطے کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے ۝

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک واضح روشنی

مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ

اتاری ہے۔ سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کو مضبوط پکڑا انہیں اللہ اپنی رحمت اور اپنے

مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ

فضل میں داخل کرے گا اور اپنے تک ان کو سیدھا راستہ دکھائے گا ۝ تجھ سے حکم دریافت کرتے ہیں، کہہ دے

اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ

اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ

تو بہن کے لئے ترکہ کا نصف ہے اور وہ شخص اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر

كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا

دو بہنیں ہوں تو انہیں کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد

وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ

اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا اللہ تم سے اس لئے بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۝

افاداتِ محمود:

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا الخ ہم نے برہان بھیجا اور ساتھ ہی ایک نور (قرآن کریم) بھی بھیجا۔ برہان سے مراد از روئے تفسیر ابن عباسؓ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہیں کیونکہ آپ کے کریمانہ اخلاق، معجزات، نزول وحی وغیرہ آپ کی ذات میں یہ ساری چیزیں جمع ہیں۔ لہٰذا آپؐ مجسمہ برہان ہیں۔

نور سے مراد قرآن کریم ہے جیسا کہ آگے سورۂ مائدہ آیت ۱۵ میں ہے۔ اگر نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک مراد لی جائے تب بھی درست ہے لیکن اس معنی میں جو بشریت اور جسمیت کی منافی ہو کیونکہ نور کی ضد ظلمت ہے جسم نہیں ہے اور بشر کی ضد و مقابل ملائکہ و جن ہیں۔ لہٰذا نور کو بشریت کے مقابل سمجھنا یا نور کو بشریت

کے منافی سمجھنا جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ نور اور ظلمت ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن نور کا تقابل بشریت سے یا تحت کا مقابلہ فوقیت سے کرنا غلط ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ عقلی و نقلی دونوں کے خلاف ہے۔ دیوبندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور تو مانتے ہیں لیکن نور کو بشریت کے منافی نہیں سمجھتے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو من وجہ نور مانتے ہیں اور من وجہ بشر مانتے ہیں۔ کیونکہ بشریت اور نورانیت میں کوئی تضاد نہیں۔ دونوں ایک ذات و محل واحد میں جمع ہو سکتے ہیں۔

چند امور کا ایک اصول یہ ہے جو کہ ایک حدیث کا بھی مفہوم ہے کہ جب تمہیں دنیا کی چیزوں اور آسائش کا خیال و دل میں پیدا ہو جائے تو اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھو جو غربا اور مساکین ہیں تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو اور جب اپنے نیک اعمال تمہیں زیادہ نظر آنے لگیں اور ان پر فخر و نخوت کا اندیشہ ہو تو جو لوگ تم سے دین کے اعتبار سے اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے آگے ہیں ان کی طرف دھیان رکھو اور اپنے اعمال کو کم سمجھو۔ تقویٰ زہد اور دیگر اعمال صالحہ میں اضافہ کرو۔

تتمہ سورۃ نساء اور چند اہم اصول

باپ، بیٹے، حقیقی چچا، حقیقی ماموں اور بھائی کی طرح رضاعی چچا وغیرہ سے بھی شرعاً پردہ نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور کے گھر میں داخل ہونے لگے تو حضرت عائشہؓ نے منع فرمایا وہ شخص کہنے لگا کہ آپ نے بچپن میں میری بھابھی کا دودھ پیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا واقعی وہ شخص میرا چچا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ آپ کا رضاعی چچا ہے۔ لہٰذا اس سے پردہ ضروری نہیں ہے۔

محرمات کے حوالے سے حضرت مولانا صدیقؒ نے یہ کلیہ بیان فرمایا۔

نکاح البنات تحریم الامہات

دخول الامہات تحریم البنات۔

یعنی کسی لڑکی سے محض نکاح ہو جانے سے لڑکی کی ماں لڑکی کے زوج پر حرام ہو جاتی ہے۔ اگرچہ خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو اور اگر کسی عورت سے کسی نے نکاح کر لیا تو اس عورت کی بیٹیاں جو دوسرے شوہر سے ہیں زوج ثانی کے لیے اس وقت تک حرام نہ ہوں گی جب تک اس عورت سے دخول و مباشرت نہ ہو۔ محض نکاح سے حرام نہ ہوں گی۔ اگر بغیر مباشرت بیوی کو طلاق دے دی تو اس عورت کی مذکورہ بالا بچیوں سے نکاح درست ہے۔

نکاح الاختین دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بنص قرآن حرام اور ناجائز ہے۔ اگر پیدائشی طور پر دونوں کے جسم ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں تو تحقیق کریں گے۔ اگر فی الواقع ایک ہے تو اس سے نکاح جائز ہوگا اور اگر فی الواقع دو ہیں تو ان سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک دونوں کو ایک دوسری سے الگ نہیں کیا جاتا۔ اگر جدا کیا جانا آپریشن وغیرہ کے ذریعہ ممکن ہو تو جدا کر کے پھر ان سے نکاح جائز ہوگا اور اگر جدا کیا جانا ممکن

نہ ہو تو پھر ان سے زندگی بھر کسی کا نکاح نہیں ہو سکے گا۔ مودودی صاحب نے اضطرار کی وجہ سے ایک شخص کے لیے ان سے نکاح جائز قرار دے دیا ہے لیکن اضطرار کا تعلق کسی کی ذات سے ہے، غیر سے متعلق نکاح میں اضطرار نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

حرمت جمع بین الامراتین کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قیاس اور شاہد۔

ایسی دو عورتوں کو ایک وقت نکاح میں رکھنا حرام ہے کہ اگر ان سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو۔

قولہ یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَولَادِکُم الخ

اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے ماں باپ، بیٹے بیٹیاں وغیرہ کچھ نہ ہوں سوائے ایک بہن کے خواہ وہ علاتی بہن ہو یا حقیقی تو اس صورت میں کل مال کا نصف بہن لے گی اور بقیہ نصف عصبہ کو ملے گا اور اگر اسی طرح کوئی عورت فوت ہو جائے والدین، بیٹے بیٹیاں نہ ہوں صرف ایک بھائی ہو تو کل ترکہ کا نصف بھائی کو ملے گا اور بقیہ نصف عصبہ کو ملے گا۔ واللہ اعلم

سورۃ المائدۃ

آیتیں ۱۲۰ — سورۂ مائدہ مدنی ہے — رکوع ۱۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۚ أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا
اے ایمان والو! پورا کرو عہدوں کو حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی ہیں سوائے ان کے جو
يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا
تمہیں آگے سنائے جائیں گے مگر شکار کو احرام کی حالت میں حلال نہ جانو اللہ جو چاہے حکم
يُرِيدُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ
کرتا ہے ۝ اے ایمان والو! حلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو اور نہ حرمت والے مہینے کو
وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ
اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو اور نہ ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ حرمت والے گھر کی طرف
فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
آنے والوں کو جو ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشی ۔ اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو اور تمہیں
شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا
اس قوم کی دشمنی جو کہ تمہیں حرمت والی مسجد سے روکتی تھی اس بات کا باعث نہ بنے کہ زیادتی کرنے لگو اور آپس میں
عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ
نیک کام اور پرہیزگاری پر مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو
إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۝ تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا
الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو گلا گھونٹ کر اور جو چوٹ سے

بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

منکر ہوا تو اس کی محنت ضائع ہوئی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۝

افاداتِ محمود:

یہ سورۃ بالاتفاق مدنی ہے۔ اس میں ۱۲۰ آیات ہیں اور ۱۶ رکوع ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹے تو یہ سورۃ نازل ہوئی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ سورۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔ اس سورۃ میں بہت سے احکام اور بہت سے مسائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ یہ سورۃ متعدد کلیات اور جزئیات پر مشتمل ہے۔

یہ سورۃ چونکہ قرآن کریم کی بہ نزول کے اعتبار سے آخری سورۃ ہے لہٰذا اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے۔

حضرت جبیر بن نفیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جب حج کیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں حاضر خدمت ہوا وہ فرمانے لگیں

تقرأ سورة المائدة فقلت نعم، فقالت اما انها آخر سورة نزلت فما وجدتم فيها من حلال فاحلوه وما وجدتم فيها من حرام فحرموه (ابن کثیر)

تم سورہ مائدہ پڑھتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمانے لگیں کہ اچھی طرح سن لو کہ یہ آخری سورۃ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔

اس سورت کے احکام منسوخ نہیں ہیں، ورنہ نسخ کا احتمال تو رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلت یا حرمت سے متعلق کوئی حکم نازل فرمایا ہو اور پھر دوسرے حکم کے ذریعہ اس کو وقتی طور پر یا ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا ہو، لیکن یہ آخری سورت ہے اس وجہ سے اس کے احکام منسوخ نہیں ہیں۔ اس سورت کے پہلے رکوع کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عہد کی پاسداری کرنی چاہیے خاص کر وہ عہد جو اللہ تعالیٰ سے کیا گیا ہو۔

سورۂ مائدہ کی پہلی آیت میں احکام خمسہ کا بیان:

اس پہلی آیت میں احکام خمسہ کا بیان ہے۔ (۱) امر بایفاء العقود (۲) تحلیل بهيمة الانعام یعنی چوپاؤں میں سے جانوروں کا حلال ہونا۔ (۳) استثناء ما یتلی علیکم من بعد (سوائے ان جانوروں کے جن کی حرمت عارضی یا ابدی ہے جو بعد میں بتائی جائے گی) (۴) تحریم صید المحرم سواء کان الاحرام للحج او العمرۃ (یعنی بحالت احرام شکار کا حرام ہونا خواہ یا احرام حج کا ہو یا عمرے کا) (۵) آیت کے منطوق سے نہیں، بلکہ مفہوم سے معلوم ہوا کہ جب حرمت صید مقید اور مشروط ہے۔ قید اور شرط حرمت سے تو حلال ہونے کی حالت (بغیر احرام) میں اصطیاد یعنی شکار جائز ہو جائے گی۔

بھی صورت میں پسند نہیں ہے۔ وہ تو کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور تم نور ایمان سے راحت پاتے ہو۔ بھلا تمہاری ان سے کیا مناسبت کہ تم بھی وہی کچھ کرو جو انہوں نے کیا ہے۔

المیتۃ جو خود بخود مر جائے۔

والدم سے مراد دم مسفوح ہے۔ یعنی بہنے والا خون۔ وما اھل بہ الخ بتوں کے نام پر جانور چھوڑا جاتے تھے۔ والمنخنقۃ اور منخنقہ جس کا گلا دبا کر اور گھونٹ کر اسے مار دیا جائے۔ اس کی حرمت کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ ذبح سے مقصود دم نجس کا اخراج ہے اور خنق کی صورت میں میتہ کی طرح وہ نجس خون اندر ہی اندر رہ جاتا ہے۔ لہذا جانور حرام ہے۔ الموقوذۃ جس کو لکڑی یا کسی اور شے سے مارا جائے اور اس کے صدمہ سے وہ مر جائے۔ المتردیۃ کسی پہاڑی یا اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہو جائے۔ النطیحۃ جس کو دوسرا جانور سینگ مار کر ہلاک کر دے۔ جانوروں میں کبھی کبھی لڑائی ہو جاتی ہے، اس وقت یہ صورت بھی ممکن ہے، بلکہ ایسا عموماً ہوتا ہے۔ وما اکل السبع الخ یعنی مندرجہ بالا قسمیں جو محرمات کی بیان ہوئیں اگر ان جانوروں میں زندگی کی رمق باقی ہو اور آپ نے ذبح کر دیا تو پھر حلال ہے اور دیکھا یہ جائے گا کہ اس جانور کی موت منسوب الی الذبح ہے یا منسوب الی الخنق والقطع وغیرہ ہے۔ اگر منسوب الی الذبح ہے تو حلال ہے اور اگر منسوب الی الخنق ہے تو حرام ہے۔ موقوذہ اور متردیہ وغیرہ یہ تمام قسمیں جو اوپر محرمات کے باب میں ذکر ہوئیں یہ جزئیہ ہیں۔ بیمار جانور کے بھی۔ اگر کوئی جانور بیمار ہو اور اسے ذبح کر دیا جائے تو دیکھا جائے گا کہ اس جانور کی موت منسوب الی المرض والطبع ہے یا منسوب الی الذبح ہے اور اس کا دارومدار علامات حیات پر ہے۔ اگر علامات حیات تھیں اور ذبح کیا گیا ہے تو یہ حلال ہے اور اس کی موت منسوب الی الذبح ہوگی اور اگر علامات حیات نہ تھیں اور ذبح کیا گیا تو یہ جانور مردار ہے اور اس کی موت منسوب الی المرض والطبع ہے۔

حیوان میں علامات حیات کی پہچان:

جانور کی زندگی کی مختلف علامتیں ہیں۔ بعض قوی اور بعض ضعیف ہیں۔

ایک علامت حیات یہ ہے کہ ذبح کے بعد خون تیزی سے نکلے۔ اگر ذبح کے بعد خون کا فوارہ چھوٹا ہے تو یہ تیزی سے خون کا نکلنا ہی حیات ہے اور اگر ذبح کے بعد ویسے ہی خون بہہ گیا لیکن تیزی نہ تھی تو محض خون کا بہہ جانا علامت حیات نہیں ہے۔ بعض حضرات نے حرکت کو علامت حیات قرار دیا ہے، لیکن یہ بھی خون نکلنے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔ اگر خون نہ نکلے اور حرکت موجود ہو تو پھر اس حرکت کا اعتبار نہیں۔ اب ذبح کے بعد حرکت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک قسم علامت حیات ہے اور دوسری قسم علامت حیات نہیں۔ اگر ذبح کے بعد جانور نے ٹانگیں پھیلا دیں اور یہ اسی طرح رہ گئیں تو یہ علامت حیات نہیں اور اگر پھیلا کر پھر سکیڑ دیں یا پیچھے سے ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں،

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

بخشش اور بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے ۞ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ

الْجَحِيْمِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ

دوزخی ہیں ۞ اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب قوموں نے ارادہ کیا کہ تم پر

يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

دست درازی کریں پھر روک دیے ان کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر

الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ ع ۲

بھروسہ رکھنا چاہیے ۞

افادات محمود:

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ الخ

وضو میں مسح راس کا حکم ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اگر چند بالوں کا مسح کیا جائے تب بھی جائز ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک کم از کم ربع راس یعنی سر کے چوتھائی حصہ کا مسح فرض ہے۔ امام مالک کے ہاں کل راس کا مسح فرض ہے۔ اسی طرح محرم جب احرام کھولے تو حلال ہونے کے لیے امام شافعی اور احمد کے ہاں چند بال کٹوانے سے احرام کھولنا جائز ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ کے ہاں کم از کم ربع راس کے کتروانے سے احرام کھولنا جائز ہو جائے گا اور امام مالک کے ہاں سارے سر کے بال حلق یا کتروانے سے احرام کھولنا جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ فَاطَّهَّرُوْا غسل میں بہ نسبت وضو کے مبالغہ کیا ہے لفظاً اور معنًا کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے۔ ایک قول کے مطابق غسل میں بدن کو تین بار دھونا چاہیے۔ لیکن یہ کوئی مذہب نہیں ہے۔ لہٰذا کیفیت والا فرق برقرار رہے گا۔ مثلاً وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض نہیں ہے۔ جبکہ غسل میں فرض ہے۔ تیمم کا ذکر وضو اور غسل دونوں کے بعد کیا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خواہ غسل کی حاجت ہو یا وضو کی حدث اکبر لاحق ہو یا حدث اصغر دونوں صورتوں میں تیمم ایک جیسا ہوتا ہے۔ نیت میں فرق ہوگا کمیت اور کیفیت میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا الخ ابتدائے اسلام میں جب مسلمان تھوڑے تھے اور کمزور تھے تو کفار مکہ نے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی بہت کوشش کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو روکے رکھا اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ آخر مسلمانوں کو قوت مل گئی اور قوی ہو گئے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ

اور اللہ نے — بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا — اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار

نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ

مقرر کئے — اور اللہ نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں — اگر تم نماز کی پابندی کرو گے — اور زکوٰۃ دیتے رہو گے

وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ

اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاؤ گے — اور ان کی مدد کرو گے — اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے — تو میں ضرور تمہارے

سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

گناہ تم سے دور کر دوں گا — اور تمہیں باغوں میں داخل کروں گا — جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں — پھر جو کوئی تم میں سے

ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ

اس کے بعد کافر ہوا — وہ بے شک سیدھے راستے سے گمراہ ہوا ○ — پھر ان کی عہد شکنی کے باعث ہم نے ان پر لعنت کی اور

جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا

ان کے دلوں کو سخت کر دیا — وہ لوگ کلام کو اس کے ٹھکانے سے بدلتے ہیں — اور اس نصیحت سے نفع اٹھانا

بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ

بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی — اور تو ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر اطلاع پاتا رہے گا — مگر تھوڑے سے ان میں سے سو انہیں معاف کر

وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا

اور درگزر کر بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○ — اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں — ان سے بھی

مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ

ہم نے عہد لیا تھا پھر وہ بھی نصیحت سے نفع اٹھانا بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی پھر ہم نے ان کے درمیان ایک دوسرے کی دشمنی اور بغض

اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

قیامت تک کے لئے ڈال دیا — اور اللہ انہیں — بتا دے گا — جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ○ — اے اہل کتاب

قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا

تحقیق تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے — جو بہت سی چیزیں تم پر ظاہر کرتا ہے — جنہیں تم کتاب سے چھپاتے تھے — اور بہت سی

افادات محمود:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ الخ

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا ایک نعمت ہے۔ خصوصاً اس وقت جب فترۃ وحی ہو گیا تھا یعنی ایک زمانہ مدت دراز سے رسول نہیں آئے تھے۔ احکام منزلہ اپنی ہیئت تبدیل کر چکے تھے اور ان احکام سماوی کی تشریح کے لیے نئے نبی و رسول کا آنا بہت ضروری تھا۔

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا الخ

یعنی اسرائیل کے بارہ نقیب تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جن صحابہ کرام نے ۱۲ نبوی میں بیعت کی تھی ان کی تعداد بھی ۱۲ تھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

اے ایمان والو — اللہ سے ڈرو

اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور اللہ کا قرب تلاش کرو — اور اللہ کی راہ میں — جہاد کرو — تاکہ تم — کامیاب ہو جاؤ ○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

بے شک — جو لوگ کافر ہیں — اگر ان کے پاس — زمین بھر کی چیزیں ہوں — وہ اس کے ساتھ

لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

اتنی اور ہو تاکہ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لیے دے دیں تو بھی ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے لیے دردناک عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ

ہے ○ — وہ چاہیں گے کہ — آگ سے نکل جائیں حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں — اور ان کے لیے

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا

دائمی عذاب ہے ○ — اور چور — خواہ مرد ہو یا عورت — دونوں کے ہاتھ کاٹ دو — یہ ان کی کمائی کا

كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ

بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے — اور اللہ غالب حکمت والا ہے ○ — پھر جس نے — اپنے ظلم کے بعد توبہ کی

وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

اور اصلاح کر لی تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا — بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ — کیا تجھے معلوم نہیں

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ

آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے واسطے ہے — وہ جسے چاہے عذاب دے — اور جسے چاہے بخش دے

وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ

اور اللہ سب چیز پر قادر ہے ○ — اے رسول — ان کا غم نہ کر — جو دوڑ کر

فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ

کفر میں گرتے ہیں — وہ لوگ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ — ہم ایمان لائے — حالانکہ ان کے دل — مومن نہیں ہیں

لیے نازل نہیں ہوئی تھیں۔ یہ سزائیں ایسے معاشرہ کے لیے تھیں جس میں لوگ بھوکے اور ننگے نہ تھے۔ حکومت کی ذمہ داری تھی کہ قوم کو روٹی کپڑا مکان فراہم کرے۔ عورتیں بے پردہ باہر نہیں نکلتی تھیں لہٰذا زنا جرم عظیم تھا اور یہ سزا کچھ معقول تھی جب کہ آج ہمارے معاشرہ میں غربت کا دور دورہ ہے اور بے پردہ عورتوں کی بھرمار ہے۔ فاحشہ عورتیں سر بازار پاؤڈر لگا کر اور میک اپ کر کے زنا کی دعوت دیتی ہیں۔ اسی طرح یہ فلمیں اور نائٹ کلب سب گناہ کے اسباب موجود ہیں تو انسان زنا کرنے پر مجبور ہے۔ اس صورت میں سنگسار اور رجم کرنا ظلم ہے۔ یہ مضمون مودودی صاحب نے تفہیمات میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور ایک ''اسلامی قانون'' کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ اگر اس زمانہ میں کوئی زنا سے بچ جائے تو اس کو ''تمغہ بہادری'' کا لقب دینا چاہیے نہ کہ زنا کرنے والے کو سزا دی جائے اور مزید لکھا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا ظلم ہے۔ یہ بات موجودہ دور کے لوگوں کے بارے میں نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اقامت حدود سے فارغ ہو گئے۔

دیکھا جائے تو اگر آپ آج کے معاشرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے معاشرے کا تقابلی جائزہ کریں تو یہ بات عیاں ہوگی کہ اس زمانہ میں غربت آج سے کہیں زیادہ تھی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دو دو ماہ تک چولہا نہیں جلتا تھا۔ کیا آج کوئی ایسا گھر موجود ہے جس میں آگ نہ جلتی ہو؟ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔ آج کوئی ایسا ہے؟ یہ وجہ تو اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس سے توقع رکھی جائے کہ وہ رجم اور قطع ید وغیرہ سزاؤں کے انکار سے باز آجائے لیکن مودودی صاحب کو معلوم کیا ہو گیا ہے کہ وہ ان حدود کے قائل کیوں نہیں ہوئے۔ اب ہم اگر ابھی بھی حدود کے نفاذ کے لیے آواز اٹھاتے ہیں تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے خود دیکھا ہے کہ یہ ظلم ہے اور وحشیانہ سزا ہے۔ جس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔

مقدار اور تعریف سرقہ جس پر قطع ید کا حکم لاگو ہوتا ہے۔

هي اخذ مكلف خفية قدر عشرة دراهم مضروبة محرزة بمكان او حافظ.

وہ (چوری) لینا ہے مکلف (بالغ) کا پوشیدہ طور پر دس ڈھلے ہوئے درہموں کے بقدر جو محفوظ ہو کسی جگہ یا کسی محافظ کے ذریعہ۔

چوری شدہ مال کی وہ مقدار جس پر ہاتھ کاٹنے کا حکم مرتب ہوتا ہے کم از کم دس درہم ہیں۔ اس سے کم میں قطع ید نہیں ہے۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ مال محفوظ ہو۔ اگر غیر محفوظ مال کسی نے اٹھا لیا تو پھر بھی قطع ید کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔ اگر مسجد سے کوئی مال اٹھا کر لے جائے تو قطع ید نہ ہوگا لیکن تعزیر ہوگی۔ والدین اگر بیٹے کا مال چوری کریں تو بھی قطع ید نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں ہے ''انت ومالک لابیک'' تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کے ہیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ

اس آیت اور اس کے بعد والی آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک یہودی مرد اور عورت نے، جو شادی شدہ تھے، زنا کا ارتکاب کیا۔ چونکہ توریت میں رجم اور سنگسار کرنے کا حکم موجود تھا اور یہودی کسی نہ کسی بہانے سے اس سزا سے بچنا چاہتے تھے۔ مشورہ کیا کہ یہ جو نئے نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے ہیں، ان کی شریعت میں رجم کا حکم نہیں ہے، لہٰذا ان سے فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ اس طرح سنگساری کی سزا سے بچ جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جماعت تحقیق کی غرض سے آئی۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر وہ رجم کے علاوہ کوئی اور سزا تجویز کریں گے تو ہم مان جائیں گے، ورنہ نہیں مانیں گے۔ جب حضور کے پاس آگئے تو حضور نے فیصلہ سنانے سے قبل ان سے سوال کیا کہ کیا میرا فیصلہ مانو گے؟ سب نے کہا کہ جی ہاں۔ اتنے میں حضرت جبرئیل نے بتلایا کہ آپ کو رجم کا حکم سنا دیا اور آپ نے ان کو رجم کرنے کا فیصلہ دے دیا، انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ فدک کا رہنے والا ابن صوریا کے متعلق تم کیا جانتے ہو کہ وہ کیسا آدمی ہے؟ یہودی کہنے لگے کہ روئے زمین پر اس وقت تورات کا اس سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور مضبوط قسم دے کر پوچھا کہ سچ بتا کہ تورات میں شادی شدہ زانی کے لیے کیا سزا ہے؟ اس نے بھی یہی بات بتلائی کہ رجم ہی ہے، لیکن یہود نے پھر بھی انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے ہاں سزا یہ ہے کہ زانی کا منہ کالا کر کے اس کو گدھے پر سوار کرتے پھر لگوتے جاتے ہیں۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ

ہم نے تورات نازل کی کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے انبیاء حکم جو حکم کرتے

أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّـٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن

جو فرمانبردار تھے یہود کو حکم کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب کے

كِتَـٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا

نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے سو تم لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور

تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَـٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ

میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑا مول مت لو اور جو کوئی اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا سو

هُمُ ٱلْكَـٰفِرُونَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ

وہی لوگ کافر ہیں ۝ اور ہم نے ان پر اس کتاب میں لکھ دیا کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے

وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ

اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا بدلہ

قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ

ان کے برابر ہے پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اتارا

فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ۝ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَـٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا

سو وہی لوگ ظالم ہیں ۝ اور ہم نے ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے بیٹے کو تصدیق کرتا

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَـٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ

اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝

اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور راہ بتانے والی اور نصیحت ڈرنے والوں کے لئے ۝

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ

اور چاہیے کہ حکم کریں انجیل والے اس کے موافق جو اللہ نے اتارا اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو اتارا اللہ نے

افادات محمود:

قصاص سے متعلق احکام "النفس بالنفس" الخ:

اللہ تعالیٰ یہود کی ایک اور قباحت کو بیان فرما رہے ہیں کہ قتل نفس یا کسی ایک عضو کو ضائع کرنے اور کسی کو زخمی کرنے سے متعلق جو احکام ان کو دیے گئے تھے، ان میں انہوں نے تحریف کر ڈالی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے بالمقابل اپنی مرضی اور رائے سے فیصلے کرتے تھے۔ جراحات میں تو مساوات ممکن ہی نہیں ہے۔ وہاں تو دیت ہی دینی پڑتی ہے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے، لیکن قتل نفس یا بعض اعضاء کے قطع کی صورت میں جہاں مساوات ممکن ہے، وہاں بھی یہود نے احکام خداوندی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ مدینے میں یہود کے دو قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے، بنو نضیر اپنے آپ کو بنو قریظہ سے افضل و برتر سمجھتے تھے۔ لہٰذا اگر بنو نضیر کا کوئی فرد بنو قریظہ کے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو ضرور اس کا قصاص لیتے، لیکن بنو قریظہ میں سے کوئی شخص بنو نضیر کے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو بنو نضیر ان کے قصاص کا استحقاق نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح اگر بنو نضیر کا مقتول ہوتا تو پوری دیت وصول کرتے اور اگر مقتول بنو قریظہ کا ہوتا اور قاتل بنو نضیر میں سے کوئی ہوتا تو نصف دیت دیتے۔ اب جب اسلام آیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو بنو نضیر نے قدیم دستور کے مطابق اپنے کسی مقتول کی پوری دیت کا مطالبہ کر دیا جبکہ خود نصف دیت دیتے تھے تو بنو قریظہ نے پوری دیت دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ چکے ہیں۔ ان سے فیصلہ کروائیں گے اور ہم آپ لوگوں کا یہ ظالمانہ فیصلہ نہ مانیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قصاص اور جراحات سے متعلق یہ احکام نازل فرما دیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "تتکافأ دماؤهم" سب کا خون برابر ہے۔ قصاص و دیت میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ بنو نضیر نے کہا کہ "حططت عنا" آپ نے ہمارا رتبہ کم کر دیا۔ اسی طرح تمام مسلمانوں کا خون آپس میں برابر ہے، لیکن کافر اگر غیر ذمی ہو اور مسلمان اسے قتل کر دے تو مسلمان کافر کے قصاص میں قتل نہ ہوگا۔ البتہ ذمی کے قصاص میں مسلمان قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی کے ہاں مسلمان کا قتل کرنا ذمی کے عوض جائز نہیں ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ "لا یقتل مسلم بکافر" یعنی مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہماری دلیل دار قطنی کی روایت سے ہے جس میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کے قصاص میں مسلمان کو قتل کروایا تھا اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ "انا اکرم من وفی ذمته" میں اپنی ذمہ داری نبھانے کا سب سے زیادہ پاسداری کرنے والا ہوں۔ اور جو حدیث امام شافعی کی مستدل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد کافر حربی ہے کیونکہ یہ معطوف علیہ ہے اور اس پر جو معطوف ہے وہ ہے "ولا ذو عهد في عهده" اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ذمیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "دماؤهم کدمائنا و اموالهم کاموالنا" ان کا خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہے تو

پھر قصاص میں مسلمان کا ذمی کے عوض قتل نہ ہونا چہ معنی دارد؟

اسی طرح قصاص فیما دون النفس کا حکم ہے کیونکہ قتل میں نفس کا ہے اور قصاص اعضاء جز ہے اور جز کل کے تابع ہوتا ہے، لیکن قصاص فیما دون النفس وہاں متحقق ہوگا جہاں اعضاء میں مساوات ممکن ہو اور جہاں مساوات ممکن نہ ہوگی وہاں قصاص نہ ہوگا بلکہ دیت ہوگی۔ قصاص فیما دون النفس قرآنی آیت اَلْجُرُوْحَ قِصَاصٌ سے مراد اور اسی حدیث سے کہ ایک عورت نے جاریہ نصرانیہ کا دانت توڑا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ اجماع امت سے ثابت ہے جن اعضاء میں مساوات ممکن ہے، ان میں سے بعض آنکھ، ناک، کان، دانت وغیرہ ہیں، لہٰذا جن اعضاء میں مساوات ممکن ہے، وہاں قصاص لیا جائے گا اور جن اعضاء میں مساوات ممکن نہ ہو یا قطع عضو نہ ہو، بلکہ زخم ہو تو وہاں دیت ہوگی۔ زخم جسم کے مختلف حصوں پر لگائے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا اسی حساب سے حکم ہوگا۔

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ اور زخم (زخموں) میں مساوات ممکن نہیں۔ کیونکہ جسم کے مختلف حصوں کے مختلف تعبیرات ہوتے ہیں۔ ہدایہ کتاب الدیات میں ہے کہ شجہ (سر) کا زخم دس قسم کا ہوتا ہے۔ سر اور چہرہ کے زخم کو شجاج کہا جاتا ہے۔

الحارصہ اس زخم میں کھال چھل جاتی ہے اور خون نہیں نکلتا۔

الدامعہ اس زخم میں خون ظاہر ہوتا ہے لیکن باہر نہیں نکلتا جیسا کہ آنسو آنکھ کے اندر رہو یا باہر نہ نکلے۔

الدامیہ۔ وہ زخم جس میں خون نکلے۔

الباضعہ۔ اس زخم میں کھال کٹ جاتی ہے۔

المتلاحمہ۔ اس زخم میں گوشت بھی کٹ جاتا ہے، ہڈی محفوظ ہوتی ہے۔

السمحاق۔ یہ زخم اتنا گہرا ہوتا ہے کہ گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان جو باریک سا پردہ ہوتا ہے وہاں تک پہنچ جاتا ہے۔

الموضحہ۔ اس زخم میں سر کی ہڈی صاف نظر آتی ہے۔

الہاشمہ۔ اس میں سر کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔

المنقلہ۔ اس میں ہڈی ٹوٹنے کے بعد ادھر ادھر ہو جاتی ہے۔

الآمہ۔ یہ زخم کھوپڑی کے اندر تک جہاں دماغ ہے پہنچ جاتا ہے۔

مندرجہ بالا دس قسموں میں سے صرف ایک میں قصاص ممکن ہے یعنی زخم موضحہ میں۔ حدیث میں بھی ہے۔ دارقطنی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موضحہ کی صورت میں قصاص کا حکم دیا ہے اور باقی زخموں میں قصاص نہیں ہے [illegible] موضحہ زخم عمداً ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ

اے ایمان والو مت بناؤ یہود

وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان

فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

کے ساتھ دوستی کرے سو وہ انہی میں سے ہے اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا پھر تو ان لوگوں کو دیکھے گا جن کے دلوں میں

مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى

بیماری ہے ان میں دوڑ کر جاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر زمانہ کی گردش نہ آجائے سو قریب ہے کہ

اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ

اللہ جلدی ظاہر فرمادے فتح یا کوئی اور حکم اپنے پاس سے تو پھر لگیں اپنے دل کی چھپی ہوئی

اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿52﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ

بات پر شرمندہ ہونے اور مسلمان کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید

جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿53﴾

سے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کے عمل برباد ہوئے پھر وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ

اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے پھرے گا اپنے دین سے تو عنقریب اللہ لاوے گا ایسی قوم کو

يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ

کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے یہ فضل ہے اللہ کا دیتا ہے جس کو

يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿54﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ

چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں جو کہ

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

اور ایمان والوں کو دوست رکھے تو اللہ کی جماعت ہی غالب ہونے والی ہے۔

افاداتِ محمود:

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ

پہلی آیت میں موالات سے منع کر دیا یہ تھا کہ کوئی شخص غیروں کے رنگ میں نہ رنگا جائے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ خدانخواستہ اگر کوئی شخص ارتداد کا مرتکب ہو رہا ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ مسلمانوں کو اور اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا پھر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے مقابلہ میں اور لوگوں کو کھڑا کر دیں گے جو دین اسلام کے سچے خادم ہوں گے۔ آج کل دیکھو تبلیغی جماعت والے کافی و تاجر انگریزوں کو مسلمان بنا رہے ہیں اور وہ دوسروں سے زیادہ اچھے مسلمان ہوتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اے ایمان والو! ان

لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

لوگوں کو یار دوست مت بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان لوگوں میں سے جنہیں تم سے

مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ

پہلے کتاب دی گئی اور کافروں کو اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو ۝ اور جب تم

اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝

نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں ۝

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

کہہ دو اے اہل کتاب تم ہم میں کون سا عیب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس پر

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے اور اس پر جو پہلے بھیجی جا چکی ہے باوجود اس کے تم میں اکثر لوگ نافرمان ہیں ۝ کہہ دو میں تم کو بتلاؤں

بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ

اللہ کے ہاں ان میں سے کس کی بری جزا ہے وہی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب نازل کیا

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ

اور بعضوں کو ان میں سے بندر بنایا اور بعضوں کو سور اور جنہوں نے شیطان کی بندگی کی وہی لوگ

مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ

درجہ میں بدتر ہیں اور راہ راست سے بھی بہت دور ہیں ۝ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے

دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝

حالانکہ وہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے تھے ۝

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ

اور تو ان میں سے [illegible] دوڑتے

السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَ

ہیں بہت برا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں ○ ان کے فقراء اور علماء

الْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا

گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے انہیں کیوں نہیں منع کرتے البتہ بری ہے جو وہ

يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا

جو وہ کرتے ہیں ○ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے انہی کے ہاتھ بند ہوں اور لعنت

بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا

اس کہنے پر لعنت ہے بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہے خرچ کرتا ہے وہ کلام جو تیرے رب

مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ

کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں زیادتی کا باعث بن گیا اور ہم نے ان کے درمیان

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ

قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دی ہے جب کبھی لڑائی کے لئے آگ جلاتے ہیں

أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے یہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم ان سے ان کی برائیاں دور کر دیتے اور ضرور انہیں نعمت کے

جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ

باغوں میں داخل کرتے ○ اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور جو ان پر

إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ

ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے تو اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے کچھ لوگ ان میں

مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾

سیدھی راہ پر ہیں اور ان میں بہت سے برا کام کر رہے ہیں ○

بَصِيرٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْمَسِيحُ

دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ○ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا بیشک اللہ وہی مسیح

ٱبْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ ٱلْمَسِيحُ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّى وَ

مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو میرا اور

رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ٱلْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ ٱلنَّارُ ۖ

تمہارا رب ہے بیشک جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا سو اللہ نے اس پر جنت حرام کی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَّقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ ثَالِثُ ثَلَٰثَةٍ ۘ

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ○ جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے بے شک وہ کافر ہوئے

وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّآ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا۟ عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ

حالانکہ سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئیں گے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے

ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى ٱللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُۥ ۚ

کفر پر قائم رہنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا ○ تو کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور اس سے گناہ نہیں بخشواتے

وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَّا ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ مسیح مریم کا بیٹا تو صرف ایک پیغمبر ہی ہے جس سے پہلے اور بھی پیغمبر

ٱلرُّسُلُ وَأُمُّهُۥ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ ٱلطَّعَامَ ۗ ٱنظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ

گزر چکے ہیں اور اس کی ماں ولی ہے دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھ ہم ان کو کیسی بتلاتے

ٱلْءَايَٰتِ ثُمَّ ٱنظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا

ہیں دلیلیں پھر دیکھ وہ کدھر الٹے جاتے ہیں ○ کہہ دو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے

يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ

نقصان اور نفع کے مالک نہیں اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا ○ کہہ اے اہل کتاب

لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ غَيْرَ ٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوٓا۟ أَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا۟ مِن قَبْلُ

تم اپنے دین میں ناحق زیادتی مت کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کرو جو اس سے پہلے

وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۷۷﴾

گمراہ ہو چکے اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے دور ہو گئے ○

افادات محمود:

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ الخ

تبلیغ دین میں رکاوٹیں اور ان کا ازالہ:

تبلیغ دین میں ویسے رکاوٹیں تو بہت ہوتی ہیں، لیکن مذکورہ آیت میں جن رکاوٹوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ تین ہیں۔

(۱) عدم اہمیت: ایک رکاوٹ تبلیغ میں اہمیت کا نہ ہونا ہے کہ انسان کے دل میں یہ اہمیت ہی نہ ہو کہ یہ کام ضروری ہے اور ہمارے ذمہ ہے۔ جیسے میں کسی سے کہوں کہ پانی لے آؤ۔ اب اگر اس کے دل میں پیاس اور بروقت پانی پلانے کی اہمیت نہیں ہے تو ٹہلتا ہوا جائے گا۔ پھر آہستہ آہستہ برتن تلاش کرے گا اور پانی لے کر بھی غفلت کے ساتھ حاضر ہوگا کیونکہ اس کے دل میں پیاسے شخص کو بروقت پانی پلانے کی اہمیت نہیں ہے۔

(۲) دوسری رکاوٹ عموماً تکلیفیں ہوتی ہیں۔ آپ تبلیغ دین کرنا چاہتے ہیں، لیکن اپنے اور بیگانے سب ہی آپ کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں، آپ کو اور آپ کے کنبے کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے ہیں جس کی وجہ سے آپ تبلیغ پر قادر نہیں ہوتے۔

(۳) پھر انسان ان دل خراش تکالیف اور اذیتوں کو برداشت کرتا ہوا کمر ہمت باندھ لیتا ہے اور کام شروع کر دیتا ہے، لیکن لوگ ہدایت قبول نہیں کرتے تو انسان مایوس ہوتا ہے اور ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں تینوں رکاوٹوں کے ازالہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۱) تبلیغ دین کی اہمیت کے پیش نظر صیغہ امر "بلّغ" استعمال فرمایا گیا ہے کیونکہ اکثر و بیشتر امر وجوب کے لیے آتا ہے، جیسا کہ قرآن و حدیث میں اکثر مقامات پر ہے اور کبھی کبھی امر اباحت کے لیے آتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "واذا حللتم فاصطادوا" یعنی جب تم احرام کھول کر حلال ہو جاؤ تو شکار کرو۔ فاصطادوا، بصیغہ امر فرمایا گیا حالانکہ احرام کھلنے کے بعد شکار جو بحالت احرام منع تھا، اب مباح ہو گیا ہے۔ واجب اور ضروری نہیں ہے۔ اس صورت میں مباح منقول ہوتا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مشرکین کی طرف سے قاصد بن کر آئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی شرائط طے کر لی تھیں جب معاہدہ کو تحریر کا جامہ پہنانے لگے تو معاہدہ لکھنے والے کاتب حضرت علیؓ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما قاضٰی (بسم اللہ کے بعد یہ وہ

معاہدہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے ہوا) تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ

لو عرفناک رسولاً ما صددناک عن البیت ۝

اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کرتے تو پھر بیت اللہ سے نہ روکتے لہٰذا محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دو، حضرت علیؓ نے فرمایا: " واللہ لا امحوک ابداً " اللہ کی قسم "رسول اللہ" کا لفظ کبھی بھی نہ مٹاؤں گا۔ دیکھیں کہ حضورؐ حضرت علیؓ کو حکم دے رہے ہیں اور حضرت علیؓ قسم کھا کر اس سے انکار فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں حضور کا حکم استحبابی تھا وجوبی نہ تھا۔

الامر فوق الادب غلط اور الادب فوق الامر صحیح ہے:

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ جو بعض لوگ درس اور تقریر کے دوران کہتے ہیں الامر فوق الادب یہ غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے الادب فوق الامر کیونکہ مذکورہ بالا مثال میں حضرت علیؓ نے غلبہ ادب کی وجہ سے محو کرنے سے انکار کر دیا اور امتثال امر کی بجائے ادب کو اختیار کیا۔

(۲) غزوہ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم طہارت کی غرض سے باہر تشریف لے گئے اور واپسی پر کافی دیر ہو گئی۔ فجر کی نماز کا وقت ہوا تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نماز کے لیے آگے ہو گئے۔ وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ دوران نماز ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

فھم بتأخر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکانک

یعنی عبدالرحمن بن عوفؓ کو جب حضورؐ کی آمد محسوس ہوئی تو پیچھے ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ حضورؐ خود مصلے پر آ جائیں، لیکن حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ مکانک اپنی جگہ یعنی مصلے پر ہی رہو۔ اس ارشاد سے صراحتہً یہ بات معلوم ہوئی کہ افضل کی نماز مفضول کے پیچھے ہو جاتی ہے۔

(۳) مرض وفات کے دوران جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھائے اور حضرت ابوبکرؓ مصلے پر کھڑے نماز پڑھا رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت کچھ ہلکی محسوس کی تو مسجد میں تشریف لے آئے۔

فلما احس ابوبکر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل یتاخر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکانک ۝

جب ابوبکر صدیقؓ کو حضورؐ کی تشریف آوری کا احساس ہوا تو انہوں نے مصلے سے پیچھے کھسکنا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو (مصلے سے پیچھے نہ ہو) لیکن ابوبکرؓ نہ مانے اور آہستہ آہستہ مصلے سے پیچھے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہو گئے۔

(۳) قیصر روم کی طرف جب آپ ﷺ نے عہد ارسال فرمایا تو اس نے بھی خط کو بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھا اور حضرت ابوسفیانؓ سے مفصل معلومات حاصل کیں جس کی تفاصیل بخاری میں مذکور ہیں۔ پھر نہایت احترام سے اس کو سونے کے قلمدان میں رکھا۔ قریب تھا کہ مسلمان ہو جاتا، لیکن وہ حکومت اور مال و دولت کے لالچ میں ایمان لانے سے محروم رہا۔ ورنہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین آ گیا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ

اے ایمان والو البتہ اللہ ایک بات سے تمہیں آزمائے گا

مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ

اس شکار سے جس پر تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچیں گے تاکہ اللہ معلوم کرے کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے پھر

اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ

جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے ۝ اے ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم احرام میں ہو

وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

اور جو کوئی تم میں سے اسے جان بوجھ کر مارے تو اس مارے ہوئے کے برابر بدلہ ہے مویشی میں سے

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ

جس کا فیصلہ دو معتبر آدمی تم میں سے کریں بشرطیکہ قربانی کعبہ تک پہنچنے والی ہو یا کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو

اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ

یا اس کے برابر روزے تاکہ اپنے کام کا وبال چکھے اللہ نے اس چیز کو معاف کیا جو گذر چکی اور جو کوئی

عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ

پھر کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے ۝ تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا

وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ

کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے واسطے اور مسافروں کے لئے فائدے کو اور تم پر جنگل کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم احرام میں ہو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا

اور اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے ۝ اللہ نے کعبہ کو جو کہ بزرگی والا گھر ہے لوگوں کے لئے قیام کا باعث کر دیا ہے

لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اور عزت والے مہینے کو اور حرم میں قربانی والے جانور کو بھی اور جن کے گلے میں پٹا ڈال کر لے جائیں یہ اس لئے ہے کہ تم جان لو

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

کہ بے شک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز جاننے والا ہے ۝

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ

جان لو بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۝ رسول کے ذمہ

اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ

سوائے پہنچانے کے اور کچھ نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپا کر رکھتے ہو ۝ کہہ دو کہ ناپاک

وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اور پاک برابر نہیں اگرچہ تجھ کو ناپاک کی کثرت بھلی معلوم ہو سو اے عقل مندو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہاری نجات ہو ۝

افادات محمود:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ الخ

صید محرم اور صید حرم کے احکام:

اس رکوع میں بعض خاص محرمات کا ذکر ہے جن کی حرمت کسی خاص جگہ یا خاص حالت سے متعلق ہے۔ (۱) صید حرم یعنی حدود حرم میں شکار کرنا یہ بھی حرام ہے۔ اگر ہرن کے اگلے پاؤں حرم میں اور پچھلے حل میں ہیں تو اس کا شکار حلال ہے اور اگر اگلے پاؤں حل اور پچھلے حرم میں ہیں تو اس کا شکار حرام ہے۔ اسی طرح ایک درخت کی جڑیں حل میں اور شاخیں حرم میں ہیں تو اس پر بیٹھے ہوئے پرندے کا شکار مطلقاً بعض کا جائز ہے اور حنابلہ بعض جزا بھی پڑے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

اے ایمان والو مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر پوچھو گے

عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ

ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے معاف کر دیا ہے ان سے اور اللہ بخشنے والا

سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ

تحمل والا ہے ایسی باتیں تم سے پہلے ایک جماعت پوچھ چکی ہے پھر ان باتوں کے منکر ہو گئے اللہ نے بحیرہ

وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اور سائبہ اور وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیے لیکن کافر اللہ پر بہتان

الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ۝ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا

وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ

اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا

لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا

نہ کچھ علم رکھتے ہوں نہ ہدایت پر ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے ۝ اے ایمان والو تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے تمہارا

يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہو جبکہ تم ہدایت پر ہو تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جو کچھ تم

تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ

کرتے تھے ۝ اے ایمان والو جبکہ تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے تو وصیت کے وقت تمہارے درمیان

الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ

تم میں سے معتبر آدمی گواہ ہونے چاہئیں یا تمہارے سوا اور ہوں اگر تم نے

فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ

زمین میں سفر کیا ہو پھر تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے ان دونوں کو تم روک لو نماز کے بعد

کر چکا ہوں ان کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس سے بار برداری وغیرہ کا کام نہ لیتے تھے۔ یہاں جو بھی لفظی تفسیر ہو، خلاصہ اور لب لباب سب کا یہ ہے کہ یہ رسمیں جاہلیت کی رسمیں ہیں اور قدیم زمانے ہی سے مسلمانوں کو ایسے اعمال سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو مطلق حرام قرار دے دیا ہو یا کسی خاص جگہ میں یا کسی خاص حالت میں اس کو حرام سمجھا جائے۔ اپنی مرضی اور خواہش سے کسی حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال قرار دیا جائے۔ یہ حالت قابل اعتراض ہے اس کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔

لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ الخ

بعض لوگ یہاں سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی کو تبلیغ کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے اعمال ہی درست رکھنے چاہئیں! اصل بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ نہیں جو یہ لوگ سمجھ رہے ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہو جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر چھوٹے بڑے کو دین کی دعوت دیتے تھے اور اگر کوئی شخص پھر بھی نہ مانے تو ان کے کفر سے یا گمراہ رہنے سے تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جب تم لوگ اپنا حال ٹھیک رکھو گے۔

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ الخ

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ بدیل نامی ایک مسلمان شخص دو نصرانیوں عدی اور تمیم کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گیا۔ راستہ میں بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے تمام اسباب کی ایک لسٹ تیار کر کے سامان میں رکھ دی اور جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو دونوں ساتھیوں کو وہ سامان دے دیا کہ یہ میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ یہ نہ بتایا کہ سامان کی لسٹ بھی سامان میں موجود ہے۔ ان لوگوں نے راستے میں یہ خیانت کی کہ سامان میں ایک چاندی کا پیالہ تھا جس پر سونے کی قلعی کی گئی تھی، بہت قیمتی تھا وہ اسباب میں سے چوری کر کے کسی تاجر کو بیچ دیا۔ جب سامان وارثوں کے حوالے کیا تو انہوں نے لسٹ کے مطابق پیالے کا مطالبہ کر دیا۔ ان دونوں نصرانیوں نے انکار کر دیا۔ پھر ان سے قسمیں لی گئیں۔ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ ہمیں پیالے کا کوئی علم نہیں ہے۔ کچھ عرصے کے بعد جب وہ پیالہ تاجر کے ہاں دیکھا گیا اور اس نے ان دونوں شخصوں سے خریدنے کا اعتراف کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اس مسلمان سے یہ پیالہ خرید لیا تھا اور میت کے وارث انکار کرتے رہے کیونکہ اگر میت پیالہ بیچ چکا ہوتا تو اس کا نام فہرست میں شامل کیوں کرتا؟ چنانچہ یہاں میت کے وارثوں سے قسمیں لی گئیں انہوں نے قسمیں اٹھائیں کہ یہ پیالہ ہمارے مورث کی ملکیت تھا۔ انہوں نے اسباب سے چوری کیا ہے، لہٰذا اس پیالے کی قیمت کے مبلغ ۱۰۰۰ درہم میت کے وارثوں کو دلوائے گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ناحق قسم اٹھانی نہیں چاہیے اور کبھی جھوٹی شہادت نہیں دینی چاہیے اور کسی کی امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ نیز یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت غیر مسلم کو وصی بنانا بھی ٹھیک ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ

جس دن اللہ سب پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر کہے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا وہ کہیں گے ہمیں کچھ خبر نہیں

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ

تو ہی غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے ۝ جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے میرا احسان یاد کر جو

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ

تجھ پر اور تیری ماں پر ہوا ہے جب میں نے روح پاک سے تیری مدد کی تو لوگوں سے گود میں

وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ

اور بڑی عمر میں بات کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تو

مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ

مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے بناتا تھا پھر اس میں پھونک مارتا تھا تب وہ میرے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا تھا اور مادر زاد

الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب مردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو

عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس نشانیاں لے کر آیا تو جو ان میں کافر تھے وہ کہنے لگے اور کچھ نہیں یہ صریح

مُّبِيْنٌ ۝ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

جادو ہے ۝ اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈال دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے

وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ

اور تو گواہ رہ کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ۝ جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا

رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

تیرا رب کر سکتا ہے کہ ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے اتارے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ

ایماندار ہو ۝ [illegible]

قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

جو تو نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم رہیں اس پر گواہ ۞ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا

اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَ

اے اللہ رب ہمارے ہم پر بھرا خوان آسمان سے اتار جو ہمارے پہلوں اور

اٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ

پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہم کو روزی دے اور تو ہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے اللہ نے فرمایا

فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۱۵﴾

بیشک میں وہ خوان تم پر اتاروں گا پھر اس کے بعد جو کوئی تم میں سے ناشکری کرے گا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو جہان میں کسی کو نہ دوں گا

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی

مِنْ دُونِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ

دو خدا بنا لو وہ عرض کریں گے تو پاک ہے مجھے لائق نہیں کہ ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں

إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ

اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھے ضرور معلوم ہوگا جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے اور جو تیرے دل میں ہے میں نہیں جانتا

إِنَّكَ أَنْتَ عَلّٰمُ الْغُيُوبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِي بِهٖٓ أَنِ اعْبُدُوا

بے شک تو ہی چھپی ہوئی باتوں کو جاننے والا ہے ۞ میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی

اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ

بندگی کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا

أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۱۷﴾ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ

تو تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے ۞ اگر تو انہیں عذاب دے

عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ

تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف فرما دے تو بیشک تو غالب حکمت والا ہے ۞ اللہ نے فرمایا یہ وہ دن ہے